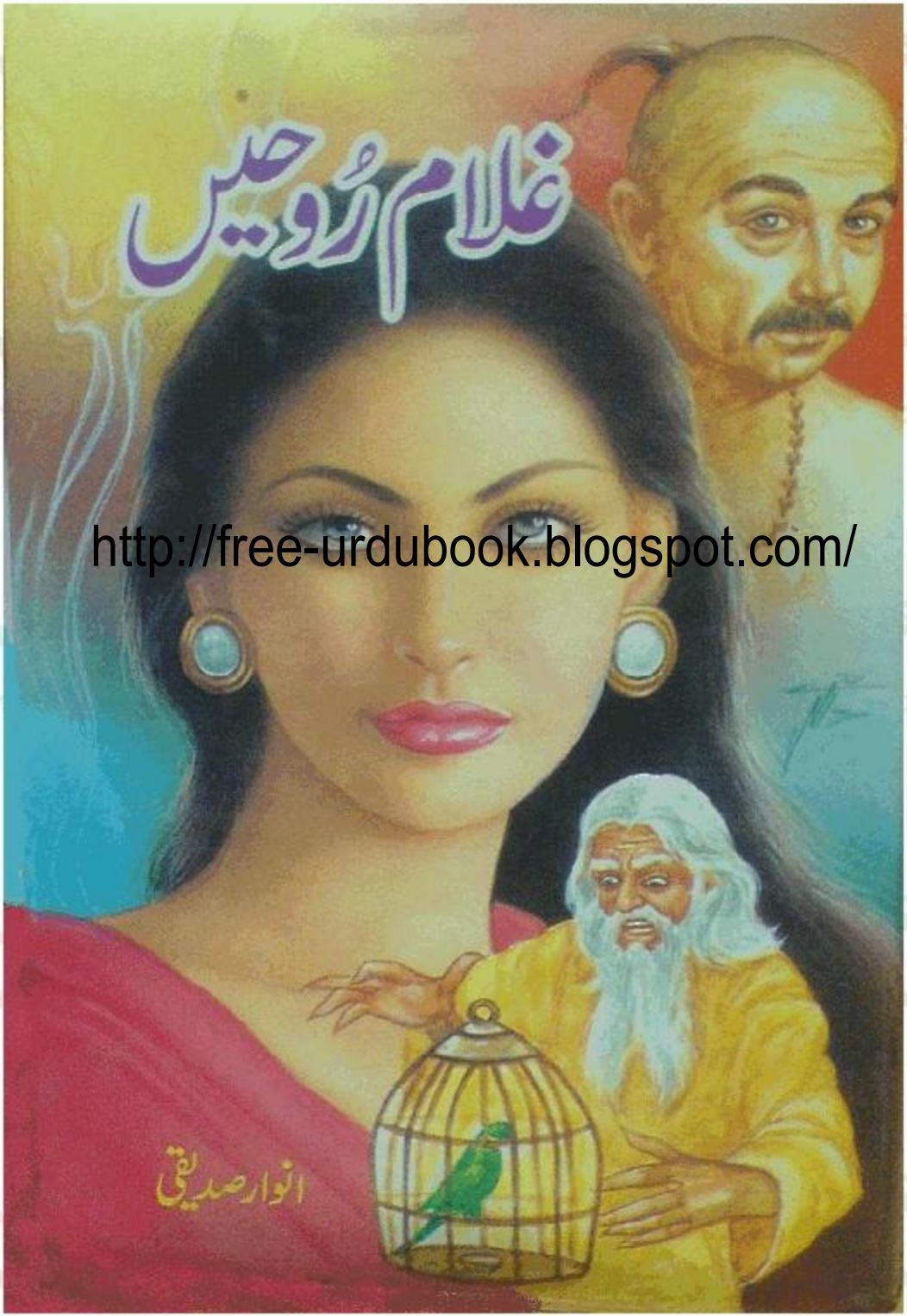

http://free-urdubook.blogspot.com/

غلام روحیں..... پرتجسس حیرت انگیز داستان.....انوار صدیقی کے مشاق قلم کی مدتوں یاد رہنے والی تحریر

غلام رُوحیں

مصنف : انوار صدیقی

آفتاب پبلی کیشنز

ٹبّہ بابا فرید، عقب ضلع کچہری، لاہور

نوٹ:

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف (انوار صدیقی) اور پبلشرز (آفتاب پبلی کیشنز) محفوظ ہیں۔ ادارہ نے اردو زبان اور ادب کی ترویج کیلئے اس کتاب کو kitaabghar.com پر شائع کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے، جس کیلئے ہم انکے بے حد ممنون ہیں۔

http://free-urdubook.blogspot.com/

عرضِ مکرّر !

میری سلسلے وار کہانیاں ''انکا'' ۔''اقابلا'' ۔''سونا گھاٹ کا پجاری'' اور ''غلام روحیں'' گزشتہ چوتھائی صدی سے میرے وہ دوست اور احباب ڈائجسٹ کی صورت میں شائع کرتے رہے ہیں جن سے نہ تو کبھی میرا کوئی تحریری یا قانونی معاہدہ ہوا، نہ ہی مجھے اس کا کوئی معاوضہ ادا کیا گیا۔ سچ یہ بھی ہے کہ میں نے بھی دیرینہ دوستی اور نصف صدی پر محیط تعلقات کی بنا پر نہ کبھی کسی معاہدے کی ضرورت پر غور کیا، نہ ہی کسی معاوضہ کا تقاضہ کیا۔ البتہ متعدد بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر ان ناولوں کو مجلد کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو میرے پرستار اسے اپنی ذاتی لائبریری کی زینت بنانے میں بھی خوشی محسوس کریں گے۔لیکن 1980 سے آج تک میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

بہر حال اب برادرم آفتاب ہاشمی صاحب میرے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے پر آمادہ ہیں چنانچہ میں پہلی بار باقاعدہ تحریری طور پر موصوف کو ''انکا'' ۔''اقابلا'' ۔''سونا گھاٹ کا پجاری'' اور ''غلام روحیں'' کو شائع کرنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ یہ چاروں ناول چونکہ میری خواہش کی تکمیل میں شائع کئے جا رہے ہیں اس لئے میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لے رہا۔البتہ اب چاروں کتابوں کے جملہ حقوق بحق مصنف رہیں گے۔

اس مختصر سی تحریر کے بعد میں ان اداروں سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے مذکورہ ناول شائع کرنا فی الفور بند کر دیں۔ان کا یہ عمل بھی میرے لئے قابل تحسین ہوگا۔اب عمر کی نقدی بھی تیزی سے خرچ ہو رہی ہے اور عارضہ قلب کی بیماری بھی مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی کے چکر میں الجھوں ورنہ اشاعت کے سلسلے میں جو کچھ ہوتا رہا اس کا ایک ایک ثبوت میرے پاس محفوظ ہے۔

مجھے اپنے پرستاروں سے بھی یہی امید ہے کہ وہ میری دوسری ناولوں کی طرح ''انکا'' ۔''اقابلا'' ۔''غلام روحیں'' اور ''سونا گھاٹ کے پجاری'' کو بھی مجلد کتابی شکل میں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔اس لئے کہ آج میں جو بھی ہوں اپنے پرستاروں کی پسندیدگی کی وجہ سے ہوں۔

اپنے پرستاروں کی دعاؤں کا طالب

انوار صدیقی

''میرا نام یوں تو کچھ اور ہی ہے لیکن اگر آپ مجھے شاہد کے نام سے جانیں تب بھی میری حیرت انگیز سرگزشت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ میں اپنا حسب نسب بیان کر کے زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے بجائے صرف اپنے گھر کے افراد کے بارے میں آپ کو اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اپنے والدین کا اکلوتا لڑکا ہوں۔ میرا گھرانا کل چار افراد پر مشتمل تھا میرے بوڑھے والد جو گھریلو اخراجات کے پیش نظر کمیٹی کی ملازمت کرنے پر مجبور تھے۔ انہیں ایک سو تیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو وہ اپنے گاڑھے پسینے کی اس معمولی اجرات کو وصول کرتے اور پھر لا کر اسے میری ماں کے حوالے کر دیتے۔ میری ضعیف ماں پورے مہینے کس کس پریشانی سے اس رقم کو خرچ کرتی تھی اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک میری بڑی بہن تھی جس کی عمر انیس سال کے لگ بھگ تھی۔ میں اپنی زبان سے اس کی خوب صورتی کی تعریف نہیں کروں گا لیکن کوئی مبالغہ نہیں کہ حسن سیرت میں وہ اپنی مثال آپ تھی۔ آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ نویں جماعت کا منہ نہ دیکھ سکی۔ اسے تعلیم حاصل کرنے کا دیوانگی کی حد تک جنون تھا لیکن اس کی کشادہ پیشانی پر تعلیم کی یہ رخنہ اندازی کوئی بل نہ ڈال سکی۔ اس نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اپنے شوق کو اپنے سینے کی گہرائیوں میں دفن کر کے گھریلو کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ دو دو وقت کے فاقوں کے باوجود وہ ہمیشہ مسکراتے رہنے کی عادی بن چکی تھی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ حالات سے مفر محال ہے اس کی شادی کا مسئلہ بار بار اٹھتا لیکن گھر کی چار دیواری تک ہی محدود رہتا۔ اس لئے کہ میرے والدین کے پاس جہیز کا بندوبست کرنے کے لئے معقول رقم نہ تھی۔ میرے عزیز و اقارب اگر چاہتے تو میرے والدین کے اس بار کو آسانی سے ان کے ناتواں کاندھوں سے اتار سکتے تھے لیکن وہ سب کھاتے پیتے لوگ تھے اس لئے ساری دنیا سے بے نیاز تھے، انہیں کسی کی غربت کا کوئی احساس کیوں ہوتا۔ بہر حال میری بہن کی شادی کا مسئلہ بدستور کھٹائی میں پڑا رہا۔

اس وقت میری عمر اٹھارہ سال تھی اپنی بہن کی طرح مجھے بھی پڑھائی کا بے حد شوق تھا۔ پتا نہیں میری بہن نے کوئی سنہری خواب دیکھے تھے یا نہیں لیکن میں نے بارہا ایسے خواب دیکھے تھے۔ تعلیم مکمل کرنے کے خواب، بڑا آدمی بننے کے خواب۔ میں ان خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے کی غرض سے شب و روز مصروف رہتا۔ میری خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بن جاؤں۔ اپنے والدین کی اس غربت کو دور کر سکوں جس نے انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ میری تمنا تھی کہ بڑا آدمی بننے کے بعد جب میرے عزیز رشتے دار مجھے پہچاننے لگیں اور میری بہن کا رشتہ مانگنے کی خاطر میرے دروازے پر آئیں تو میں انہیں پہچاننے سے انکار کر دوں۔ یہ خواہش اور نہ جانے کتنی آرزوئیں ہمیشہ میرے دل میں مچلا کرتی تھیں۔ انہی کی تکمیل کے لئے میں نے بمشکل اپنے تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا۔ اس خیال سے کہ میرے والدین میری تعلیم کے اخراجات اپنے ناتواں کاندھوں پر بوجھ نہ محسوس کریں میں نے دوڑ دھوپ کر کے دو ٹیوشن حاصل کر لی تھیں۔ تعلیمی اخراجات سے جو رقم پس انداز ہوتی وہ میں ایک سعادت مند اور فرماں بردار اولاد کی حیثیت سے اپنے والدین کو دے دیا کرتا تھا۔ حالات سے سمجھوتا کر لینے کے بعد میں ذہنی طور پر خود کو کسی قدر مطمئن محسوس کرنے لگا اور یہی آسودگی میری جسمانی صحت برقرار رکھے ہوئے تھی۔ میرے اکثر واقف کار مجھے پہلوان کے خطاب سے نوازتے تھے۔ میں نے جو دو ٹیوشن کر رکھی تھیں ان میں ایک دو بچوں کی تھی جو چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے یہاں سے مجھے بیس روپے ماہوار ملتے تھے۔ دوسری ٹیوشن رشیدہ

نامی ایک فیشن ایبل لڑکی تھی جو دسویں جماعت کی طالبہ تھی۔ رشیدہ کا باپ بیرسٹر تھا اور بڑے شاہانہ انداز میں زندگی گزارتا تھا۔ اس کی آمدنی آٹھ دس ہزار روپے ماہوار سے کسی طرح کم نہ تھی۔ شہر میں اس کی ٹکر کا کوئی بیرسٹر نہ تھا اس لئے وہ ہمیشہ منہ مانگی فیس وصول کیا کرتا۔ یوں بھی اس کے پاس کسی کیس کا ہونا کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ اس کے گھر میں آسائش کا تمام سامان موجود تھا۔ دولت کی بہتات نے پورے گھر کو آزاد خیال بنا رکھا تھا۔ رشیدہ کے پاس ایک الگ کار تھی جس پر وہ آزادی سے گھوما پھرا کرتی تھی۔ اس پر کسی قسم کی بندش یا روک ٹوک نہیں تھی۔ اس کا عالیشان مکان ہمارے ہی محلے میں واقع تھا۔ ان کے گھر کی قدریں علیحدہ تھیں۔

مجھ سے جب اس ٹیوشن کے لئے کہا گیا تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ اس لئے کہ میں ایف اے کے دوسرے سال میں پڑھتا تھا۔ رشیدہ کو پڑھانے کے لئے بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والوں کی خدمات بھی حاصل کی جاسکتی تھیں۔ غرضیکہ جب میرے دوست اکبر نے مجھ سے اس ٹیوشن کے بارے میں کہا تو میں بھونچکا رہ گیا۔

''اکبر کہیں تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے اس کا منہ تکتے ہوئے سوال کیا تو وہ بڑی لاپروائی سے مسکرا کر بولا۔

''مجھے یقین تھا کہ تمہیں اس پیشکش پر اعتبار نہیں آئے گا۔''

''ظاہر ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''بھلا کہاں میں اور کہاں بیرسٹر صاحب کی صاحب زادی رشیدہ، میرا مطلب ہے کہ اس کے لئے ماسٹروں کی کیا کمی پھر یہ کہ میں ابھی کوئی بڑی ڈگری بھی حاصل نہیں کر سکا۔''

''نہ سہی مگر تمہیں یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔'' اکبر نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ ''میری مانو تو تم اسی وقت جا کر بیرسٹر راشد حسین سے معاملے کی بات طے کر لو مجھے یقین ہے کہ وہاں سے تمہیں معقول معاوضہ ملے گا۔''

اکبر میرا واحد مخلص دوست تھا۔ اس کے مشورے پر میں نے راشد حسین سے ملنے کا ارادہ کر لیا۔ دوسرے دن شام کو جب میں نے بیرسٹر راشد حسین کے دیوہیکل مکان کا رخ کیا تو میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہیں یہ کوئی دلچسپ مذاق نہ ہو مگر جب میں راشد حسین سے ملا تو مجھے حقیقت کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے نہایت لاپروائی سے مجھ سے چند منٹ گفتگو کی اور ٹیوشن کی اجرت دو سو روپے ماہوار طے کر کے یہ حکم صادر کر دیا کہ میں اسی وقت سے رشیدہ کو پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لوں۔ میں نے خوشی خوشی اس پیشکش کو قبول کر لیا اور اسی دن سے رشیدہ کو پڑھانا شروع کر دیا۔ میرے اور رشیدہ کے مضامین چونکہ ایک جیسے تھے اس لئے مجھے اسے پڑھانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی پھر بھی احتیاطاً میں نے دوسرے روز دسویں جماعت کا کورس خرید لیا۔ ٹیوشن پر جانے سے پیشتر میں اچھی طرح اس سبق کو پڑھ لیا کرتا جو مجھے رشیدہ کو پڑھانا ہوتا۔ میں کسی قیمت پر اس ٹیوشن کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ میرے والدین کو جب حالات کا علم ہوا تو وہ بھی بے حد خوش ہوئے لیکن قدرت ہماری مسرتوں پر قہقہہ زن تھی۔

جہاں تک رشیدہ کا تعلق ہے۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہ بے حد آزاد خیال اور ماڈرن واقع ہوئی تھی۔ کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی تھی اس لئے اس کی صحت بھی بڑی اچھی تھی گو اسے حسین نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کے بھرے بھرے جسمانی خدوخال مخالف جنس کے لئے بے حد

کشش رکھتے تھے۔ بات بات پر اپنے موتیوں جیسے سفید سفید دانتوں کی نمائش کرتے رہنا اس کی عادت تھی۔ لباس وہ ہمیشہ چست پہننے کی عادی تھی لیکن مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ میں ٹھیک سات بجے شام اس کی کوٹھی پر پہنچ جاتا اور ڈیڑھ گھنٹے پڑھانے کے بعد واپس لوٹ آتا۔ رشیدہ مجھ سے ہمیشہ حسب عادت مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی تھی لیکن میں اس کے سامنے بھیگی بلی بنا بیٹھا رہتا۔ سنجیدہ رہنے میں ہی میری بھلائی تھی۔ میں حتی الامکان یہی کوشش کرتا کہ پڑھائی کے دوران کم سے کم اس کے چہرے پر نظر ڈالوں تاکہ ماحول سنجیدہ رہے یوں بھی میں اپنی حیثیت سے واقف تھا، میری کوشش یہی ہوتی کہ پڑھائی کے موضوع سے ہٹ کر کوئی اور بات نہ ہونے پائے۔

ایک ماہ تک میں نے خود کو لئے دیئے رکھا۔ ہر چند کہ میں محسوس کر رہا تھا کہ رشیدہ پڑھائی سے زیادہ میری ذات میں دلچسپی لیتی ہے لیکن میں نے کبھی اس کے ساتھ کھل کھیلنے کا تصور بھی اپنے ذہن میں نہیں پھٹکنے دیا۔ جب ایک ماہ پورا ہوا اور رشیدہ نے پہلی مرتبہ میری اجرت دی تو اس روز ماحول سنجیدہ نہ رہ سکا۔ رشیدہ نے مجھے سو سو کے دو نوٹ پکڑاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''لیجئے شاہد صاحب یہ آپ کے پہلے مہینے کی ٹیوشن فیس ہے۔''

''شکریہ۔'' میں نے لوٹ لے کر جیب میں رکھ لئے پھر کتاب کھولی تو رشیدہ نے بڑی بے تکلفی سے کتاب بند کر دی پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بولی۔ ''آج کچھ پڑھنے کا موڈ نہیں ہے کچھ باتیں کیوں نہ کی جائیں۔''

کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

۱۔ http://kitaabghar.com کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچایئے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجئے۔

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

''کچھ باتیں.....'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ شکی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے نظریں نیچی کرتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ میری پڑھائی سے مطمئن ہیں؟''

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے سہم کر دریافت کیا۔ ''کیا آپ ٹیوشن جاری رکھنا نہیں چاہتیں؟''

''یہ بات بھی نہیں ہے۔'' رشیدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر؟'' میں نے مجسم سوال بن کر رشیدہ کی طرف دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''شاہد صاحب کیا آپ واقعی کالج میں پڑھتے ہیں؟'' رشیدہ کا سوال مبہم تھا اس لئے میں گڑبڑا کر بولا۔

''جی ہاں' لیکن یہ بات تو میں نے ٹیوشن کرتے وقت ہی بتا دی تھی۔''

''آپ واقعی بہت بھولے بھالے ہیں۔ ویری انوسنٹ۔''

رشیدہ کا لہجہ اس بار اس قدر معنی خیز تھا کہ میں گنگ سا رہ گیا۔ اس کی باتوں کا مفہوم اب میری سمجھ میں آ چکا تھا لیکن میری ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس کی بات کا جواب دوں۔ خاموشی سے نظریں نیچی کئے بیٹھا رہا۔

''ایک بات پوچھوں شاہد صاحب؟'' کچھ توقف کے بعد رشیدہ نے پوچھا۔

''جی پوچھئے۔''

''آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟''

''جی ہاں۔'' میں نے دیدہ و دانستہ بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ''مجھے اپنے گھر کے ہر فرد سے بے حد محبت ہے۔''

''غلط سمجھے آپ۔ میرا مقصد یہ تھا کہ کیا آپ کسی لڑکی سے پیار کرتے ہیں؟'' رشیدہ نے بڑی بے تکلفی اور بیباکی سے اپنے جملے کی وضاحت کی۔ ''کیا آپ نے کسی لڑکی کو کبھی دل کے قریب محسوس کیا ہے۔''

''جی نہیں۔'' میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔ ''ابھی تک مجھے یہ سعادت نہیں حاصل ہوئی۔''

''ہوں' تو گویا آپ موقع کی تلاش میں ہیں؟ کیوں ہے نا یہی بات۔''

''اگر آج آپ کا دل پڑھائی میں نہیں لگ رہا تو میں کل حاضر ہو جاؤں گا۔'' میں بڑی تیزی سے اٹھا تو رشیدہ نے انتہائی بے باکی سے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔

''ارے آپ تو لڑکیوں سے بھی زیادہ شرماتے ہیں' حد ہو گئی صاحب۔''

''رشیدہ صاحبہ۔'' میں نے ہمت کر کے کہا۔ ''آپ غالباً بھول رہی ہیں کہ میں آپ کا استاد ہوں۔''

''وہم ہے آپ کا۔'' رشیدہ ڈھٹائی سے مسکرا کر بولی۔ ''اگر میں ڈیڈی کو مجبور نہ کرتی تو وہ آپ کو کبھی اس کام پر مامور نہ کرتے۔''

''پھر کیا آپ نے مجھے محض اپنی تفریح طبع کے لئے ملازم رکھا ہے۔'' میں نے اس بار قدرے درشت لہجے میں کہا۔

''جی ہاں اور اس کی وجہ صرف اتنی سی ہے کہ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔'' رشیدہ نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے جواب دیا۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''شاہد چھوڑو یہ تمام باتیں۔ بتاؤ اگر میں یہ کہوں کہ تم میرے ساتھ شادی کر لو تو تمہارا کیا جواب ہوگا۔''

''اس سوال کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا۔'' میں نے غصے سے کہا پھر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ رشیدہ نے جس بیہودہ انداز میں اس ذکر کو چھیڑا تھا وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ میں غصے میں بھرا، جانے کے ارادے سے آگے بڑھا تو رشیدہ لپک کر سامنے آ گئی۔

''شاہد!'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''تمہیں میری یہ بات ماننی ہوگی ورنہ ہو سکتا ہے کہ تم خسارے میں رہو۔''

''دولت سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے محترمہ! لیکن شاید آپ شاہد کو نہ خرید سکیں۔''

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟'' رشیدہ نے بگڑتے ہوئے تیور سے دریافت کیا۔

''جی۔'' میں نے نفرت سے جواب دیا۔ ''بہتر ہوگا کہ آپ اپنے لئے کسی دوسرے مناسب ٹیوٹر کا بندوبست کر لیں۔''

''گٹ آؤٹ۔'' رشیدہ ایک دم بپھر کر بولی۔ ''لیکن اتنا یاد رکھنا کہ تم نے میری پیشکش ٹھکرا کر اچھا نہیں کیا' میں تمہارا جینا محال کر دوں گی۔ تم نہیں جانتے کہ تم نے کس لڑکی کو ٹھکرایا ہے۔ میری ضد کے آگے ڈیڈی بھی ہار مانتے ہیں۔''

میرے ذہن میں ایک ہیجان برپا تھا رشیدہ نے جو مجھے دھمکی دی تھی وہ انتہائی رکیک تھی۔ میرے دل نے مشورہ دیا کہ میں اسے کھری کھری سنا کر چلا آؤں مگر ذہن نے اس مشورے کو قبول نہ کیا چنانچہ میں نے حقارت سے رشیدہ کے چہرے پر الوداعی نظر ڈالی پھر غصے میں کھولتا ہوا اس کی عالیشان کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ جہاں مجھے اس دو سو روپے کی ٹیوشن چھوٹ جانے کا ملال تھا وہاں اس بات کی خوشی بھی تھی کہ رشیدہ جلد ہی اپنے اصل روپ میں میرے سامنے آ گئی۔ ورنہ اگر یہی صورت بعد میں پیش آتی تو حالات میرے حق میں خطرناک صورت بھی اختیار کر سکتے تھے۔

میں اپنے خیالوں میں کھویا کھویا گھر پہنچا۔ والدہ کے ہاتھوں میں پیسے تھما دیئے پھر اپنے کمرے میں آیا بستر پر لیٹا تو ایک بار پھر میرا ذہن رشیدہ کے مسئلے میں الجھ گیا۔ لاتعداد سوالات میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ رشیدہ نے مجھے شادی کی پیشکش کیوں کی تھی؟ اور اگر وہ صرف مذاق تھا تو پھر اس نے مجھے دھمکی کیوں دی؟ کیا یہ بھی امارت کی ایک شان ہے یا پھر بے جا آزادی..... کا کوئی ایسا فلسفہ جو اس نے اپنے ناپختہ ذہن کے سانچے کے مطابق ڈھال لیا تھا؟ کیا رشیدہ میرے علاوہ کچھ اور لوگوں کو بھی اس قسم کی دھمکی تو نہیں دے چکی؟

میں اس گتھی کو سلجھانے میں الجھتا رہا۔ پھر جیسے اچانک تمام گرہیں آپ سے آپ کھل گئی ہوں۔ مجھے اس فیشن ایبل لڑکے کا خیال آ گیا جو رشیدہ کا کلاس فیلو تھا اور اکثر و بیشتر رشیدہ کے ساتھ گھوما پھرا کرتا تھا۔ ایک دو بار میں نے بھی ان دونوں کی بڑھتی ہوئی بے تکلفی کو مشتبہ نظروں سے دیکھا تھا لیکن اس وقت کچھ خیال نہیں کیا تھا مگر اب' اب میرا ذہن اس بات پر جم کر رہ گیا تھا کہ رشیدہ مجھے یقیناً قربانی کا بکرا بنانا چاہتی ہے۔ جدید تہذیب کی غلاظت جو اس نے اپنے اوپر اوڑھ لی تھی میرے بے داغ دامن میں چھپانا چاہتی ہے۔ اس خیال سے میرے ذہن کو جھٹکا لگا مجھے رشیدہ پر

ترس بھی آیا لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ اب دوبارہ کبھی بھول کر بھی اس کی دہلیز کا رخ نہ کروں گا۔

رات بھر میں رشیدہ کے کردار کے بارے میں سوچتا رہا صبح کالج چلا گیا۔ کالج سے واپسی کے بعد میں نے حسب معمول کچھ دیر آرام کیا پھر پڑھنے بیٹھ گیا۔ ابھی مجھے پڑھتے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اکبر آ گیا۔ خلاف توقع آج وہ کچھ سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا میں نے وجہ دریافت کی تو اس نے سوالیہ نگاہوں سے میرے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''شاہد میں نے سنا ہے کہ تم نے بیرسٹر صاحب کی لڑکی کا ٹیوشن چھوڑ دیا ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کوئی خاص وجہ تھی؟'' اکبر نے پوچھا۔

''مجھے اپنی پڑھائی کے لئے وقت نہیں ملتا تھا۔'' میں نے مصلحتاً جھوٹ بول دیا۔ اکبر میرا بہترین دوست اور راز دار تھا لیکن میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ رشیدہ کے کردار کے بارے میں اسے کچھ بتاؤں۔

میرا جواب سن کر اکبر کچھ دیر چپ رہا پھر آہستگی سے بولا۔ ''شاہد خدا کرے جو کچھ میں نے سنا ہے وہ غلط ہو۔''

''کیا سنا ہے تم نے؟ میں نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ رشیدہ نے تم سے شادی کر لینے کو کہا تھا؟'' اکبر نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ میں نے اس کے جملے کی باریکی اور گہرائی کو محسوس کیا تو مضطرب ہو کر از اول تا آخر تمام باتیں اکبر کو بتا دیں وہ حیرت سے میری باتیں سنتا رہا میں خاموش ہوا تو وہ بولا۔

''شاہد کیا تمہیں یقین ہے کہ رشیدہ اپنے گناہوں کو تمہارے سر تھوپنا چاہتی ہے؟''

''ممکن ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ وہ کردار کے معاملے میں مشتبہ ہے۔ اس کی خاصیت اس کچے موم کی طرح ہے جو ایک ذرا سی تپش پا کر با آسانی پگھل سکتا ہے۔ اس کے تیور مجھے کبھی اچھے نہیں معلوم ہوئے۔''

''مجھے تمہارے بیان پر صد فی صد اعتبار ہے میرے دوست مگر یہ جو کچھ بھی ہوا بہت برا ہوا۔''

''کیوں؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''اس میں آخر میرا کیا قصور ہے۔''

''تم نہیں جانتے کہ حالات کس قدر سنگین صورت اختیار کر گئے ہیں۔'' اکبر نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر بولا۔ ''شاہد میری مانو تو کچھ دنوں کے لئے تم اس شہر سے کہیں دور ہٹ جاؤ۔''

''وہ کس لئے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''اس لئے کہ تم حالات کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔''

''کیا حالات حالات کی رٹ لگا رکھی ہے..... کچھ بتاؤ تو سہی کہ آخر بات کیا ہے؟''

اکبر نے فوراً ہی کوئی جواب نہ دیا میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ حالات کی نوعیت بیان کرنے سے گریز کر رہا ہے کیوں؟ یہ مجھے نہیں معلوم۔ بہر

حال اس کی آنکھوں میں میرے لئے ہمدردی اور محبت کا بھرپور جذبہ موجود تھا۔ میں بڑی بے چینی سے حالات کی تہہ تک پہنچنے کا منتظر تھا لیکن اکبر بہت متفکر معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر تک میں اس بات کا منتظر رہا کہ اکبر گفتگو شروع کرے لیکن جب اس نے چپ سادھے رکھی تو میں ضبط نہ کر سکا' اکبر کو مخاطب کر کے بولا۔

''کیا تم چاہتے ہو کہ میں حالات سے بے خبر رہوں اور اندھیرے میں کسی خطرے سے دوچار ہو جاؤں۔''

''آج دوپہر رشیدہ اسکول سے واپسی پر میرے گھر آئی تھی۔'' اکبر نے آہستہ سے کہا۔ ''جانتے ہو اس نے مجھ سے تمہارے بارے میں کیا کہا ہے؟ اس کا بیان ہے کہ تم نے اس کی عزت پر ڈاکا ڈالا ہے اور بلیک میل کرنے کی دھمکی دے کر مہینے بھر تک اس کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے ہو اور اب جب اس نے تم سے شادی کی درخواست کی تو تم نے اس کی مدد کرنے کے بجائے اس سے منہ پھیر لیا۔''

''رشیدہ بے شرم اور بیہودہ ہے۔'' میں بپھر اٹھا۔ میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میں نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ ''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی سطح سے اس قدر گر چکی ہو گی اس نے جو بکواس کی ہے وہ سراسر بہتان ہے۔ وہ اپنی ناکامی کا بدلہ لینا چاہتی ہے ننگ خاندان۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''اور اس کے باوجود تمہارا مشورہ ہے کہ میں اس بے بنیاد الزام کی تردید کرنے کے بجائے ایک مجرم کی طرح حالات سے خوفزدہ ہو کر میدان چھوڑ دوں۔'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''اب تک تو میں خاموش تھا لیکن اب میں پہلی فرصت میں بیرسٹر سے مل کر اسے بتا دوں گا کہ رشیدہ مجھے غریب سمجھ کر جو الزامات میرے سر تھوپنے کی کوشش کر رہی ہے اس کی ذمے داری حامد پر عائد ہوتی ہے جو رشیدہ کو دن رات اپنی کار میں لئے اڑا پھرتا ہے۔''

''یہ تم دوسری حماقت کرو گے۔'' اکبر نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''ہو سکتا ہے رشیدہ نے ابھی ان باتوں کا تذکرہ اپنے والد سے نہ کیا ہو لیکن اگر یہ بات ان کے علم میں تمہارے ذریعے آ گئی تو وہ اپنی امارت کے نشے میں تمہارے ہی اوپر چڑھ دوڑیں گے۔''

اکبر دیر تک مجھے حالات کے نشیب و فراز کے بارے میں سمجھاتا رہا اس کی بات معقول تھی۔

میں نے وعدہ کر لیا کہ جب تک دوسری طرف سے پہل نہ ہو گی میں اپنے جذبات قابو میں رکھوں گا۔ اکبر نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ رشیدہ صرف اس مقصد سے اس سے ملی تھی کہ ایک دوست کے رشتے سے وہ مجھے رشیدہ کے ساتھ شادی کر لینے پر مجبور کر سکے۔ صاف لفظوں میں اس نے اکبر کے ذریعے ایک بار پھر مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اس کی پیشکش قبول نہ کی تو حالات میرے حق میں اچھے ثابت نہ ہوں گے۔

اکبر کے جانے کے بعد بھی اسی سلسلے میں سوچتا رہا پھر یہ سوچ کر ان باتوں کو ذہن سے جھٹک دینے کی کوشش کی کہ جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو خواہ مخواہ پریشان ہونے سے فائدہ۔ جب کوئی بات سامنے آئے گی تب دیکھا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا اور دوبارہ کتابوں کی ورق گردانی میں مشغول ہو گیا۔

ایک ہفتے تک کوئی ایسی قابل ذکر بات نہیں ہوئی جو میرے سکون کو درہم برہم کر سکتی۔ رشیدہ اکبر سے دوبارہ نہیں ملی۔ نہ ہی بیرسٹر کے گھر سے کوئی خبر آئی۔ اس کے روزمرہ کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا پہلے کی طرح وہ اب بھی بڑی آزادی کے ساتھ حامد سے تعلقات استوار کئے

ہوئی تھی۔ مجھے ان اطلاعات سے مزید تقویت ہوگئی۔ میں نے اپنے تئیں یہی نتیجہ اخذ کیا کہ رشیدہ نے محض دھمکی دے کر مجھے اپنے جال میں پھانسنا چاہا تھا لیکن جب اسے مایوسی ہوئی تو اس نے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ مجھے خوشی تھی کہ مفت کی بلا سے نجات مل گئی لیکن میرا یہ خیال پندرہ روز بعد ریت کی دیوار کی مانند ڈھے گیا جب رشیدہ نے محلے کے ایک بچے کے ہاتھ مجھے ایک فیصلہ کن خط بھجوایا۔ میں نے خط کا مضمون پڑھا تو ایک لمحے کے لئے مجھے پسینہ آ گیا۔ رشیدہ نے مجھے اس خط کے ذریعے صرف ایک روز کی مہلت دی تھی اور مجھ پر بے شمار بیہودہ اور گھناؤنے الزامات بڑی بے باکی سے تراشتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ اگر اب بھی میں نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کیا تو وہ تمام باتیں اپنے ڈیڈی کو بتا دے گی اور اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے گی۔

خط کا مضمون اس قدر اخلاق سوز تھا کہ بے قصور ہونے کے باوجود مجھے جھرجھری آ گئی۔ میں اکبر سے مشورہ کرنے اس کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ دو روز کے لئے اپنی خالہ کے پاس گاؤں گیا ہوا ہے۔ اکبر کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے سوچا کیوں نہ راشد حسین سے مل کر انہیں حقیقت حال سے آگاہ کر دیا جائے مگر یہ ارادہ بھی اس خیال سے ترک کر دیا کہ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے مقابلے میں میری باتوں پر کبھی یقین نہ کریں گے۔ چنانچہ میں نے ایک بار پھر یہی فیصلہ کر کے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ قبل از وقت ذہن کو نہ الجھایا جائے بلکہ موقع آنے پر حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ ہر چند کہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا لیکن کوئی نامعلوم سا خدشہ ایسا ضرور تھا جو مجھے پریشان کئے ہوئے تھا۔

اگلا دن میں نے کس طرح گزارا' یہ میرا دل ہی جانتا ہے تیسرے روز میں نے گھر سے نکلنا مناسب نہیں سمجھا اور طبیعت کی ناسازی کا بہانا بنا کر گھر پر رک گیا۔ صبح سے قسم قسم کے واہمے پریشان کر رہے تھے۔ نہ جانے کیوں میں خود کو بزدل محسوس کر رہا تھا۔ جبکہ میرا دل اور میرا خدا اس بات کا گواہ تھا کہ میں نے رشیدہ کے جسم کو چھوا تک نہ تھا۔ بہر حال کچھ انجانے خطرے ایسے ضرور تھے جو مجھے بے چین کئے ہوئے تھے۔ میں نے کئی بار خود کو دلاسا دیا کہ رشیدہ کا خط دھمکی کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا لیکن دل تھا کہ دھڑکے جاتا تھا۔

نو بجے والد صاحب اپنے کام پر چلے گئے تو میں اپنی باہر والی مختصر سی بیٹھک میں آ گیا اور یونہی وقت گزاری کے لئے کتاب کے صفحات الٹنے پلٹنے لگا۔ گیارہ بجے کے قریب دروازے پر کسی نے دستک دی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ والدہ سے کہوں کہ وہ دیکھ لیں کہ کون آیا ہے لیکن پھر مجھے اپنی بزدلی پر غصہ آ گیا چنانچہ میں نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پایا۔ اٹھا اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے کی کنڈی کھول دی۔ باہر میرے والد کے دفتر کا ایک چپراسی کھڑا تھا۔ چپراسی نے مجھے دیکھ کر ادب سے سلام کیا پھر اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی گٹھری میرے حوالے کرتے ہوئے بولا۔ ''بڑے صاحب نے کچھ ضروری چیزیں بھیجی ہیں انہیں احتیاط سے رکھ لیں۔''

میرے دل میں کوئی چور نہیں تھا اس لئے میں نے چپڑاسی سے گٹھری لے کر الماری میں بند کر دی اور دروازے کو کنڈی لگا کر دوبارہ کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا۔ بمشکل آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ دروازے پر پھر دستک سنائی دی۔ اس بار دستک کی آواز خاصی تیز تھی۔ میں کتاب بند کر کے جلدی سے اٹھا اور دروازہ کھول دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میری نگاہوں کے نیچے اندھیرا پھیل گیا۔ دروازے پر ایک پولیس انسپکٹر اور چھ سپاہیوں کی جھلک دیکھتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ میں حواس باختہ ہو گیا اور دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہو گئیں کہ

ان کی آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

''شاہد علی تمہارا ہی نام ہے۔'' انسپکٹر نے کرخت لہجے میں پوچھا تو میرے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

''جی جی ہاں مم۔ میرا ہی نام شاہد علی ہے۔'' میں نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

''صورت سے ہی چور اچکے معلوم ہوتے ہو۔'' انسپکٹر نے سرد لہجے میں کہا پھر مجھے دھکا دیتا ہوا اندر آ گیا۔ سپاہی بھی اس کے پیچھے تھے۔ میں نے اس اقدام پر احتجاج کرنا چاہا لیکن آواز میرے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔

''کیا تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے کہ وہ زیورات اور نقدی تم نے کہاں چھپائی ہے جو تم نے بیرسٹر راشد حسین کے گھر سے چوری کئے ہیں۔'' انسپکٹر نے اندر آ کر مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا تو میں لرز کر بولا۔

''یہ..... یہ جھوٹ ہے جناب..... مم میں نے کبھی چوری نہیں کی۔''

''ابھی معلوم ہو جائے گا۔'' انسپکٹر نے بیت ہلاتے ہوئے کہا پھر سپاہیوں کو گھر کی تلاشی لینے کا حکم دیا۔

میں بری طرح بوکھلایا ہوا تھا پھر بھی مجھے یقین تھا کہ انسپکٹر کو اپنے ارادے میں مایوسی ہو گی لیکن پھر اس گٹھری کو کھولا گیا جو کچھ دیر پیشتر والد کا چپراسی دے گیا تھا۔ گٹھری کھلتے ہی میرا دل ڈوبنے لگا۔ میری نظریں ان قیمتی اور جھلملاتے ہوئے زیورات اور نقد رقم پر سحر زدہ انداز میں جم کر رہ گئیں۔ جو گٹھری سے برآمد ہوئے تھے۔ مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

نتیجہ ظاہر تھا مجھے راشد حسین کے گھر سے چوری کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا میں نے اپنی بے گناہی کا یقین دلانا چاہا لیکن لاتوں اور گھونسوں سے میری زبان بند کر دی گئی۔ میری والدہ اور بہن کو میرے کمرے میں کھیلے جانے والے ڈرامے کا علم ہوا تو گھر میں کہرام مچ گیا۔ میری والدہ غش کھا کر گر پڑیں محلے کی کچھ عورتوں نے انہیں سنبھالا۔ کچھ میری بہن کو پکڑے ہوئے تھیں جو میری گرفتاری پر پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ محلے کے درمیانہ طبقے کے لوگوں نے جو مجھ سے واقف کار تھے میرے بارے میں انسپکٹر کو ہر طریقے سے یقین دلایا لیکن سب بے سود تھا۔ مال برآمد ہو چکا تھا۔ والد صاحب کے دفتر کے اس چپراسی کو بلوایا گیا جس نے مجھے گٹھری لا کر دی تھی لیکن وہ صاف مکر گیا۔ اس کے افسر سے رابطہ قائم کیا گیا تو اس نے بھی چپراسی کی طرف داری کرتے ہوئے یہی بیان دیا کہ چپراسی ایک سیکنڈ کے لئے بھی دفتر سے کہیں باہر نہیں گیا تھا۔

میرے خلاف جو جال بچھایا گیا تھا، میں اس میں پوری طرح پھنس چکا تھا۔ میرے والد کو چپ سی لگ گئی وہ مجھے خالی خالی نظروں سے تکے جا رہے تھے۔ غیرت اور شرمندگی کے ملے جلے تاثرات ان کی اداس آنکھوں سے مترشح تھے۔ بے بسی نے ان کی زبان پر تالے ڈال دیئے تھے۔ جتنی دیر تک انسپکٹر کاغذات کی تیاری میں مصروف رہا والد صاحب برابر مجھے گھورتے رہے پھر جب جائے وقوع کی کارروائی مکمل ہوئی اور پولیس مجھے لے جانے لگی تو میرے والد کی مجبور آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ انہوں نے بڑے پیار سے آگے بڑھ کر مجھے اپنے کشادہ سینے سے لگا لیا اور بھرائی آواز میں بولے۔

''ہمت سے کام لینا میرے بچے، جس کا کوئی نہیں ہوتا خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔''

میری ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اندر سے میری مجبور بہن کی دل ہلا دینے والی چیخ وپکار جاری تھی۔ لیکن میں ایک نظر اسے دیکھنے سے بھی قاصر تھا۔ انسپکٹر کے اشارے پر سنگدل سپاہیوں نے میرے والد کو کھینچ کر مجھ سے علیحدہ کیا پھر مجھے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جا کر جیپ میں ڈال دیا۔ محلے کے جن افراد کے سامنے میں ہمیشہ سر بلند رہا تھا آج ان کے سامنے میں ہتھکڑیاں پہنے مجرموں کی طرح جا رہا تھا۔

میرے والد نے اپنی غربت کے باوجود مجھے بچانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ وکیل کی فیس ادا کرنے کی خاطر انہوں نے اپنا آخری سہارا وہ مکان بھی بیچ ڈالا جس میں ہم لوگوں نے زندگیاں گزار دی تھیں لیکن ان کی یہ تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ اکبر نے بھی اپنی بساط کے مطابق مجھے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن قانون کے پاس میرے خلاف تمام ثبوت موجود تھے چنانچہ مجھے سات سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔ جس دن مجھے سزا سنائی گئی اس دن میرے گھر کے سب افراد عدالت میں موجود تھے۔ مجسٹریٹ نے جب سزا سنائی تو میری والدہ بے ہوش ہو کر ایسی گریں کہ پھر کبھی نہ اٹھ سکیں۔ میری بہن ماں کی لاش سے لپٹ کر تڑپنے لگی میرے والد اپنے آنسوؤں کے طوفان کو روکتے کبھی میری طرف دیکھتے کبھی میری بہن کی طرف اور کبھی اس سہارے کی طرف جو ان کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ مجھے بس دس منٹ کی مہلت دی گئی کہ میں اپنی ماں کے سرد ہوتے ہوئے جسم سے لپٹ کر آخری بار آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر سکوں۔ اس کے بعد مجھے جیل کی گاڑی میں بٹھا کر جیل خانے کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ میرے دل پر جو کچھ گزر رہی تھی اسے بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے۔

میرے والد نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ انہوں نے ہائیکورٹ میں ماتحت عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی لیکن آٹھ مہینے بعد انہیں یہاں بھی مایوسی ہوئی۔ والدہ کی موت اور میری سزا نے میرے بوڑھے والد کی کمر توڑ دی تھی۔ ایک بہن تھی جس کی خاطر وہ ایک زندہ لاش کی صورت جینے پر مجبور تھے لیکن ایک دن یہ مجبوری بھی ختم ہو گئی۔ مجھے اپنے والد اور ہمشیرہ کی موت کی جانکاہ اطلاع اکبر کی زبانی ملی۔ اکبر کے بیان کے مطابق کچھ شر پسند غنڈوں نے میری بہن کی مجبوریوں کو دن دہاڑے لوٹ لیا تھا۔ میری بہن خود دار تھی وہ اس بدنامی کے داغ کو برداشت نہ کر سکی 'اسی وقت بازار سے نیلا تھوتھا لائی اور اسے کھا کر ابدی نیند سو گئی۔ میری بہن نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ بزدل نہیں بلکہ بڑے دل گردے کی مالک ہے ورنہ اپنی زندگی خود اپنے ہاتھوں کون لے سکتا ہے؟ شام کو والد صاحب محنت مزدوری کر کے تھکے ماندے گھر لوٹے اور جوان بیٹی کی لاش کو دیکھا تو ان کی برداشت کا پیمانہ چھلک اٹھا حلق پھاڑ کر انہوں نے آخری بار اپنی بیٹی کو آواز دی پھر خود بھی اس سے جا ملے۔

اکبر کی زبانی بہن اور باپ کی موت کی اطلاع پا کر اول تو میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیا جس سے مجھے بے حد سکون ملا۔ پھر یوں جیسے دریا کی موجوں کے تلاطم میں اچانک ٹھہراؤ آ گیا ہو۔ اب مجھے اپنی ذات کے سوا کسی کا غم نہیں تھا۔ اب میری معصوم بہن کو بھی میری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی تھی۔ میرے والد نے بھی اپنی منزل کو پا لیا تھا۔ اب میں تنہا تھا، ہر معاملے میں' ہر طرح آزاد، لیکن میرا ذہن اب بھی الجھا ہوا تھا۔ میری سوچوں کے زاویے والدین اور بہن کی طرف سے تو بدل گئے تھے لیکن راشد حسین اور رشیدہ کا خوفناک تصور ایک لمحے کے لئے بھی مجھ سے دور نہ ہو سکا۔ یہی وہ لوگ تھے جو میرے خاندان کی بربادی کا سبب بنے تھے۔ انہی کی وجہ سے میری ضعیف ماں مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی۔ میری معصوم بہن کی عصمت پر ڈاکا پڑا تھا اور بوڑھے باپ نے خود کو اس پر سے قربان کر دیا۔ صرف میں زندہ رہ گیا گرد کارواں کی طرح۔ ورنہ منزل کے سارے نشانات

تو وقت کی آندھی نے ملیامیٹ کر دیئے تھے۔ ابھی مجھے زندہ رہنا تھا۔ اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا پوری کرنے کی خاطر، ورنہ قانون کے تقاضے کون پورے کرتا اگر میں بھی مر جاتا تو رشیدہ اور اس کے والد کا مشن بھی تو ادھورا رہ جاتا۔

سات سال..... جی ہاں سات سال جسے تحریر میں لانا بڑا سہل ہے۔ انگلیوں پر سات تک گننا بھی بڑا آسان ہے لیکن اس طویل عرصے کی صعوبتوں کو صرف وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس نے آزادی کی امید میں ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل گن کر گزارا ہو۔ جن لوگوں پر یہ افتاد نہیں پڑی وہ ہمدردی کا اظہار تو کر سکتے ہیں لیکن ان لمحات کی بے چینی اور کرب کا اندازہ نہیں لگا سکتے جو سزا بھگتنے والوں پر بیتتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی کے سات سال جس طرح گزارے وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ ان سات سالوں میں مجھے بڑے بڑے تجربات ہوئے، قسم قسم کے چوراچکوں اور ڈاکوؤں سے میرا واسطہ پڑا۔ بڑے بڑے قاتلوں کو میں نے بہت قریب سے دیکھا۔ ان قاتلوں کے لئے زندگی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ان کی آنکھوں میں، میں نے ہمیشہ خون تیرتے دیکھا تھا۔ ان کے چہرے بہت خطرناک ہوتے، اتنے خطرناک کہ جیل کے محافظ بھی ان کے قریب جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ چنانچہ اس ماحول میں سات سال تک میں انوکھے اور غیر معمولی تجربے حاصل کرتا رہا۔ میں نے یہی اخذ کیا کہ طاقت اور دولت دنیا میں سب سے بڑے ہتھیار ہیں۔ یہ اگر حاصل ہو جائیں تو مشکلیں، مشکلیں نہیں رہتیں۔ یہ تجربات میرے لئے مشعل راہ تھے۔ میں نے اپنے سات قیمتی سالوں کو برباد کر کے زندہ رہنے کا گُر پا لیا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ جیل سے باہر جا کر زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کروں گا۔

جس روز مجھے جیل سے رہائی ملی اس روز اکبر مجھے لینے کے لئے وہاں موجود تھا۔ میرا عزیز دوست جس نے سات سال تک متواتر میرا خیال رکھا تھا۔ میں اس کے ہمراہ کھلی فضا میں آیا تو نہ جانے کیوں مجھے ہر شے بدلی بدلی نظر آ رہی تھی یا پھر ممکن ہے کہ میں نے انہیں بدلی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔

اکبر مجھے جیل سے سیدھا اپنے گھر لے گیا۔ میں جب اپنے گھر (جواب پرایا ہو چکا تھا) کے قریب سے گزرا تو ماضی کی تلخ یادیں تازہ ہو گئیں۔ اپنے والدین اور بہن کو یاد کر کے میری آنکھیں بھر آئیں۔ میں سسکنے لگا۔ لیکن مجھے اپنی بزدلی پر غصہ آ گیا۔ میں نے یہ سوچ کر جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لئے کہ اگر پہلے ہی قدم پر میں لڑکھڑا گیا تو اپنے عزائم کیسے پورے کروں گا۔ مجھے ماضی کی ایک ایک بات سے نفرت کرنی تھی، ہر شے کو بھول جانا تھا، سوائے رشیدہ اور اس کے والد کے۔ اب مجھے اس بات پر کوئی دکھ یا افسوس نہیں تھا کہ ان سات سالوں میں دنیا میرے لئے اجنبی ہو گئی تھی۔ میں اپنے محلے میں جانے پہچانے چہروں کے درمیان سے گزر رہا تھا لیکن خود میرا چہرہ غالباً ایسا بدل گیا تھا کہ کوئی مجھے شناخت نہ کر سکا۔ بس ایک نظر لوگوں نے میری بڑھی ہوئی داڑھی اور مونچھوں پر ڈالی اور یوں میرے قریب سے گزر گئے جیسے راہ گیر ایک دوسرے کے قریب سے گزر جاتے ہیں۔ میں نے اکبر کو بطور خاص تاکید کر دی تھی کہ وہ میرے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائے۔ میری خواہش تھی کہ دنیا والے مجھے بھول جائیں تاکہ میں ان کے درمیان ایک نیا جنم لے سکوں۔

اکبر کے گھر جا کر میں نے ایک عرصے بعد خوب آرام کیا۔ شام کو غسل کر کے باہر آیا تو اکبر موجود تھا۔ ہم دونوں ایک قریبی پارک میں جا بیٹھے۔ اکبر نے میرے دریافت کرنے پر رشیدہ کا ذکر شروع کیا۔ اس کے بیان کے مطابق جن دنوں مکروفریب کی اس پتلی نے مجھ سے شادی کی

درخواست کی تھی ان دنوں وہ بطن سے تھی۔ سزا ہوگئی تو راشد حسین نے پہلے چوری چھپے ایک دوسرے شہر جا کر معاملہ رفع دفع کیا پھر درمیانہ طبقے کے ایک لڑکے سے اس کی شادی کردی اور ان دونوں کو بیرون ملک بھیج دیا۔ جس لڑکے سے رشیدہ کی شادی ہوئی تھی وہ ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے والدین تعلیم کے بھاری اخراجات اٹھانے سے قاصر تھے۔ راشد حسین نے لڑکے کے والدین سے بات چیت طے کی اور اپنے اخراجات پر اسے باہر بھیجنے کا سودا کرلیا۔ اس طرح رشیدہ کا بوجھ با آسانی ان کے سر سے اتر گیا۔

شادی کے پانچ سال بعد جب لڑکے نے ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کرلی تو راشد حسین نے اسے واپس بلانا چاہا لیکن بیٹی اور داماد کی مرضی واپس آنے کی نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اصرار نہیں کیا۔ اکبر نے مجھے یہ بھی بتایا کہ رشیدہ اور اس کا شوہر ہر سال ایک ماہ کے لئے اپنے اپنے والدین سے ملنے کی خاطر آتے رہتے ہیں۔ میں کرید کرید کر اکبر سے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ اس خاندان کے ایک ایک فرد سے گن گن کر بدلہ لوں گا جو میرے اور میرے گھرانے کی بربادی کا باعث بنا تھا۔

پارک میں ہم بہت دیر تک بیٹھے دنیا جہان کی باتیں کرتے رہے۔ اکبر کے استفسار پر جب میں نے اسے اپنے مستقبل کے پروگرام سے آگاہ کیا تو وہ مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے اسے میری صحیح الدماغی پر شبہ ہو لیکن جب اس نے مجھے سنجیدہ پایا تو مجھے سمجھانے بجھانے لگا۔ اس نے مجھے میرے ارادوں سے باز رکھنے کی خاطر ہر طرح سمجھایا بڑی بڑی قسمیں دیں لیکن میں ٹس سے مس نہ ہوا لیکن جب اکبر نے مجھے میرے والدین اور میری معصوم بہن کی روح کا واسطہ دیا تو میں مجبور ہوگیا۔ میں نے تڑپ کر اکبر سے کہا۔

''میرے دوست! آج تو تم نے مجھے والدین اور بہن کی قسم کھلوائی مگر آئندہ کبھی ایسا مت کرنا۔''

''میں جانتا ہوں شاہد کہ تمہارے اوپر ظلم ہوا ہے لیکن مرد وہی ہے جو حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ تم یقیناً جدوجہد کرنے کے بعد اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرلو گے۔''

اکبر کی دی ہوئی قسم سے مجبور ہو کر میں نے اپنا ارادہ تبدیل کردیا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ محنت کر کے معاشرے میں اپنا مقام پیدا کروں اور پُرسکون زندگی گزاروں لیکن میں اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکا۔ دو وقت کی روٹی حاصل کرنے کے لئے میں نے معمولی سی ملازمت کرنی چاہی۔ اکبر نے اس سلسلے میں میری حتی الامکان مدد کی لیکن ہماری کوششیں رائیگاں گئیں۔ میں جہاں بھی گیا مجھے دھتکار دیا گیا۔ گورنمنٹ کی ملازمت سے مایوس ہو کر میں نے نجی اداروں میں قسمت آزمائی کی لیکن ایک چور اچکے کو کوئی بھی ملازمت دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ معاشرے میں میرے لئے کوئی مقام باقی نہ رہا تھا۔ میرے پاس سوائے اس کے کوئی راستہ نہ تھا کہ میں غلط راہوں کو اپنالوں اور اس سانچے میں خود کو ڈھال لوں جس میں حالات نے مجھے بے بس کر کے جکڑ دیا تھا۔ اکبر کے ٹکڑوں پر آخر کب تک زندگی گزاری جاسکتی تھی؟ اور مجھے یہ بھی منظور نہ تھا کہ میری وجہ سے لوگ میرے عزیز دوست پر بھی انگلیاں اٹھائیں۔ مجھے اپنے ناکردہ گناہوں کی جو سزا ملی تھی میں اس میں اپنے دوست کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک روز میں نے اکبر سے صاف صاف کہہ دیا کہ اب میں کسی قیمت پر بھی اس مکان پر نہیں رہ سکتا۔ اکبر نے جو مجھے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز رکھتا تھا مجھے بہت سمجھایا لیکن جب میں اپنی ضد پر اڑا رہا تو اس نے مجھے غلط راستوں پر بھٹکنے سے باز رکھنے کے لئے ایک نئی چال چلی۔ کچھ سوچ کر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''حالات کے پیش نظر تم نے جو فیصلہ کیا ہے میں اسے غلط نہیں کہتا مگر جہاں تم نے مجھے اپنا عزیز سمجھ کر میری اتنی باتیں مانی ہیں وہاں صرف ایک بات مان لو اس کے بدبھی اگر حالات تمہارے حق میں سازگار نہیں ہوتے تو پھر میں تمہیں دوبارہ کبھی کسی بات سے منع نہیں کروں گا۔''

''کیا تمہارا خیال ہے کہ میں دنیا والوں کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے میں کامیاب ہو جاؤں گا؟''

''انسان کوشش کرے تو ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے۔'' میرے دوست اکبر نے مجھے سمجھایا تو میں زہر خند سے بولا۔

''تم حالات کو میری نہیں بلکہ اپنی نظروں سے دیکھ رہے ہو اکبر۔ اگر دنیا والوں کی نظروں سے تم بھی مجھے دیکھو تو کیا عجب ہے کہ تمہیں بھی مجھ سے کوئی ہمدردی باقی نہ رہے۔''

''بھاڑ میں جائیں دنیا والے۔ میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تم اللہ والوں سے دعا کے طالب بنو، بہت سی باتوں کا علاج دنیا والوں کے بجائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے پاس ہوتا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''اصل میں بات یہ ہے کہ میں تمہیں اللہ کے ایک برگزیدہ بندے سے ملانا چاہتا ہوں جس نے دنیا کو تج دیا ہے اور دن رات خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اگر وہ بزرگ تمہارے حق میں دعا کریں تو تمہاری قسمت بدل سکتی ہے۔'' اکبر نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میرے کہنے سے تم صرف ایک بار ان سے مل لو۔''

''ان باتوں سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اکبر!'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''قبل از وقت تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان بزرگ سے مل کر تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا جبکہ میں ان کے بارے میں بے شمار عجیب و غریب باتیں سن چکا ہوں بلکہ میں نے تو یہاں تک سن رکھا ہے کہ جو بات وہ کہہ دیں پتھر کی لکیر ثابت ہوتی ہے۔ لوگوں میں تو یہاں تک مشہور ہے کہ وہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہیں اور ان کے قبضے میں کچھ ایسی طاقتیں بھی موجود ہیں جن کے ذریعے وہ لوگوں کی تقدیر بھی بدل سکتے ہیں۔''

میں خاموش رہا تو اکبر نے مجھے ان بزرگ کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

''میں جن بزرگ کا تذکرہ کر رہا ہوں وہ یہاں سے چار میل دور آبادی سے ذرا ہٹ کر جو پہاڑی ہے اس پر ایک نیم پختہ سی کوٹھری میں رہتے ہیں۔ میں نے لاتعداد افراد کی زبانی ان کے کرشموں اور معجزوں کے بارے میں سنا ہے۔ ہزاروں لوگ ان کی برکتوں سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ عقیدت مندوں کی اچھی خاصی تعداد دن بھر ان کے گرد جمع رہتی ہے۔ جن میں غریب اور امیر دونوں ہی ہوتے ہیں لیکن مغرب کے بعد کوئی اس پہاڑی کا رخ نہیں کرتا۔ میاں صاحب نے اپنے عقیدت مندوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ مغرب کے بعد کوئی نہ ان سے ملنے کی کوشش کرے، اور نہ ہی ان کے سکون میں خلل انداز ہو۔ ان بزرگ کا اصلی نام شیخ عنایت اللہ ہے لیکن چھوٹے بڑے سب انہیں میاں صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کسی زمانے میں پولیس کے محکمے میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر تھے۔ بڑے ہی رنگین مزاج اور یار باش تھے۔ ہر وقت یاروں کی محفل میں بیٹھے شراب اور شباب کی مستیوں سے دل بہلاتے رہتے تھے پھر ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے انہیں اللہ

سے قریب کر دیا۔ ان دنوں عنایت اللہ صاحب زنا بالجبر کے کسی کیس میں تفتیش پر مامور تھے۔ اس کیس میں کچھ پیچیدگیاں ایسی تھیں کہ عنایت اللہ صاحب بھی اسے حل نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اعلیٰ افسروں سے اس بات کی اجازت مانگی کہ عورت کو جسے اس کے ورثا کے بیان کے مطابق ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد قتل کر کے دفنا دیا گیا تھا، دوبارہ قبر سے نکالا جائے اور از سر نو اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرایا جائے۔ عورت کے گھر والوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس لئے عنایت اللہ کو افسروں کی جانب سے لاش قبر سے نکالنے اور نئے سرے سے پوسٹ مارٹم کرانے کی اجازت مل گئی۔ جس روز یہ اجازت ملی اسی روز ڈپٹی صاحب اپنے ایک ماتحت سب انسپکٹر، ایک جمعدار اور چار سپاہیوں کے ہمراہ پولیس ایمبولینس لے کر قبرستان جا پہنچے اور اپنی نگرانی میں قبر کھدوائی شروع کر دی۔ لاش دفنائے بیس روز گزر چکے تھے۔ پولیس والوں نے اس خیال سے اپنی اپنی ناک اور منہ پر رومال باندھ رکھا تھا کہ کہیں لاش کا تعفن یا جراثیم انہیں متاثر نہ کریں لیکن جس وقت قبر کھودی گئی اس وقت پولیس والوں کو ایسا منظر نظر آیا جسے دیکھ کر ان کی عقلیں خبط ہو گئیں۔ تین کانسٹیبل اور سب انسپکٹر جائے وقوع پر ہی دہشت کے مارے ہلاک ہو گئے۔ جمعدار، چوتھا کانسٹیبل اور عنایت اللہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ ایمبولینس ڈرائیور چونکہ دور تھا اس لئے وہ یہ نہ جان سکا کہ اصلیت کیا ہے۔ گورکن موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا اس لئے وہ بھی کچھ نہ بتا سکا۔ پولیس کا جمعدار دو سال تک پاگل رہا پھر ایک حادثے کا شکار ہو کر فوت ہو گیا۔ کانسٹیبل کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ زندہ بچا یا مر گیا۔ البتہ عنایت اللہ پانچ سال تک پاگل رہے پھر ان کی ذہنی حالت ٹھیک ہو گئی۔

ہوش و حواس میں آنے کے بعد انہوں نے اپنے بڑے بھائی کو جو سرجن تھے، جو کہانی سنائی وہ بڑی پُر اسرار اور حیرت انگیز تھی۔ ان کے بیان کے مطابق جس وقت قبر کھودی گئی اس وقت انہوں نے ایک انتہائی حسین و جمیل عورت کو جو مقتولہ سے بڑی مشابہت رکھتی تھی قبر میں اس طرح بیٹھے پایا کہ اس کی پشت قبر کی ایک دیوار سے ٹکی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ آگے کی سمت پھیلے ہوئے تھے۔ عورت کے چہرے پر عجیب ملکوتی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ مری نہ ہو بلکہ زندہ ہو۔ عنایت اللہ صاحب نے گلاب کے تین پھولوں کو بھی دیکھا جن میں سے ایک عورت کے چہرے کے سامنے اور دو اس کی کھلی ہوئی ہتھیلیوں کے اوپر معلق تھے۔ پھولوں کی مہک اس قدر تیز اور اثر انگیز تھی کہ عنایت اللہ کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ اس کے بعد کے واقعات بتانے سے خود عنایت اللہ قاصر تھے لیکن اپنے حواسوں میں آنے کے بعد انہوں نے اس واقعے کا اتنا گہرا اثر لیا کہ ملازمت ترک کر دی اور اپنے مال و اسباب سب کو ٹھکرا کر گھر سے نکل گئے۔ کئی سالوں تک دہلی اور آگرے میں بزرگوں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز رہنے کے بعد وہ یہاں آ کر بس گئے اور آٹھ سال سے اس پہاڑ پر ایک کوٹھری میں قیام پذیر ہیں جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے۔''

اکبر نے یہاں تک کہہ کر پہلو بدلا پھر بڑی رازداری سے بولا۔

''میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ میاں صاحب کے قبضے میں بے شمار روحیں ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے عقیدت مندوں کے جائز کام کرا دیتے ہیں۔''

''ممکن ہے کہ لوگوں نے محض قیاس آرائی کی ہو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہو سکتا ہے۔'' اکبر بولا۔ ''ویسے یہ حقیقت ہے کہ میاں صاحب بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں ان کا کہا کبھی خالی نہیں جاتا۔ روحوں کا

معاملہ ہوسکتا ہے کہ لوگوں کا خیال ہو لیکن میرے ایک واقف کار کا بیان ہے کہ اس نے اکثر میاں صاحب کی کوٹھری سے عورتوں اور مردوں کی پُر اسرار آوازیں سنی ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا تمہارے واقف کار نے میاں صاحب کے منع کرنے کے باوجود مغرب کے بعد پہاڑی پر جانے کی ہمت کر لی تھی۔''

''ہاں ایک بار اس نے ایسا کیا تھا۔ لیکن دوسرے ہی روز ایسا بیمار پڑا کہ تین دن تک اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہا، چوتھے روز بخار کی شدت کم ہوئی تو اس نے اپنے والدین کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا چنانچہ اس کے والد دوڑے دوڑے میاں صاحب کے پاس گئے اور اپنے بچے کی حماقت اور بیماری کا ذکر کیا۔ میاں صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے، جاؤ کل تک تمہارے بچے کا بخار ختم ہو جائے گا لیکن اس سے کہہ دینا کہ دوبارہ میرے سکون میں مخل ہونے کی کوشش نہ کرے۔ دوسرے روز حقیقتاً لڑکے کا بخار اتر گیا۔ پاس پڑوس والوں کو حالات کا علم ہوا تو انہوں نے مغرب کے بعد پہاڑی کا رخ کرنے سے کان پکڑ لئے۔ اگر کوئی اجنبی رات کے وقت انہیں پہاڑی کی طرف جاتا نظر آجاتا ہے تو محلے والے اسے روک دیتے ہیں۔''

اکبر نے کچھ ایسے انداز میں میاں صاحب کا ذکر کیا کہ میرا ذوق تجسس بھڑک اٹھا۔ مجھے کبھی پیری مریدی اور تعویذ گنڈوں سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں میاں صاحب کی ذات سے مجھے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ میں نے اکبر سے وعدہ کر لیا کہ دوسرے روز ہی اس کے ہمراہ جا کر میاں صاحب سے ملوں گا لیکن اپنے طور پر میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اسی رات میں چوری چھپے میاں صاحب کی پہاڑ والی کوٹھری کی طرف ضرور جاؤں اور دیکھوں گا کہ یہ بات کہاں تک درست ہے کہ ان کے قبضے میں لاتعداد روحیں ہیں جن سے وہ دوبدو گفتگو کرتے ہیں اور لوگوں کے جائز کام کراتے ہیں۔ چنانچہ دن بھر ادھر ادھر کے کاموں میں مصروف رہا اور رات کا کھانا قدرے جلدی کھا کر سونے کے بہانے لیٹ رہا۔ اکبر اور میں چونکہ ایک ہی کمرے میں سوتے تھے اس لئے اکبر کو باور کرانے کے لئے کہ میں سو رہا ہوں میں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں لیکن میرا ذہن برابر شیخ عنایت اللہ صاحب کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کر رہا تھا۔

نصف رات گزری تو میں آہستہ سے اٹھا۔ اکبر بے خبر سو رہا تھا میں پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے تک گیا۔ آہستہ سے کنڈی کھولی پھر باہر آکر اس پہاڑی کی طرف روانہ ہوگیا جس کا راستہ میں نے دن میں اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تعویذ گنڈوں اور پیری مریدی سے مجھے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی لیکن میرے دوست اور غم گسار اکبر حسین نے میاں صاحب کا ذکر اس عقیدت سے کیا تھا کہ میں اپنے تجسس کو دبا نہ سکا اور یہی جذبہ مجھے کشاں کشاں اس پہاڑی کی طرف کھینچے لئے جا رہا تھا جہاں اکبر کے بیان کے مطابق میاں صاحب گزشتہ آٹھ سال سے ایک نیم پختہ کوٹھری میں مقیم تھے اور ان روحوں کے ذریعے جو ان کے قبضے میں تھیں مظلوم لوگوں کے لئے انہوں نے ناقابل یقین کارنامے انجام دیئے اور دے رہے تھے۔

اکبر حسین کی قیام گاہ سے اس پہاڑی کا فاصلہ چار میل سے کسی طرح کم نہ تھا۔ میں نے یہ فاصلہ بمشکل طے کیا راستے میں ایک دو بار میں

نے سوچا بھی کہ میں کیوں خواہ مخواہ وقت برباد کر رہا ہوں ان باتوں سے کیا حاصل لیکن جب میں آبادی کے آخری سرے پر پہنچا اور تاریکی میں لپٹی ہوئی پہاڑی کو اپنے قدموں میں پایا تو میری ساری تکان دور ہوگئی۔ میں نے یوں ہی ایک نظر بستی کے کچے پکے مکانوں پر ڈالی پھر جھجکتا اور خوف کھاتا پہاڑی کے اوپر چڑھنے لگا۔ کوئی بیس منٹ تک میں برابر آگے بڑھتا رہا پھر دور روشنی کی کرنوں کو دیکھ کر مجھ پر خوف کا غلبہ ہونے لگا۔ وہ روشنی تقریباً سو گز دور نظر آنے والی ایک کوٹھری سے پھوٹ رہی تھی۔ اس ویرانے میں یہ کرنیں بڑی پُراسرار لگ رہی تھیں۔

اپنی نظروں کے سامنے منزل کو دیکھ کر مجھے نہ جانے کیوں ایک عجیب سی مسرت کا احساس ہوا۔ میں رک گیا اور چند لمحوں تک ان کرنوں کو دیکھتا رہا پھر دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔ پہاڑی راستہ ناہموار تھا اور بار بار میرے پاؤں چھوٹے موٹے پتھروں پر پڑ کر رپٹ رہے تھے۔ اس لئے میں نے اپنی رفتار کم کر دی۔ پھر جوں جوں میری منزل قریب آتی گئی مجھے اپنے دل پر ایک بوجھ اور سر میں درد محسوس ہونے لگا۔ ابھی تک میرے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا مگر مجھے اکبر حسین کی بات یاد تھی کہ چراغ جلنے کے بعد اس پہاڑی کا رخ کرنے والے پراسرار حالات سے دوچار ہو جاتے ہیں اور جب تک میاں صاحب ان کے حق میں دعا نہ کریں وہ کرب اور بے چینی کی حالت سے دوچار رہتے ہیں۔

نیم پختہ کوٹھری کا دھندلا پن اب ختم ہو چکا تھا۔ میں اس کوٹھری سے بمشکل چالیس گز کے فاصلے پر ہوں گا کہ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔

میں ٹھٹک کر رک گیا اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی تو دور دور تک کسی آدم زاد کا پتا نہیں تھا۔ میں نے اپنے احساس کو اپنے اعصاب کی کمزوری پر محمول کیا پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگا۔ ابھی میں کچھ دور ہی آگے گیا ہوں گا کہ ایک بار پھر مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی میرے تعاقب میں سرسرایا ہے۔ اس بار میں نے رکنے کے بجائے مضطرب نظروں سے دائیں بائیں گھوم کر دیکھا اور کسی کو موجود نہ پا کر پھر اپنی نظریں روشنی کی کرنوں پر جما دیں جو میرے خیال کے مطابق میاں صاحب کی کوٹھری میں جلنے والی کسی بڑی لالٹین یا بہت سے لیمپوں سے پھوٹ رہی تھیں۔ دو بار چونکنے کے بعد میں نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ میں جانتا تھا کہ جلد از جلد میاں صاحب کی کوٹھری تک پہنچ جاؤں اور دیکھوں کہ روحوں کے بارے میں جو واقعات ان سے منسوب ہیں وہ کہاں تک صداقت پر مبنی ہیں۔

اکبر حسین کے بجائے اگر میاں صاحب کے بارے میں یہ معلومات مجھے کسی اور ذریعے سے حاصل ہوتیں تو شاید میں ان کی صحت پر کبھی بھی یقین نہ کرتا۔

میں اپنے خیالات میں محو آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک میرے قدم تھم گئے اور میں دھوئیں کے اس سفید بادل کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا جو میرے اور میاں صاحب کی کوٹھری کے درمیان بڑی سرعت سے ابھر کر ایک دائرے میں پھیلنے لگا تھا۔ پہلی نظر میں' میں اسے دھواں ہی سمجھا تھا اور حقیقت بھی غالباً یہی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے جب میں نے اس پر غور کیا تو یہ دیکھ کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ سفید بادل یا دھوئیں کے اس ٹکڑے نے سمٹ سمٹا کر انسانی ہیولے کی شکل اختیار کر لی تھی اور اب وہ ہیولا آہستہ آہستہ ہوا میں تیرتا ہوا میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی میں نے راہِ فرار اختیار کرنی چاہی لیکن قبل اس کے کہ میں اپنے ارادے کی تکمیل کرتا' سفید انسانی

ہیولا تیزی سے میرے قریب آیا۔

''چلے جاؤ۔ بزرگوں کے کام میں مخل ہونا اچھا نہیں۔''

ایک مدھم سی سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی پھر وہ ہیولا ہوا کے تیز جھونکے کی طرح میرے جسم سے ٹکراتا ہوا نکل گیا۔ میں نے بجلی کی سرعت سے پلٹ کر دیکھا لیکن اطراف میں کہیں کچھ بھی نہیں تھا ہر طرف گہرا اندھیرا طاری تھا۔ میں نے گھوم کر میاں صاحب کی کوٹھری کی سمت نظر ڈالی، دراڑوں سے پھوٹتی ہوئی کرنیں صاف طور پر نظر آ رہی تھیں۔ میں سکتے کے کسی مریض کی طرح اپنی جگہ کھڑا حالات پر غور کرتا رہا پھر یہ سوچ کر کہ یقیناً میرے ذہن میں بیٹھے ہوئے کسی لاشعوری واہمے نے شعوری طور پر نمودار ہو کر مجھے ڈرانے کی کوشش کی ہے میں حوصلہ کر کے پھر آگے بڑھنے لگا۔ مجھے خود پر ہنسی آ رہی تھی کہ ایک طویل عرصہ جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے گزارنے اور اذیت ناک حالات سے گزرنے کے باوجود میں اپنے ہی منتشر خیالوں کی ایک دھندلی پیداوار سے خوفزدہ ہو گیا۔

میں نے اپنی رفتار اب بڑھا دی تھی۔ میاں صاحب کی کوٹھری کا فاصلہ ہر لمحہ گھٹتا جا رہا تھا۔ تیس گز..... بیس گز..... دس گز اور پھر اچانک مجھے ایک بار پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی میرے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ میں نے احتیاطاً اس احساس کی تصدیق کرنے کے لئے بائیں سمت نظر ڈالی وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن دائیں جانب نظر گھماتے ہی میں اچھل پڑا۔ میں نے خوفزدہ ہو کر چیخنا چاہا لیکن آواز میرے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس بار مجھے جو کچھ نظر آیا وہ صد فی حقیقت تھی۔

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس نورانی چہرے والے شخص کو دیکھ رہا تھا جو مجھ سے محض ایک گز کے فاصلے پر کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سر سے پاؤں تک سفید لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال بھی مجھے روئی کے گالوں کی طرح سفید نظر آ رہے تھے۔ اس نے بڑی جمی ہوئی اور ٹھوس آواز میں مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''شاہد میاں اتنی رات گئے اس پہاڑی پر کس مقصد سے آئے ہو؟''

''جی!'' میں چونک پڑا۔ میرا دل بہت شدت سے دھڑکنے لگا۔ ایک لمحے کے لئے مجھے یہ گمان ہوا کہ کہیں یہ خود میاں صاحب ہی تو نہیں۔ ہو سکتا ہے انہوں نے مجھے کوٹھری تک پہنچنے سے روکنے کے لئے یہ روپ اختیار کر لیا ہو۔ ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ سفید ریش بزرگ نے بڑی نرم آواز میں کہا۔

''وہ لوگ جنہوں نے نیکی کمائی ہے انہیں شبہے کی نظروں سے دیکھنا بری بات ہے صاحب زادے، جو تم سوچ رہے ہو وہ درست نہیں۔ میں تو میاں صاحب کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں۔''

''پھر..... پھر آپ کون ہیں؟'' میں نے غیر اختیاری طور پر سوال کر ڈالا۔

''میں ان کا غلام ہوں۔'' سفید لباس میں ملبوس بزرگ نے کہا پھر بولے۔ ''تم نے اس وقت یہاں آ کر نادانی کی ہے۔ تم نے بزرگوں کے جلال کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے بڑے بڑے سورماؤں اور بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے ہیں۔ تم میاں صاحب کی عظمت دیکھنے آئے ہو؟ شاہد

علی تمہارے پاس وہ آنکھیں نہیں کہ تم اسے دیکھ سکو اور وہ ذہن نہیں کہ تم اسے محسوس کر سکو۔ چلے جاؤ۔"

"بزرگ محترم میں میاں صاحب کا دیدار کرنے کی غرض سے آیا ہوں کوئی بری نیت لے کر نہیں۔" میں نے اپنے اوسان بحال کرتے ہوئے کہا۔

"مگر عزیز من یہ وقت مناسب نہیں۔" سفید پوش بزرگ نے نصیحت آمیز لہجے میں کہا اور پھر کچھ سوچ کر بولے۔ "اچھا ٹھیک ہے جاؤ اور میاں صاحب کے بارے میں اپنے مبہم خیالات کی تصدیق کر لو لیکن ایک نصیحت یاد رکھنا۔ جو کچھ تمہیں نظر آئے اس کا تذکرہ کبھی کسی اور کے سامنے نہ کرنا ورنہ تباہیاں تمہارے عقب میں ہوں گی۔ جاؤ اور دیکھ سکتے ہو تو دیکھو۔"

میں حیرت سے اپنے مخاطب کو تکتا رہا پھر میں نے دبی آواز میں پوچھا۔

"اگر رات کے وقت اس پہاڑی پر آنا مناسب نہیں تو آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"شاہد علی مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔" سفید ریش بزرگ نے زیر لب مسکرا کر کہا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولے۔ "میں کون ہوں اور کیا ہوں یہ جاننے کی کوشش مت کرو۔ تم اس کے متحمل نہیں ہو پاؤ گے۔ تم ابھی بچے ہو، بہت بچے ہو۔ بس جو میں نے نصیحت کی ہے اس کا خیال رکھو۔"

اتنا کہہ کر بزرگ نے ایک نظر میاں صاحب کی کوٹھری پر ڈالی، پھر عقیدت کے جذبے سے سر کو ذرا سا خم کیا اور دوسری سمت چل دیئے۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے ان کو دیکھتا رہا اور اس وقت تک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی جب تک وہ میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔

میاں صاحب کی کوٹھری سے چند قدم کے فاصلے پر پہنچ کر میں ایک بار پھر رکا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر جب مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی میری نگرانی نہیں کر رہا ہے تو میں پنجوں کے بل کھسکنے لگا اور کوٹھری کی ایک جھری سے آنکھ لگا دیں۔

اندر کا ماحول کچھ اس قدر ہیبت ناک اور ناقابل یقین تھا کہ میں دنگ رہ گیا۔ اندر صرف دو چراغ جل رہے تھے۔ میری نظروں کے سامنے میاں صاحب ٹھوڑی سینے سے لگائے مراقبے میں بیٹھے تھے اور تسبیح پر کوئی وظیفہ پڑھنے میں مصروف تھے۔ ان کا چہرہ مجھے پوری طرح نظر نہیں آ رہا تھا لیکن جسم پر نظر آنے والے کپڑوں پر جا بجا پیوند نظر آ رہے تھے جس پلنگ پر وہ بیٹھے تھے اس پر بستر نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ سامنے چھت سے ایک پنجرہ لٹک رہا تھا جس میں دو طوطے بند تھے۔ زمین پر ایک میلی سی دری بچھی ہوئی تھی جس پر غالباً ایک عرصے سے جھاڑو نہیں دی گئی تھی۔ میں نے ایک نظر میں پوری کوٹھری کا جائزہ لے ڈالا لیکن جو بات میرے لئے سب سے زیادہ تعجب خیز تھی وہ اس حسین و جمیل لڑکی کی موجودگی تھی جو میاں صاحب کے سامنے میلی دری پر ہاتھ باندھے باندیوں جیسے انداز میں سر جھکائے کھڑی تھی۔ لڑکی کا حسن جہاں سوز اور اس کے قیمتی ملبوسات کو دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ اتنی رات گئے ایک حسین و جمیل لڑکی کو میاں صاحب کی کوٹھری میں تنہا دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کون ہو سکتی ہے؟ میں نے سوچا ممکن ہے کوئی ضرورت مند ہو جو رات کے اندھیرے میں حاجت روائی کی غرض سے میاں صاحب کے قدموں میں چلی آئی ہو لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ کہیں یہ کوئی اور معاملہ نہ ہو۔ پیروں فقیروں کے بارے میں مختلف اور متضاد خبریں اخباروں میں آئے دن شائع ہوتی ہی رہتی ہیں کہیں.....

میں ابھی ادھیڑ بن میں تھا کہ پنجرے میں بند ایک طوطے نے اچانک کریہہ آواز میں زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ چیخنے کے ساتھ

ساتھ وہ پنجرے میں ادھر ادھر اچھل کود بھی کر رہا تھا اور دوسرے طوطے کو ٹھونگے دے رہا تھا جو ایک طرف خاموش بیٹھا تھا۔ خوب صورت لڑکی جو میاں صاحب کے روبرو ہاتھ باندھے کھڑی تھی چونک پڑی۔ اس نے اپنی غزالی آنکھیں نیم وا کیں اور حیرت سے طوطے کو گھورنے لگی۔ پھر اس نے جن نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ وہاں کسی نووارد کی موجودگی کو محسوس کر رہی ہے۔ اس کی حسین آنکھوں میں پیدا ہونے والی الجھن بے حد معنی خیز تھی لیکن میاں صاحب کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا وہ بدستور مراقبے میں بیٹھے رہے لیکن طوطے کی چیخ کم نہ ہوئی تو انہوں نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کر دیا میاں صاحب کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ طوطے نے چیخنا بند کر دیا۔ سامنے کھڑی مہ جبیں نے بھی جلدی سے دوبارہ ہاتھ باندھ کر سر جھکا لیا۔ یکلخت میرے ذہن میں ایک نیا خیال در آیا۔ کہیں وہ مہ جبیں کوئی روح تو نہیں جو میاں صاحب کے حکم پر حقیقت کے جامے میں اس وقت ان کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ کیا ایسا ممکن ہے مگر سب کچھ ممکن ہے۔

میں سانس روکے باہر کھڑا اس حسین ترین لڑکی کو دیکھتا رہا اور آنے والے لمحوں کا منتظر رہا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ کوٹھری میں کچھ دیر تک مکمل سکوت طاری رہا۔ میاں صاحب نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر آنکھیں کھول دیں۔ میں ان آنکھوں کا جلال دیکھ کر کانپ گیا۔ میاں صاحب کی آنکھوں میں نہ جانے کیا سحر تھا کہ ان کی ایک جھلک دیکھتے ہی میں لڑکھڑا گیا۔ میاں صاحب کی توجہ کا مرکز وہی تھی جو ان کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ اچانک میاں صاحب نے بڑے جمے ہوئے لہجے میں اس حسین دوشیزہ کو مخاطب کیا۔

''اے حور صفت اور نیک سیرت دوشیزہ کیا تجھے علم ہے کہ تجھے یہاں کس لئے طلب کیا گیا ہے؟''

''جی! مجھے یہاں آنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ میں آپ کو مطلوبہ حقائق سے آگاہ کروں۔''

لڑکی کی آواز بے حد سریلی تھی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ آواز کہیں بہت دور سے آ رہی ہو۔

میاں صاحب نے بڑے پُر جلال لہجے میں کہا۔ ''چودھری امام دین کے بارے میں کہو۔''

دوشیزہ نے اسی شیریں آواز میں نیازمندی سے جواب دیا۔ ''چودھری امام دین کے بچنے کا اب یہی طریقہ ہے کہ وہ آئندہ سود پر رقم دینے کا کاروبار بند کر دے اور عدالت کے سامنے اقبال جرم کر کے معافی کی درخواست گزارے۔''

''کیا اصل مجرم وہی ہے؟'' میاں صاحب کی آواز ابھری۔

''نہیں! اصل مجرم وہ نہیں ہے۔ اس نے صرف مجرم کو روپوش ہو جانے کا موقع فراہم کر کے خود کو مقدمے میں ملوث کر لیا ہے۔ پولیس کو جب یہ معلوم ہوا تو چودھری امام دین کو بھی اس نے ملزمین میں شمار کر لیا۔''

''اصل مجرم کون ہے اور کہاں ہے؟''

لڑکی نے یہ سوال سن کر ایک جھرجھری لی پھر آنکھیں بند کر لیں۔ چند سیکنڈ تک خاموش رہی پھر اس نے دوبارہ آنکھیں کھول کر کہا۔

جس نے گناہ کیا ہے اس کا نام شبیر خان ہے۔ چودھری امام دین نے اسے اپنے گودام میں پناہ دی ہے۔ شبیر خان اس وقت اسی گودام میں موجود ہے۔''

میاں صاحب یہ سن کر تھر تھر کانپنے لگے۔ ان کا ہاتھ تسبیح کے دانوں پر بڑی روانی سے چل رہا تھا۔ بار بار وہ اپنے سر کو یوں جھٹک رہے تھے جیسے کسی کو سرزنش کر رہے ہوں۔ ان کی آنکھوں سے جلال ٹپک رہا تھا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ اسی حالت سے دوچار رہے پھر رفتہ رفتہ پُرسکون ہو گئے۔

''میرے لئے اب کیا حکم ہے؟''

''جا سکتی ہو۔'' میاں صاحب نے بڑبڑاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

میں بدستور کوٹھری کی جھری سے لگا یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا تھا لیکن اس وقت میری آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں جب میں نے اس خوب صورت لڑکی کو اچانک ہوا میں تحلیل ہوتے دیکھا۔ یوں لگا جیسے کوئی بڑی طاقت اسے نگل گئی ہو ''روح۔ روح..... روح'' میرے ذہن نے اس ایک لفظ کی تکرار شروع کی تو میں سرتاپا لرزنے لگا۔ مجھے اب اپنا وجود خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ میں نے میاں صاحب کی شخصیت پر شبہ کر کے یقیناً حماقت کی تھی۔ اکبر حسین نے جو کچھ کہا تھا وہ حرف بحرف درست تھا۔

''تو کیا چلا رہا تھا۔ کیوں اپنی مکروہ آواز مجھے سنا رہا تھا؟'' میاں صاحب کی کرخت آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو میں نے دوبارہ کوٹھری کی جھری سے آنکھ لگا دی۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ میاں صاحب نے وہ جملہ پنجرے میں بند طوطے سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔ وہ بڑی حقارت اور نفرت بھری نظروں سے طوطے کو گھور رہے تھے۔ میں نے طوطے پر نظر ڈالی جو اپنا سر گردن میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''منہ چھپانے کی کوشش کیوں کر رہا ہے احمق! میرے سوال کا جواب دے۔''

''معاف کر دو میاں صاحب۔ مجھ سے بھول ہو گئی تھی۔''

طوطے کے پنجرے سے کسی اکھڑ قسم کے مرد کی کھردری بے ربط اور بے ہنگم آواز ابھری تو مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو گیا مجھے اس کا شبہ ہونے لگا کہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔

''میری بات کا جواب دے گناہ گار۔ تو میرے وظیفے میں مخل کیوں ہوا تھا۔'' میاں صاحب گرجے تو طوطے کے پنجرے سے پھر وہی بے ہنگم قسم کی مردانہ آواز آنے لگی۔

''میاں صاحب! میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ کوئی اور بھی آپ کے سکون میں مخل ہو رہا ہے۔''

یہ اشارہ غالباً میری طرف تھا۔ میں نے جس وقت اندر جھانکنا شروع کیا تھا اسی وقت طوطے نے شور و غل مچایا تھا۔ میرے خدایا یہ سب کیا اسرار ہے میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر اچانک خوفزدہ ہو کر پلٹا اور بے تحاشا واپسی کے راستے پر دوڑنے لگا نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میاں صاحب کی بڑی بڑی جلالی آنکھیں برابر میرا تعاقب کر رہی ہیں۔ میں نے ڈر کر رفتار اور تیز کر دی۔ میں جلد از جلد اس پراسرار ماحول سے بہت دور نکل جانا چاہتا تھا لیکن شاید قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا جس کا تذکرہ میں آگے چل کر کروں گا۔ فی الحال میں واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے اتنا بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ میں نے اندھیرے میں بھاگتے بھاگتے کسی پتھر سے ٹھوکر کھائی اور منہ کے بل زمین پر گر کر نیچے کی جانب

لڑھکنے لگا۔ میرے احساسات نے میرا ساتھ چھوڑ کر میری نظروں کے سامنے سیاہی بکھیر دی جو گہری ہوتی چلی گئی اور میں اس میں گم ہو گیا۔

میں کس طرح اکبر حسین کے گھر واپس آیا یہ بات مجھے بری طرح پریشان کیے ہوئے تھی۔ آنکھ کھلنے پر میں نے خود کو اکبر حسین کی خواب گاہ میں اپنے بستر پر پڑا پایا۔ رات کے واقعات ابھی تک میرے ذہن میں تازہ تھے۔ میں نے ان خوفزدہ مناظر کو بھول جانے کے لئے خود کو فریب دینا چاہا۔ یہ سوچ کر اپنے الجھے الجھے خیالات کو بہلانے کی کوشش کی کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ محض خواب تھا لیکن جب میرا ہاتھ اپنی پیشانی پر پڑا تو ایک بار پھر سرتاپا لرز گیا۔ میری پیشانی کا زخم ہاتھ لگتے ہی دکھنے لگا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ رات جب میں گرا تھا تو میری پیشانی کسی پتھر سے ٹکرائی تھی۔ میں نے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی جو جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ اکبر حسین نے غالباً میرے لباس اور میری پیشانی کو نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ یقیناً مجھ سے اس کی وجہ دریافت کرتا۔ دراصل وہ منہ اندھیرے اٹھنے کا عادی تھا اس لئے یہ بھی ممکن تھا کہ اس نے سرے سے مجھ پر توجہ ہی نہ دی ہو۔ میں رات کے انوکھے اور حیرت انگیز واقعات میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ گرنے کے بعد میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ تو پھر مجھے میرے بستر تک کون لایا؟ کیا میں کسی وقت بے ہوشی ہی کی حالت میں اٹھ کر یہاں تک آیا تھا یا پھر مجھے بستر تک پہنچانے میں میاں صاحب کی پُراسرار قوت کا ہاتھ تھا؟''

میں ابھی اسی گتھی کو سلجھانے میں منہمک تھا کہ اکبر حسین ناشتہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ حسب معمول وہ آج بھی بڑے اچھے موڈ میں تھا لیکن پھر جیسے ہی اس کی نظر میری پیشانی اور میرے لباس پر پڑی اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر وہ قریب آتا ہوا بولا۔

''یہ کیا ہو گیا تمہیں؟ یہ پیشانی پر زخم اور پھٹے ہوئے کپڑے یہ سب کیا ہے میاں؟''

''اکبر..... رات میں.....'' میں نے اکبر کو اصل حالات سے باخبر کرنا چاہا لیکن معاً میری نظروں کے سامنے ان سفید ریش بزرگ کا چہرہ ابھر آیا جنہوں نے رات مجھے اس بات کی سختی سے تاکید کی تھی کہ جو کچھ میں میاں صاحب کی کوٹھری میں دیکھوں اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کروں۔ یہ نصیحت یاد آتے ہی میں نے جلدی سے اپنی زبان بند کر لی۔ اکبر نے میرے چہرے کے تاثرات بدلتے دیکھے تو گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''آخر معاملہ کیا ہے۔ تم کچھ کہتے کہتے خاموش کیوں ہو گئے! رات کو کیا ہوا تھا؟''

''مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا اور کیسے ہوا اور صبح اپنی یہ حالت دیکھ کر خود مجھے بھی حیرت ہوئی تھی۔''

''میں نہیں مان سکتا۔'' اکبر نے تیزی سے کہا۔ ''تم ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔''

''نہیں میرے دوست! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں بالکل صحیح ہے مجھے نہیں معلوم کہ میں اس حالت کو کس طرح پہنچ گیا۔''

اکبر کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔ میں اس کی آنکھوں کی بدلتی رنگت کو دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ وہ میرے اس سفید جھوٹ پر خوش نہیں ہے۔ کچھ دیر تک وہ یونہی مجھے شکایت بھری نظروں سے دیکھتا رہا پھر کوئی بات سوچ کر ناراضگی کے لہجے میں بولا۔

''کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ زندگی سے اتنی بے زاری کیوں' میں بھی تو موجود ہوں۔ شاہد' میں نے تم سے کہا تھا کہ ایک

بار میاں صاحب سے مل لو اس کے بعد جو تمہارے دل میں آئے کرو لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم نے میری بات نہ مانی۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جس طرح سوچ رہا تھا، ٹھیک تھا۔ میاں صاحب کے ذکر پر میں نے اکبر سے کوئی تردید نہیں کی چپ چاپ لیٹا اکبر کو دیکھتا رہا۔ اکبر خاموشی سے اکتا کر بولا۔

''میں جانتا ہوں شاہد زندگی تمہارے لئے عذاب ہوگئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اتنی جلدی ہمت ہار دو اور غلط راہ اختیار کر لو۔ ابھی تمہارے سامنے عمر پڑی ہے' مجھے یقین ہے رات تم بہک گئے تھے۔ میرے دوست کوئی گندا اور غیر شریفانہ پیشہ یا مشغلہ اختیار کرنے سے پہلے تمہیں اتنا سوچ لینا چاہئے تھا کہ تمہارا تعلق کس خاندان سے ہے اور تمہاری اس حرکت سے تمہاری والدین کی روح کو کس قدر صدمہ پہنچا ہوگا۔''

''مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اکبر۔'' میں نے کہا۔ ''حالات انسان کو بے بس بنا دیتے ہیں۔''

''کیا تم میرے کہنے سے میاں صاحب سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرو گے؟''

''یہ تم نے کیسے سوچ لیا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''میں میاں صاحب سے ضرور ملوں گا۔''

''اچھا اٹھو! کپڑے تبدیل کرو اور منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر لو۔'' اکبر مایوس لہجے میں بولا۔

میں اکبر کے دل کی حالت کا بخوبی اندازہ لگا رہا تھا لیکن اپنی صفائی میں کچھ کہنے سے مجبور تھا۔ اکبر کے مشورے پر میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو میرے جسم کی ایک ایک ہڈی چیخ اٹھی۔ درد کی اتنی شدید لہریں اٹھیں کہ میں کراہ کر رہ گیا۔ سارا جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ میں نے نقاہت سے دوبارہ اپنا سر تکیے پر رکھ دیا۔ اکبر نے میرے چہرے سے میری ابتر حالت کا اندازہ لگایا تو آگے بڑھ کر مجھے اٹھانے میں مدد کرنی چاہی مگر اچانک وہ گھبرا گیا اور پریشان لہجے میں بولا۔

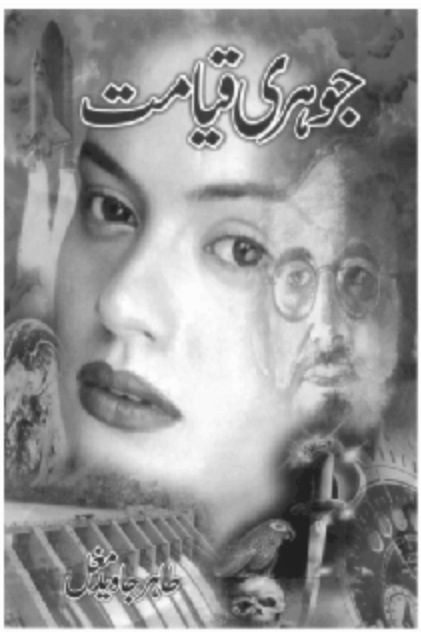

''ارے تمہیں تو بہت شدید بخار ہے' شاید۔''

''فکر مت کرو جاتا رہے گا۔'' میں نے ہمت کر کے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی تو میری آنکھوں کے نیچے اندھیرے لپکنے لگے۔ مجھے اکبر کے کہنے پر پہلی بار احساس ہوا تھا کہ میرا جسم اس وقت تندور کی مانند دہک رہا تھا۔ میں کراہ کر دوبارہ لیٹ گیا تو اکبر بولا۔

''تم لیٹے رہو میں ابھی ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔''

اکبر اتنا کہہ کر پلٹا ہی تھا کہ میں نے اسے آواز دے کر روکنا چاہا لیکن نقاہت کی وجہ سے الفاظ میرے منہ میں رہ گئے۔ میرے دماغ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ میں نے اکبر کے جانے کے بعد رات والے حالات پر پھر غور کرنا چاہا لیکن بے ہوشی کا غلبہ مجھ پر اتنی تیزی سے ہوا کہ میں بے سدھ ہو گیا۔ میری پلکیں آہستہ آہستہ بند ہوتی چلی گئیں۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔

چار روز تک میں بخار کی شدت سے بے حال رہا۔ اکبر نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔ وہ بیچارہ سارا دن اور ساری رات میرے سرہانے بیٹھا رہتا اور حتی الامکان میری تیمارداری میں مصروف رہتا۔ دوا علاج میں بھی اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی لیکن میرا بخار کسی طرح ٹوٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔ پانچویں روز مجھے ذرا ہوش آیا تو یہ بات مجھے اکبر کی زبانی معلوم ہوئی کہ میں بخار کی حالت میں ہذیان بکتا رہا ہوں میری زبان سے بار بار میاں صاحب کا نام بھی ادا ہوا تھا۔

''اکبر تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟'' میں نے نقاہت میں ڈوبی آواز میں کہا تو اکبر جھٹ بولا۔

''کہو کیا بات ہے؟''

''مجھے میاں صاحب کے پاس لے چلو۔''

''لیکن تمہاری حالت ابھی ٹھیک نہیں۔ آبادی تک تو خیر سواری ہو جائے گی لیکن پہاڑی پر دو فرلانگ پیدل چلنا پڑتا ہے۔''

''میں ہر قیمت پر میاں صاحب کی قدم بوسی کرنے کو تیار ہوں۔'' میں نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''تم مجھے پہاڑی تک لے چلو وہاں سے پیدل چل لوں گا۔''

''خیال ہے تمہارا؟'' اکبر بولا۔ ''تمہاری حالت دو قدم چلنے کی بھی نہیں رہی دو فرلانگ کیسے چل سکتے ہو۔''

''تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں میاں صاحب سے ملے بغیر ہی مر جاؤں۔''

''خدا نہ کرے۔'' اکبر نے گھبرا کر جلدی سے کہا۔ ''ایسی بدفال کیوں زبان سے نکال رہے ہو۔ ذرا اپنی حالت سنبھل لینے دو پھر اطمینان سے مل لینا میاں صاحب سے۔''

''نہیں میرے دوست۔'' میں ایک آہ سرد بھر کر بولا۔ ''میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جب تک میں میاں صاحب سے نہ ملوں گا میری حالت ٹھیک ہونے کے بجائے اور بدتر ہوتی جائے گی تم اسی وقت مجھے ان کے قدموں تک پہنچا دو۔ بڑی مہربانی ہو گی تمہاری پیارے' جہاں اتنے احسان کئے ہیں وہاں ایک احسان اور کرو۔''

اکبر مجھے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا لیکن جب میرا اصرار حد سے بڑھا تو وہ طوعاً و کرہاً تیار ہو گیا اور سواری کا بندوبست کرنے چلا گیا۔ اکبر کا خیال غلط نہیں تھا میں خود بھی اپنی حالت سمجھ رہا تھا۔ کمزوری کی وجہ سے جب مجھے بات کرنی مشکل ہو رہی تھی تو دو فرلانگ چلنا تو بڑا مشکل کام تھا مجھے اب اس کا بخوبی احساس تھا کہ میاں صاحب کی قدم بوسی حاصل کئے اور ان سے معافی مانگے بغیر میرا ٹھیک ہونا مشکل ہے۔

تھوڑی دیر بعد اکبر واپس آ گیا اس غریب نے مجھے گود میں اٹھا لیا اور باہر لے جا کر تانگے میں بٹھا دیا میری کیفیت یہ تھی کہ بار بار بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے۔ اکبر مجھے پکڑے بیٹھا تھا۔ تانگے کو ذرا بھی جھٹکا لگتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا کہ بس اب کسی لمحے میری روح قفس عنصری سے پرواز کیا چاہتی ہے۔ پہاڑی کے قریب جہاں تک سڑک تھی وہاں تک تانگا مجھے لے گیا۔ اکبر نے مجھے تانگے سے اتارا تو تانگے والے نے جو صورت شکل سے کوئی بھلا مانس لگتا تھا' اکبر سے پوچھا۔

''بھیا کیا تم اکیلے مریض کو میاں صاحب تک لے جا سکتے ہو۔''

''کوشش تو کرنی ہے بھائی۔'' اکبر نے بڑی ہمت سے جواب دیا۔

تانگے والا غالباً میاں صاحب کے مریدوں میں تھا فوراً اکبر کا ہاتھ بٹانے کو آمادہ ہو گیا۔ مجھ پر رہ رہ کر غشی طاری ہو رہی تھی کچھ دیر تک اکبر مجھے گود میں لئے پہاڑی پر چڑھتا رہا پھر جب اس کا سانس پھولنے لگا تو تانگے والے نے مجھے کولی بھر کر اپنے کندھے سے لگا لیا۔ اسی طرح وہ دونوں مجھے میری منزل مقصود تک لے گئے۔ یہی کوئی عصر کا وقت رہا ہو گا جب میں میاں صاحب کی کوٹھری پر پہنچا۔ عقیدت مندوں کی اچھی خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ایک وقت میں صرف ایک آدمی اندر جاتا تھا پھر دوسرے کی باری آتی تھی۔ اچھے کھاتے پیتے گھرانے کے افراد بھی اپنی باری کے انتظار میں پہاڑی پر ادھر اُدھر بیٹھے تھے۔ اکبر نے مجھے صاف سی جگہ پر بٹھا دیا۔ تانگے والا ضرورت سے زیادہ شریف انسان ثابت ہوا۔ اکبر نے اس کا شکریہ ادا کر کے زیادہ دام دینے چاہے تو اس نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس بات پر بھی از خود آمادہ ہو گیا کہ وہ واپسی پر بھی اکبر کا ہاتھ بٹائے گا اور مجھے گھر تک چھوڑ کر جائے گا۔

میں اکبر کے سہارے بیٹھا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک شخص اکبر کے قریب آ کر بولا۔

''کیا آپ کے مریض کا نام شاہد علی درانی ہے؟''

''جی ہاں کیوں؟'' اکبر نے تعجب سے پوچھا۔

''میاں صاحب آپ دونوں کو یاد فرماتے ہیں۔''

مجھے ایک لمحے کے لئے اس بات پر حیرت ہوئی کہ آخر میاں صاحب کو میری آمد کا علم کس طرح ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میرا سر عقیدت سے جھک گیا۔ اکبر نے مجھے جھک کر گود میں اٹھایا اور میاں صاحب کی کوٹھری میں لے گیا میاں صاحب اس وقت بھی اپنے کھرے پلنگ پر پیوند لگا لباس پہنے بیٹھے تسبیح پر کسی وظیفے کا ورد کر رہے تھے۔ ان کے چہرے پر نور ہی نور بکھرا ہوا تھا۔ آنکھوں سے محبت اور اپنائیت کے جذبے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اکبر نے مجھے میاں صاحب کے سامنے دری پر بٹھا دیا اور پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میاں صاحب نے ہاتھ اٹھا کر چپ رہنے کا اشارہ کر دیا۔ میرے

اوپر کچھ ایسی دہشت طاری تھی کہ میں گردن جھکائے اور نظریں نیچی کئے بیٹھا تھا۔ اس خیال سے میرا دل دھڑک رہا تھا کہ دیکھیں میاں صاحب اب مجھے کس انداز میں سرزنش کرتے ہیں۔ کوٹھری میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر میاں صاحب بڑے نرم لہجے میں بولے۔

''تمہیں کب سے بخار ہے شاہد میاں؟''

''جی!'' نہ جانے کیوں میاں صاحب کی آواز سن کر میں سرتاپا لرز اٹھا۔ بڑی مشکل سے میں نے نظر اٹھا کر میاں صاحب کے نورانی چہرے کو دیکھا پھر یکلخت میری آنکھیں چھلک آئیں۔ میں میاں صاحب کے سوال کا جواب بھی نہ دے سکا۔

''پریشان مت ہو جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو میں جان گیا ہوں۔'' میاں صاحب بڑی شفقت سے بولے۔ ''غلطیاں انسان ہی سے ہوتی ہیں لیکن سچا انسان وہ ہے جو اپنی غلطی پر پشیمان ہو اور دوسروں کو پریشان نہ کرے۔''

میاں صاحب کی بات سمجھ کر میری گردن شرمندگی کے احساس سے دوبارہ جھک گئی۔ میں اپنے کئے پر نادم تھا۔ دل ہی دل میں' میں نے عہد کرلیا تھا کہ اب چراغ جلے بعد پہاڑی کا رخ کبھی نہ کروں گا۔ اکبر بدستور مجھے سہارا دیئے بیٹھا تھا۔

''خدا کی مشیت میں کس کو دخل ہے۔'' میاں صاحب نے کہنا شروع کیا۔ ''اس کا کوئی اشارہ مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اگر پریشانیاں آتی ہیں تو آرام اور سکون بھی وہی دینے والا ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اس زندگی میں سخت امتحان آتے ہیں۔ مایوسی کفر ہے۔''

میں سر جھکائے بیٹھا رہا میاں صاحب کچھ توقف کے بعد بولے۔

''مجھے علم ہے میرے بچے کہ زمانے نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے لیکن تمہیں اس حال پر بھی خدا کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے تمہیں امتحان کے قابل سمجھا۔ کیا عجب کہ اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہو اور تمہاری بھلائی کا کوئی پہلو منظور ہو۔''

میاں صاحب بڑی محبت اور شفقت کی ساتھ مجھے نصیحتیں کرتے رہے۔ میرے دل پر ان کی باتوں کا کچھ اثر اتنا گہرا اثر ہوا کہ میری آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔ میں ہچکیوں سے رو پڑا۔ میاں صاحب کی ایک ایک بات میرے ذہن پر اثر چھوڑ رہی تھی۔ میں اپنی کمزوری اور بخار کی شدت کو بھول کر میاں صاحب کی باتوں کے سحر میں کھو گیا۔ مجھ پر گریئے کا عالم تھا۔ اکبر خاموشی سے مجھے پکڑے بیٹھا رہا۔ اس نے بھی بڑی عقیدت سے اپنا سر خم کر رکھا تھا۔

''تم نے اچھا کیا جو میرے پاس چلے آئے۔ میں خدا سے تمہارے حق میں دعا کروں گا کہ وہ تمہیں صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری پریشانیاں دور کرے۔''

میاں صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تم گھر جاؤ اور آرام کرو۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں' خدا نے چاہا تو تمہاری طبعیت بھی جلد ہی سنبھل جائے گی۔''

اکبر نے جھک کر میاں صاحب کو سلام کیا پھر مجھے گود میں اٹھالیا۔ میں نے رخصت ہوتے وقت میاں صاحب کے نورانی چہرے پر نظر ڈالی تو وہ آنکھیں بند کئے ہوئے تھے اور منہ اوپر اٹھائے غالباً میرے حق میں دعا فرما رہے تھے۔ اکبر مجھے گود میں لئے الٹے قدموں کوٹھری سے باہر آ گیا پھر وہ

تانگے والے کی مدد سے گھر واپس لے آیا۔ گھر پہنچ کر اس نے ایک بار پھر تانگے والے کو اس کی زائد خدمت کے عوض زیادہ کرایہ دینا چاہا لیکن اس نے صرف اپنی اصل اجرت لی اور خاموشی سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اکبر میرے قریب آ کر بیٹھ گیا اور میرا سر سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے زیادہ تکان تو نہیں محسوس کر رہے؟''

''نہیں'' میں نے کہا پھر اکبر سے ایک گلاس پانی مانگ کر پیا اور آنکھیں بند کر کے دوسری طرف کروٹ لے لی۔ اکبر نے میرے آرام کے خیال سے پھر مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ کچھ دیر بیٹھا آہستہ آہستہ میرا سر سہلاتا رہا پھر اٹھ کر اندر چلا گیا۔

اس کے دوسرے ہی روز سے میری طبیعت سنبھلنی شروع ہوگئی۔ پانچویں روز میں بالکل بھلا چنگا ہوگیا۔ اب نہ نقاہت باقی تھی اور نہ کمزوری۔ یہ سب میاں صاحب کی دعاؤں کا نتیجہ تھا ورنہ میرا بخار اول تو اتنی جلدی نہ اترتا اور اگر اتر بھی جاتا تو کمزوری مہینوں باقی رہتی۔ اکبر کو میرے صحت یاب ہونے پر بے حد خوشی تھی جس روز میں نے غسل صحت کیا' اس روز اکبر نے کہا۔

''اب کیا پروگرام ہے تمہارا' کیا میاں صاحب سے مل لینے کے بعد بھی تم اپنے پرانے خیالات پر قائم رہو گے؟''

''کچھ نہ کچھ تو بہر حال کرنا ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''رہا میاں صاحب کا سوال تو میں ان کی عظمتوں کا قائل ہو چکا ہوں اگر وہ مجھے قدم بوسی کی اجازت نہ دیتے تو شاید میرا بچنا بھی مشکل ہو جاتا۔''

''گویا اب تم راہ راست پر آ گئے ہو۔''

''یہ سب میاں صاحب کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔''

اکبر اور میں بہت دیر تک میاں صاحب کی بات کرتے رہے پھر اکبر نے مجھے کریدتے ہوئے پوچھا۔

''شاہد کیا تم اب بھی مجھے نہ بتاؤ گے کہ اس رات تمہیں کیا حادثہ پیش آیا تھا؟''

''مجھے افسوس ہے کہ اس سلسلے میں اپنی زبان کھولنے سے قاصر ہوں لیکن تمہیں اتنا ضرور یقین دلا سکتا ہوں کہ اس حادثے کے بارے میں جو قیاس آرائی تم نے کی تھی وہ غلط ہے۔''

''کیا کوئی ایسی ہی خاص بات ہے جو تم مجھ سے بھی نہیں کہہ سکتے۔'' اکبر نے اصرار کیا تو میں نے مجبور ہو کر کہا۔

''تم اگر بضد ہو تو میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس رات میں تمہارے منع کرنے کے باوجود میاں صاحب کی اصلیت کا راز جاننے کے لئے پہاڑی پر چلا گیا تھا۔ وہاں میں نے کیا دیکھا اور کیا سنا اس کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا اگر میں نے ایسا کیا تو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں ضرور کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔''

اکبر نے میری بات سنی تو اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ مجھے تعجب خیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

''مجھے خود بھی حیرت تھی کہ آخر تمہارا بخار ٹوٹنے کا نام کیوں نہیں لے رہا۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ اب تم میاں صاحب کی دعاؤں کی بدولت روبہ صحت ہو گئے لیکن اتنا ضرور یاد رکھنا کہ اب تم دوبارہ کبھی مغرب کی نماز کے بعد اس پہاڑی کی طرف بھول کر بھی رخ نہ کرنا۔''

''ظاہر ہے کہ ایک بار اپنے کئے کی سزا بھگت لینے کے بعد اب میں دوبارہ وہی غلطی نہیں کر سکتا۔'' میں نے صدق دل سے کہا پھر گفتگو کا رخ بدلنے کے لئے بولا۔ ''میرے نزدیک اب صرف تلاش معاش کا مسئلہ رہ گیا ہے۔ میں کل سے دوبارہ روزگار کی تلاش میں نکلوں گا۔''

''مجھے یقین ہے کہ خدا تمہیں اس بار ضرور کامیاب کرے گا لیکن میری مانو تو تم اس سلسلے میں بھی میاں صاحب سے ملو۔ مجھے قوی امید ہے کہ وہ تمہاری مدد فرمائیں گے۔''

''میرا خیال بھی یہی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ کچھ دن اور اپنی قسمت آزمالوں اگر کامیابی ہوگئی تو ٹھیک ورنہ پھر میاں صاحب کی قدم بوسی کے لئے ان کے دربار میں حاضری دوں گا۔''

دوسرے روز سے میں نے پھر ملازمت کے سلسلے میں بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ جہاں جہاں بھی ذہن نے مشورہ دیا' درخواست گزار دی۔ مجھے توقع تھی کہ کہیں نہ کہیں قسمت ضرور یاوری کرے گی لیکن ایک ہفتے تک متواتر صبح سے شام تک ادھر ادھر بھاگنے پھرنے کے باوجود ملازمت نہ ملی۔ اکبر برابر میری دلجوئی کرتا اور ہمت بڑھاتا رہتا۔ میاں صاحب سے مل لینے کے بعد میرے خیالات بڑی حد تک بدل گئے تھے۔ میں نے طے کیا تھا کہ اب محنت مزدوری کر کے ایماندرانہ زندگی گزاروں گا۔ مگر ایک روز ایسا واقعہ پیش آیا جس نے میری زندگی کا رخ پھیر دیا، میں ایک بار پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے جس کے پاس دولت ہے اور دولت کے ساتھ طاقت بھی۔ غریب انسانوں کو اس جہاں میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔

اس روز کپڑے کے ایک بیوپاری نے ترس کھا کر مجھے اپنا حساب کتاب لکھنے اور دکان پر تھوڑا بہت کام کرنے پر ملازم رکھ لیا تھا۔ تنخواہ پچھتر روپے مجھ تنہا آدمی کے لئے کافی تھے۔

دن بھر میں بڑی تندہی سے دکاندار کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ شام ہوئی تو اس نے مجھے کچھ کاغذات دے کر کہا میں ان کا اندراج بہی کھاتے میں کروں۔ میں اس کے حکم کی تعمیل میں رجسٹر لے کر بیٹھ گیا اور سنبھال سنبھال کر کاغذات کا اندراج کرنے لگا۔ ابھی میں اپنے کام میں منہمک تھا کہ میری قوت سماعت سے ایک جانی پہچانی آواز ٹکرائی۔ پلٹ کر دیکھا تو میرا سب سے بڑا دشمن بیرسٹر راشد حسین جس کی وجہ سے میں اس حالت کو پہنچا تھا، بیٹھا دکان کے مالک سے کسی مقدمے کی بات کر رہا تھا۔ میری اور راشد حسین کی نظریں چار ہوئیں تو میرے زخم تازہ ہو گئے۔ میرا دل چاہا کہ اٹھوں اور اٹھ کر اس موذی کا خون کر دوں جس نے میری زندگی سے تمام خوشیاں چھین لی تھیں مگر مجھے محسوس ہوا جیسے اس اقدام سے کسی نے مجھے روک لیا ہو۔ میں حقارت سے منہ پھیر کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ راشد حسین نے مجھے ایک طویل عرصے کے بعد دیکھا ہے اس لئے شناخت نہ کر سکا ہوگا لیکن راشد حسین نے مجھے نہ صرف دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد دکان کے مالک نے مجھے آواز دے کر بلایا اور مجھ سے نفرت انگیز لہجے میں مخاطب ہوا۔

''یہ جو بیرسٹر ابھی میرے پاس بیٹھے تھے کیا تم انہیں جانتے ہو؟''

''ان کا نام بیرسٹر راشد حسین ہے کسی زمانے میں ان ہی کے محلے میں رہا کرتا تھا.....''

''تم نے راشد حسین کے ہاں ملازمت بھی کی تھی کیوں؟''

''جی ہاں۔''

''اس کے بعد کیا ہوا تھا؟'' دکان کے مالک نے نفرت وحقارت سے پوچھا۔

''میں نے کچھ دنوں بعد ان کی ملازمت چھوڑ دی تھی۔''

'' بکواس کرتے ہو۔ دکاندار نے گرج کر کہا تم نے بیرسٹر کے ہاں چوری کی تھی۔ اس کی لڑکی کا سارا زیور پار کر دیا تھا جس کے عوض تمہیں سات سال تک جیل کی سیر کرنی پڑی تھی۔''

''یہ سب جھوٹ ہے۔'' میں احتجاجاً چیخ اٹھا۔ ''راشد حسین نے میرے اوپر جھوٹا کیس بنایا تھا۔''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے اور اگر پھر کبھی دکان کے سامنے نظر آئے تو اچھا نہ ہوگا۔''

میرا دل تو بہت چاہا کہ اس ساہوکار کے بچے کو کھری کھری سنا دوں، ملازمت تو بہر حال چھوڑنی تھی لیکن خیال کر کے کہ بات بڑھانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا میں اپنا سا منہ لے کر وہاں سے چلا آیا۔ پھر ایک بار میرا جی اس دنیا کو آگ لگانے کو چاہا، میں قتل عام کرنا چاہتا تھا۔ میرے سینے کے تمام زخم جو وقت نے رفتہ رفتہ رفو کر دیئے تھے ایک بار پھر ہرے ہو کر رسنے لگے۔ میں نے خود اپنے آپ سے کہا۔

''شاہد علی! اگر تم دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہو تو اس کے لئے تمہیں اپنی روش بدلنی ہوگی۔ تمہارا ماضی ہمیشہ تمہارے حال پر اسی طرح اثر انداز ہوتا رہے گا۔ تم جہاں بھی جاؤ گے جس سے بھی ملازمت کی درخواست کرو گے وہ تم سے تمہاری سابقہ زندگی کے بارے میں ضرور دریافت کرے گا۔ تم اپنے ماضی کو آخر کب تک اور کس کس سے چھپاتے رہو گے۔ وقت اور حالات کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ دنیا والوں کو جو خوشیاں اور نعمتیں میسر ہیں ان میں تمہارا بھی حصہ ہے لیکن تمہیں اپنا حصہ حاصل کرنے کے لئے اپنے تیور بدلنے ہوں گے۔ دولت اور طاقت کے حصول کے لئے تمہیں ہر اقدام کرنا ہوگا۔ لوہے پر لوہے سے ضرب دینا ہوگا۔ ورنہ تم یوں ہی گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گے۔''

میرا ذہن مجھے کچوکے لگاتا رہا، ماضی کی تلخ یادیں مجھے جھنجھوڑتی رہیں۔ اور پھر..... میں نے ایک اہم فیصلہ کر لیا۔ میں نے طے کر لیا کہ میں دنیا والوں سے اپنے حصے کی خوشیاں زبردستی چھین لوں گا، لیکن اس انداز میں کہ انہیں اس کا احساس نہ ہو سکے۔ گھر پہنچ کر جب میں نے اکبر حسین کو حالات سے آگاہ کیا تو اسے بھی صدمہ ہوا۔ مجھے سمجھانے کے لئے بچوں کی طرح اس نے طرح طرح کی دلیلیں پیش کیں مگر میں نے ان نصیحتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا۔ اب میں نے عزم مصمم کر رکھا تھا کہ اپنی متعین کردہ راہوں پر کوئی قدم اٹھانے سے پیشتر ایک بار میاں صاحب سے ضرور ملوں گا۔

رات بھر میں نے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا اور بے چینی سے جاگتا رہا۔ صبح ہوئی تو میں نے ناشتہ کیا اور میاں صاحب سے ملنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ اکبر کو میں نے نہ تو اپنے فیصلوں سے مطلع کیا تھا نہ ہی اسے یہ بتایا کہ میں کہاں جا رہا ہوں میرا یہ فیصلہ تھا کہ میں آخری بار میاں صاحب کی قدم بوسی کرنے کے بعد چپ چپاتے اس شہر سے کہیں دور چلا جاؤں گا اور نئے سرے سے اپنی زندگی گزاروں گا۔

میاں صاحب کی کوٹھری کے باہر حسب معمول عقیدت مندوں کا ہجوم تھا میں ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گیا۔ شام کو کوئی پانچ بجے میری باری آئی۔ میں سر جھکائے اندر داخل ہوا۔ بھوک پیاس سے میرا برا حال ہو رہا تھا۔ ذہن کو پریشان خیالات نے پراگندا کر رکھا تھا لیکن جیسے ہی میں نے کوٹھری میں قدم رکھا، لوبان کی خوشبو نے میرے دل و دماغ کو تازہ کر دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے ذہن کی پریشانیاں چھٹ گئی ہوں۔ میں بڑی عقیدت سے آگے بڑھا اور میاں صاحب کو سلام کر کے ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''آج کس لئے آئے ہو میرے پاس؟''

میاں صاحب کی آواز سن کر میں نے نظر اونچی کی تو لرز اٹھا۔ ان کی آنکھوں میں آج پھر وہی جلالی کیفیت موجود تھی جو میں ایک بار پہلے بھی چھپ کر دیکھ چکا تھا۔ آنکھیں دہکتے انگاروں کی مانند سرخ ہو رہی تھیں اور جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ چہرے پر شدید غصے کے تاثرات نمایاں تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ میاں صاحب جو پچھلی ملاقات میں بڑی نرمی سے پیش آئے تھے آج مجھ سے اس قدر ناراض کیوں ہیں۔ ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ میاں صاحب نے دوبارہ مجھے خوف ناک نظروں سے گھورتے ہوئے کڑک کر پوچھا۔

''مردود کس لئے آیا ہے میرے پاس؟''

''میاں صاحب میں اس شہر سے جا رہا ہوں، آخری بار آپ کا دیدار کرنے حاضر ہوا ہوں۔'' میں نے بڑی آہستگی سے جواب دیا تو میاں صاحب تلملا کر بولے۔

''بزدل! انسانوں سے ڈرنے کے بجائے خدا سے ڈر کیوں اپنی مٹی پلید کر رہا ہے بیہودے۔''

میں خاموش رہا تو میاں صاحب نے جھلا کر کہا۔

''اندھا ہو گیا ہے' کیا دولت کی ہوس نے تجھے بھی اندھا کر دیا۔ ارے مردود تجھے خوش ہونا چاہئے تھا کہ خدا نے تجھ کو اپنے نیک بندوں میں شمار کر کے پریشانیاں بخش دیں۔ اگر تو پہلے ہی قدم پر ڈگمگا گیا تو آگے چل کر کیا کرے گا۔''

میں نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا سر جھکائے بیٹھا رہا تو میاں صاحب چیخ کر بولے۔

''احسان فراموش، جہنمی۔ بول کتنی دولت چاہئے تجھے اگر خود کو برباد کرنے کے درپے ہے تو میں تجھے اتنی دولت دے سکتا ہوں کہ تو اپنی تمام زندگی کسی کوٹھی میں بڑے آرام سے گزار دے۔ جواب دے اومستانے، عیاشی کرنے کی ٹھانی ہے، چوری اور ڈکیتی کرے گا؟ کیا حرام کے مال سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرے گا؟''

میاں صاحب کے لہجے میں نہ جانے وہ کون سا جادو تھا کہ میں موم کی طرح پگھل گیا۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ میں بے اختیار اٹھا اور میاں صاحب کے پاؤں پکڑ لئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کوٹھری میں صرف میرے رونے کی آواز ابھر رہی تھی۔ میاں صاحب کے ہاتھ تیزی سے تسبیح کے دانوں پر چل رہے تھے۔ کچھ دیر تک وہ جلالی کیفیت میں اپنا سر جھٹکتے رہے پھر انہوں نے پُرسکون ہو کر سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور نرم آواز میں مخاطب ہوئے۔

''شاہد علی مت گھبراؤ' عزیزم! دیر ہے اندھیر نہیں۔اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔وہ جب رسی کھینچتا ہے تو بڑے بڑے ظالم تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔تمہیں وقت کا انتظار کرنا ہوگا میرے بچے، وقت کا انتظار! خود کو سنبھالو۔''

میرے اوپر رقت کا عالم طاری تھا۔مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی حقیر تنکے کی طرح تیز و تند موجوں پر بہا جا رہا ہوں۔میں میاں صاحب کے قدموں میں پڑا سسک رہا تھا۔انہوں نے مجھے پیار سے مخاطب کیا تو میری ہچکی بندھ گئی۔میاں صاحب مجھے نصیحت کرتے رہے۔جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے ڈبڈبائی ہوئی نظریں اٹھا کر ان کے نورانی چہرے کو بڑی پُر امید نظروں سے دیکھا اور بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میاں صاحب مجھے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دے دیجئے۔میں تمام عمر آپ کی خدمت کرتا رہوں گا۔مجھے دنیا والوں سے نفرت ہوگئی ہے۔میں اس ماحول میں واپس نہیں جانا چاہتا جہاں میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔مجھے اپنے قدموں میں رکھ لیجئے میاں صاحب! اگر آپ نے میری التجا نہ قبول کی تو میں برباد ہو جاؤں گا۔''

میاں صاحب میری اس اچانک درخواست پر ششدر رہ گئے۔مجھے کچھ دیر تک گھورتے رہے پھر آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلے گئے۔بڑی دیر تک وہ اسی حالت میں بیٹھے رہے۔دوبارہ آنکھ کھولی تو ان کی آنکھوں میں حسرت بھری ہوئی تھی۔مجھے سپاٹ نظروں سے گھور کے قدرے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اللہ کو جو منظور ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔تم اگر میرے پاس رہنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن تمہیں سچے دل سے مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔''

''میں آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔''میں نے جلدی سے کہا۔

''تم یہاں رہو گے تو میرے ہر کام اور عمل سے واقف ہوتے رہو گے لیکن اگر تم نے اس کا تذکرہ کسی اور سے کیا تو تمہارے حق میں بہت برا ہوگا۔''

میں نے فوری طور پر ہامی بھر لی پھر کچھ دیر بعد میاں صاحب سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے ان کے کوٹھری نما حجرے سے باہر آ گیا۔میاں صاحب کے قدموں میں زندگی گزارنے کی اجازت مل جانے کے بعد مجھے جس روحانی مسرت کا احساس ہو رہا تھا اس کا بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے۔میں خوشی خوشی گھر کی سمت واپس جا رہا تھا کہ معاً میرے ذہن میں ایک خیال بڑی تیزی سے ابھرا۔''اگر میاں صاحب کے پاس رہ کر میں روحوں کو قبضے میں کرنے کا عمل سیکھ لوں تو مجھے دنیا کے تمام آرام اور تمام آسائشیں میسر آ سکتی ہیں۔میں راشد حسین کے علاوہ ان تمام لوگوں سے اپنا انتقام لے سکتا ہوں جنہوں نے مجھے کمزور سمجھ کر میرے اوپر ظلم و ستم توڑے ہیں۔''میرے قدم الٹے سیدھے پڑ رہے تھے۔

میں اسی وقت دوڑتا ہوا گھر پہنچا اور اکبر کو بتایا کہ میاں صاحب نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔اکبر کو یقین نہیں آتا تھا۔آج تک میاں صاحب کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو رہنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی۔شام ہوتے ہی ان کا رشتہ ساری دنیا سے منقطع ہو جاتا۔میں نے اکبر سے کہا۔''تم خود میرے ساتھ چلو اور دیکھ لو۔''

اس نے جواب میں میرا مختصر سا سامان اٹھایا اور ہم دونوں شام سے پہلے ہی پہاڑی پر پہنچ گئے۔ اکبر نے مجھے بھینچ بھینچ کر رخصت کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، وہ آنسو جن میں میرے لئے بڑی حسرتیں تھی، امنگیں تھیں اور اعتماد تھا اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ مجھ سے ملنے کے لئے پہاڑی پر آتا رہے گا اور اس نے مجھے ہدایت کی کہ اب میرا کام میاں صاحب کی خدمت کرنا اور وہ روحانی سعادتیں سمیٹنا ہوگا جن سے اب تک اس علاقے کا ہر شخص محروم رہا تھا۔ کئی لوگوں نے میاں صاحب کے ساتھ رہنے کی درخواست کی تھی مگر میاں صاحب نے اپنی تنہائی کی زندگی میں کسی بھی شخص کی مداخلت پسند نہیں کی۔ یہ واقعی بہت حیرت انگیز بات تھی کہ میاں صاحب نے مجھے منتخب کر لیا تھا۔

میرا عالم عجیب تھا جس وقت میں نے اکبر کو رخصت کیا اور میاں صاحب کے نیم پختہ مکان کی طرف قدم بڑھائے تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے اندر کوئی وزن نہیں ہے۔ میں نے ایک عجیب سرور کی لہر اپنے جسم میں دوڑتی محسوس کی۔ میں نے محسوس کیا جیسے میں اب محفوظ ہوں اور باہر کی دنیا کا کوئی شخص مجھے پریشان کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ سکون اور سرور کی زندگی میری منتظر ہے۔ اس وقت میرے باغیانہ خیالات بھی ختم ہو گئے تھے۔ میں نے پہاڑی کے نیچے دور نظر آنے والی آبادی کو بے نیازی سے دیکھا اور آئندہ زندگی میں نیکیوں اور سچائیوں کا عزم لے کر آگے بڑھا۔ دروازے پر ہی مجھے میاں صاحب کی آواز سنائی دی۔

''آجاؤ شاہد میاں!''

میں نے اپنا سامان دروازے پر چھوڑا اور والہانہ انداز میں میاں صاحب کے پیروں پر گر گیا۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے۔ ''خدا کا سایہ تم پر ہو تم حق کے امین رہو۔ میرے بچے یہ نفس بڑا ظالم ہے۔ اسے قربان کرو اور ماضی کو فراموش کر کے ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔''

وہ پہلی شام جو میں نے اس پہاڑی پر گزاری میری زندگی کی ناقابل فراموش شام تھی۔ جب میاں صاحب کے ارادتمند ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے اور روشنیاں سورج کے ساتھ غروب ہو گئیں تو میں نے دیکھا سیاہی اور خاموشی کی ایک پُراسرار چادر اس جزیرہ نما پہاڑی پر تن گئی ہے۔ مگر اس شام مجھے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔ میں نے اس خاموشی میں اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ جیسے کوئی قیدی جیل سے باہر آنے کے بعد آزادی کی مہک محسوس کرتا ہے۔ کچھ یہی میرا حال تھا۔ اس پہاڑی پر میاں صاحب کا راج ہے۔ یہ میاں صاحب کی حکمرانی کا علاقہ ہے۔ یہ دنیا ایک علیحدہ دنیا ہے اور میں میاں صاحب کا مقرب خاص ہوں۔ میں بھی اس علاقے کا مالک ہوں۔ میں خوشی میں جھومتا پہاڑی کے ان گوشوں کی طرف جانے لگا جہاں گھنے درخت تھے اور گہری تاریکی تھی۔ میں اپنا پورا علاقہ آج کی رات دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ خاصی بڑی اور سرسبز پہاڑی تھی۔ دور تک درخت ہی درخت تھے۔ ایک چھوٹا سا گھنا جنگل یہاں آباد تھا۔ میں درختوں کے ایک جھنڈ سے گزر رہا تھا کہ ایک بھاری آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''خوش آمدید السلام علیکم!''

اس ویرانے میں یہ آواز کہاں سے آئی۔ میں دہشت زدہ ہو گیا مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔ مجھے خیال آیا کہ میاں صاحب کے علاقے میں کھڑا ہوں، جہاں کی باتیں عام آدمی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے قدرے جرأت سے جواب دیا۔

''وعلیکم السلام۔ مگر آپ ہیں کہاں؟''

''میں تمہارے سامنے ہوں شاہد میاں ہماری ملاقات ہو چکی ہے۔''

میں نے دیکھا کہ میرے سامنے وہی بزرگ کھڑے تھے جنہوں نے رات کو جب میں چوری چھپے تاک جھانک کے ارادے سے اس پہاڑی میں داخل ہوا تھا تو مجھے واپس جانے کی تلقین کی تھی۔ وہ اب مسکرا کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگایا۔ ''شاہد میاں تم بہت خوش قسمت ہو کہ میاں صاحب نے اپنی غلامی میں تمہیں قبول کر لیا۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

''شکریہ آپ کا۔ مگر کیا آپ مجھے یہ نہیں بتائیں گے کہ آپ کون ہیں ہمارا تعارف تو ہوا ہی نہیں اب میں کوئی غیر تو نہیں۔''

قطعاً نہیں میرا نام ابوالحسن ہے اور میں میاں صاحب کے غلاموں میں سے ایک ہوں۔'' بزرگ نے کہا۔

''مگر میں نے آپ کو میاں صاحب کے قریب نہیں دیکھا؟''

''میں میاں صاحب کے قریب ہی رہتا ہوں صرف میں ہی نہیں بہت سے دوسرے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے۔ ان سب سے میں تمہیں ملواؤں گا شاہد میاں۔ تم سب کچھ جان جاؤ گے خدا کے مظاہر دیکھنے کے لئے یہ آنکھیں ناکافی ہیں جو تمہارے پاس ہیں۔ تمہیں اپنے دل اور ذہن کی آنکھیں روشن کرنا پڑیں گی پھر تم بہت کچھ دیکھنے پر قادر ہو جاؤ گے۔ مجھے یقین ہے کہ میاں صاحب کی ایک نگاہ کرم تمہاری ناتواں بصارت کو روشن کر دے گی۔ تم طلب کس طرح کرتے ہو اور تمہاری طلب میں جذبہ کس قدر ہے یہ سب اسی پر منحصر ہے۔'' بزرگ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''آؤ میں تمہیں اس پہاڑی کی سیر کراؤں۔''

میں حیران و ششدر کسی معمول کی طرح ان کے ساتھ ہو لیا۔

اور میں نے ایک دوسری دنیا دیکھی۔ وہ دنیا جس کا تصور بھی میں نہیں کر سکتا تھا۔ ابوالحسن ایک بزرگ جن تھے اور ان کی دنیا اس دنیا سے مختلف تھی۔

پر اسرار خزانہ

پُر اسرار خزانہ..... کہانی ہے ایک حیرت و اسرار میں ڈوبی ہوئی رومانوی داستان کی، جسکا آغاز ہزاروں سال قبل ٹیکسلا (پاکستان) کے محلات (آج کے کھنڈرات) میں ہوا اور اختتام تبت کے پر اسرار جنگلوں اور پہاڑوں میں۔ یہ کہانی گھومتی ہے انسانی محبت اخلاص اور ہمدردی کے جذبات کے گرد، اور اسے سنگین بناتی ہے انسان کی لالچ، طمع اور خود غرضی کے جذبے۔ ایک بے قرار، بھٹکتی رُوح کو سکون اور چین دینے کے لیے کیے گئے دشوار گزار سفر کی داستان، جس میں کچھ لوگوں کے پیش نظر ایک بیش بہا خزانہ بھی تھا۔ پُر اسرار خزانہ کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

میاں صاحب کے یہاں رہتے ہوئے مجھے چھ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔اس مدت میں' میں نے میاں صاحب کو بہت قریب سے دیکھا۔ان کے بارے میں جو روائتیں مشہور تھیں وہ حقیقت کا عشر عشیر بھی نہیں تھیں۔میرا عمل دخل ان کے حجرے میں روز بروز زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔میں یکسر بدل چکا تھا میں اب کسی دوسری دنیا کا شخص معلوم ہوتا تھا میری داڑھی بڑھ گئی تھی اور لباس بہت معمولی تھا۔میں نے میاں صاحب کے حجرے میں جو عجیب وغریب اور حیرت انگیز مناظر دیکھے۔وہ ساری دنیا کو ٹھکرا دینے کے لئے کافی تھے۔میاں صاحب کے حجرے کے اندر پنجرے میں بند طوطوں سے میری خاصی شناسائی ہو چکی تھی۔مگر میاں صاحب کا رویہ ان طوطوں سے ہمیشہ کھنچا کھنچا سا رہتا۔رات ہوتی تو اس کمرے میں مختلف قسم کی آوازیں گونجنے لگتیں۔میاں صاحب روحوں کے ایک پرے سے ہمکلام ہوتے۔وہ جب چاہتے کسی بھی روح کو طلب کر لیتے اور اس سے گھنٹوں ہمکلام رہتے۔روحوں کو طلب کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں عملیات میں بھی ید طولی حاصل تھا۔وہ اپنے عقیدت مند کی ضرورت دیکھ کر اس کا مدعا خود بیان کر دیتے تھے۔ان کے اردگرد اجنہ کا ہجوم تھا ابوالحسن اس ہجوم میں سب سے زیادہ برگزیدہ شخص سمجھے جاتے تھے۔رفتہ رفتہ اجنہ سے میری قربت کچھ اس طرح ہو گئی تھی جیسے میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔اب میں انہیں دیکھ سکتا تھا یا وہ خود اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے کہ میری نظروں سے اوجھل رہیں۔ابوالحسن کی مجھ پر خاص شفقت کی نظر تھی وہ مجھے اکثر پہاڑی کے سنسان اور گھنے درختوں والے تاریک گوشے میں لے جاتے جہاں اجنہ کی قیام گاہوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔میاں صاحب کا رفیق ہونے کے سبب وہ سب میرا احترام کرتے تھے۔ابوالحسن کی نوجوان اور حسین وجمیل لڑکی درشہوار کو اگر کوئی انسان دیکھ لیتا تو اس کے ہوش جاتے رہتے۔وہ سراپا حسن لڑکی میرے سامنے آتی تھی مگر میں ایک بے نیاز شخص تھا۔میں پاگل نفس کو مار چکا تھا اور میں اپنے بچے کھچے سرکش نفس کو آلائشوں سے پاک کرنے کی فکر میں تھا۔نفس کی پاکیزگی ہی سے..... میں میاں صاحب سے کچھ حاصل کر سکتا تھا۔

میاں صاحب کے حجرے کے سامنے صبح سے عصر تک عقیدت مندوں اور ضرورت مندوں کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا۔میاں صاحب سب کی باتیں اطمینان سے سنتے لیکن صرف اس کے حق میں دعا کرتے جو حقیقتاً ضرورت مند ہوتا۔دوسروں کو وہ دلاسہ دے کر رخصت کر دیتے تھے۔مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میاں صاحب روشن ضمیر تھے۔وہ اس کے سوا بھی بہت کچھ تھے۔اس کا اندازہ میری اس سرگزشت پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی ہو جائے گا۔ان کے عقیدت مندوں میں مزدوروں سے لے کر بڑے بڑے رؤسا اور اعلیٰ حکام تک شامل تھے لیکن جہاں عصر کی اذان ہوتی' سارا مجمع کائی کی طرح چھٹ جاتا۔مغرب کے بعد یہاں بھٹکتی روحوں اور جنوں کا قبضہ ہو جاتا۔یہ ساری جگہ پُراسرار ہو جاتی۔مجھے ابوالحسن، درشہوار اور دوسرے جن نظر آنے لگتے۔رات کو میاں صاحب کی ہو حق کی آواز اور صدائے الا اللہ اس قدر زور سے بلند ہوتی کہ پوری پہاڑی تھرتھرا جاتی۔

میں نے اس تمام عرصے میں ایک سچے عقیدت مند اور خادم کی حیثیت سے میاں صاحب کی خدمت کی اور ان کی ضرورت کا خیال رکھا۔میں سونے سے پہلے ان کے پیر دباتا۔پنجرے میں بند خبیث طوطا مجھے چھیڑتا کہ میں اور زور سے پاؤں دابوں۔میاں صاحب اس شرارت پر اسے ڈانٹ دیتے اور وہ سہم جاتا لیکن چھ ماہ کے اس عرصے میں میاں صاحب نے نہ تو مجھے کوئی عمل سکھایا اور نہ ہی میں روحوں کو طلب کرنے کا وہ راز جان سکا جو اس جگہ کا سب سے حیران کن مظہر تھا۔ہر چند کہ میاں صاحب کے تمام کرشمے اور معجزے میرے سامنے رونما ہوتے تاہم میں ان کی گرد کو

نہ پہنچ سکا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ابھی ماضی کے کسی انتقامی جذبے سے آلودہ تھا بہر حال ایک دن مجھے خود کو سنبھالنا پڑا۔

ہوا یہ کہ ایک روز میں حسب معمول رات کے وقت میاں صاحب کے پاؤں دبا رہا تھا۔ میاں صاحب اپنی کھری چارپائی پر آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ سو چکے ہوں گے۔ اس لئے کچھ دیر بعد میں آہستہ سے اٹھا اور اپنے بستر پر آ گیا جو میں نے میاں صاحب کے پائینتا نے ایک کنارے لگا دیا تھا۔ ابھی میں بستر پر لیٹ کر کمر سیدھی بھی نہ کرنے پایا تھا کہ میاں صاحب کی زوردار حق اللہ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ وجد کی حالت میں وہ ہمیشہ حق اللہ کے نعرے بلند کیا کرتے تھے۔ سوتے میں بھی ان کا ورد جاری رہتا اور حق اللہ' حق اللہ' کی مدھم آواز ابھرتی رہتی تھی لیکن اس وقت میاں صاحب کی زوردار حق اللہ کی آواز اتنی تیز تھی کہ میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو میاں صاحب چارپائی پر بیٹھے نظر آئے۔ ان کا چہرہ جو زیادہ تر پُرسکون رہتا تھا اس وقت غیظ و غضب کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا' کپکپاتی ہوئی انگلیاں تسبیح کے دانوں پر بڑی تیزی سے چل رہی تھیں اور انگاروں کی مانند دہکتی ہوئی آنکھیں سامنے جھونپڑی کے دروازے پر مرکوز تھیں۔

میں خاموش بیٹھا میاں صاحب کے چہرے کو تکتا رہا۔ جلال کی حالت میں پہلے بھی کبھی میں نے ان سے مخاطب ہونے کی ہمت نہیں کی تھی۔ کچھ دیر تک میاں صاحب اسی حالت سے دوچار رہے پھر اچانک انہوں نے نظریں گھما کر میری سمت دیکھا اور کرخت آواز میں بولے ''مردود ناہنجار خدا نے چاہا تو تیرا انجام بڑا عبرتناک ہوگا۔''

میں بری طرح سٹپٹا گیا۔ میاں صاحب کے غصے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ آج سے پیشتر انہوں نے کبھی اس انداز میں مجھ سے کوئی بات نہیں کہی تھی۔ ہمیشہ اولاد کی طرح مجھ سے محبت سے پیش آتے تھے چنانچہ میرا بوکھلا جانا یقینی بات تھی۔ ابھی میں حیرت سے دوچار تھا کہ میاں صاحب کے ہونٹوں کو دوبارہ جنبش ہوئی اور وہ اسی جلالی حالت میں بولے۔

''آ میرے پاس آ، میں تجھے بتاؤں گا کہ تیری حقیقت کیا ہے اتنی جلدی اپنی اوقات بھول گیا۔''

میاں صاحب کا دوسرا جملہ سن کر میں پسینے میں ہانپتا کانپتا اٹھا اور ان کے سامنے دوزانو ہو گیا۔ لیکن میاں صاحب کی نظریں بدستور اسی جانب جمی ہوئی تھیں جہاں میں پہلے بیٹھا تھا۔ ان کی پلکوں کو ایک معمولی سی جنبش بھی نہیں ہوئی۔ ان کے ہاتھ بڑی تیزی سے کانپ رہے تھے پورا چہرہ مارے غصے کے اتنی شدت سے جھٹکے کھا رہا تھا جیسے اس میں برقی رو دوڑ رہی ہو۔ میں نے ڈرتے ڈرتے زبان کھولی۔

''میاں صاحب اگر مجھ سے کوئی بھول ہو گئی ہے تو میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔''

''مظلوم کی آہ کبھی خالی نہیں جائے گی۔ تیرا اقتدار اب وقتی ہے۔'' میاں صاحب میری سمت متوجہ ہوئے بغیر کہتے رہے۔ ''میرے پاس مدد کے لئے مت آنا نابکار! میرے پاس نہ آنا۔''

میری سمجھ میں خاک نہیں آ رہا تھا کہ میاں صاحب یہ باتیں مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں۔ میں حیرت و استعجاب کی کیفیت سے دوچار کھڑا پھٹی پھٹی نظروں سے میاں صاحب کو دیکھتا رہا۔ معاً میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں میاں صاحب کو میرے دل کا بھید تو نہیں معلوم ہو گیا جو مجھے سرزنش کر رہے تھے۔ خوف اور دہشت کی لہر اٹھی تو میں سرتاپا لرز اٹھا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر میاں صاحب کے

قدم تھام لئے اور گڑگڑا کر بولا۔

''میاں صاحب خدا کے لئے مجھے بددعا نہ دیجئے۔ حالات نے منزل کا نشان مجھ سے چھین لیا ہے۔ میں مجبور اور بے بس ہوگیا ہوں۔ میرے والدین کی بے چین روحیں مجھے اس بات کا احساس دلاتی رہتی ہیں کہ ان پر ظلم توڑے گئے ہیں۔ میری بہن کی کربناک چیخیں مجھ سے اپنا حق مانگ رہی ہیں۔ میاں صاحب مجھ پر بڑے ظلم ہوئے ہیں مگر آپ خدا کے لئے مجھے اپنی عنایتوں سے محروم نہ کیجئے۔''

میں روتا رہا اور گڑگڑاتا رہا مجھ پر رقت کا عالم طاری تھا۔ نظریں نیچی کئے اور میاں صاحب کے قدم تھامے' میں نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ مجھے ہوش نہیں تھا۔ دوبارہ میں اس وقت چونکا جب میں نے میاں صاحب کے شفیق ہاتھوں کو اپنے سر پر محسوس کیا۔ گھبرا کر نظریں اوپر کیں تو میاں صاحب مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اب نہ ان کے چہرے پر وہ پہلی جیسی سرخی تھی' نہ آنکھوں سے حقارت اور نفرت جھلک رہی تھی۔ وہ بے حد پُرسکون نظر آرہے تھے۔ مجھے رحم طلب اور ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے اپنی طرف متوجہ پایا تو بڑی حلاوت سے مخاطب ہوئے۔

''کیا بات ہے شاہد علی تم رو کیوں رہے ہو؟''

''میاں صاحب آپ جو چاہیں مجھے سزا دے لیں لیکن خدارا مجھے اپنے قدموں سے دور نہ کریں' نہیں تو میں برباد ہو جاؤں گا۔ مجھے آپ کی بددعا کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میاں صاحب مجھے معاف کر دیجئے۔''

''شاہد علی کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔'' میاں صاحب نے بڑی محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''میں اور بھلا تمہارے لئے بددعا کروں گا۔''

''لیکن ابھی تو آپ!''

''اوہ!'' اچانک میاں صاحب نے دروازے کی طرف تکتے ہوئے جواب دیا ''تم غلط سمجھے شاہد..... وہ باتیں تمہارے لئے نہیں تھیں۔''

''جی!'' میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اگر میاں صاحب نے وہ باتیں مجھ سے نہیں کہی تھیں۔ تو پھر کس سے کہی تھیں؟ کیا وہ کسی اور سے مخاطب تھے؟ مگر اس وقت وہاں ہمارے سوا کوئی اور تو موجود نہیں تھا۔ میں ابھی ان باتوں پر غور کر ہی رہا تھا کہ میاں صاحب نے کہا۔

''ابھی تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گے۔ رفتہ رفتہ سب جان جاؤ گے جلد بازی اچھی چیز نہیں' صبر کرو' جاؤ اب سو رہو۔ رات زیادہ ہوگئی ہے۔''

میں خاموشی سے اٹھا اور آنسو پونچھتا اپنے بستر پر جا کر لیٹ رہا۔ میاں صاحب کی محبت آمیز گفتگو نے میرے دل کا خوف دور کر دیا تھا لیکن میں بدستور یہی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کون تھا جسے میاں صاحب اتنی حقارت سے سرزنش کر رہے تھے کافی دیر تک میں اس بات پر غور کرتا رہا پھر میری آنکھ لگ گئی۔ مگر دوسرے روز وہ بات میری سمجھ میں آگئی جس نے مجھے گزشتہ رات پریشان کر رکھا تھا۔

حسب دستور اس روز بھی صبح ہی سے میاں صاحب کے حجرے کے سامنے عقیدت اور ضرورت مندوں کا ہجوم جمع ہونا شروع ہوگیا تھا اور میاں صاحب ان کی تسلی تشفی اور خیر و برکت کے کاموں میں مصروف تھے۔ میں ہمیشہ کی طرح میاں صاحب کے قریب زمین پر بیٹھا ان کے پاؤں آہستہ آہستہ دبا رہا تھا کہ باہر سے تیز تیز چہ میگوئیوں کی آوازیں ابھرنی شروع ہوئیں۔ میاں صاحب جو کچھ دیر پیشتر تک پُرسکون بیٹھے تھے یکلخت

سنجیدہ ہوگئے۔ مجھے مخاطب کر کے بولے۔

''شاہد علی جاؤ اس مردود کو اندر بلا لاؤ وہ باز نہیں آیا۔ حالانکہ میں نے اسے کل رات یہاں آنے کے لئے منع کیا تھا۔ جاؤ اسے لے آؤ۔ اس کے پاس وقت کم ہے' وہ مجھ سے ملنے کے لئے انتظار کی زحمت برداشت نہیں کرسکتا۔ میں بھی اسی کا منتظر تھا۔''

میاں صاحب نے ہر چند کہ بلانے والے کے بارے میں مجھے کوئی اشارہ نہیں دیا تھا پھر بھی میں خاموشی سے اٹھا اور باہر آ گیا جہاں عقیدت مندوں کا ہجوم موجود تھا۔ باہر نکلتے ہی میری نظر سب سے پہلے جس شخص پر پڑی وہ پولیس کا کوئی ایس پی تھا۔ باوردی ہونے کی وجہ سے میں نے اس کے عہدے کو جان لیا تھا۔ ایس پی کے ساتھ دو سپاہی بھی موجود تھے۔ معاً میرے ذہن میں میاں صاحب کی رات والی کیفیت ابھری تو میں کچھ سوچ کر ایس پی کے قریب گیا اور بولا۔

''کیا آپ میاں صاحب سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے ہیں؟''

''ہوں۔'' ایس پی کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بڑی سخت گیر طبیعت کا مالک ہے مجھے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے بولا۔ ''تم کون ہو؟''

''میں میاں صاحب کا ادنیٰ خادم ہوں جناب۔''

''جاؤ' میاں صاحب کو اطلاع کر دو کہ ایس پی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''کیا آپ کچھ دیر انتظار نہیں کر سکتے۔'' میں نے دبی زبان میں دریافت کیا تو ایس پی درشت لہجے میں بولا۔

''بکومت! جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ کرو۔ میاں صاحب سے کہنا مجھے جلدی ہے' ذرا جلدی وقت دے دیں۔''

''بہتر ہے۔'' میں نے ایس پی پر ایک نظر ڈالی اور کہا۔ ''تشریف لے چلئے' میاں صاحب کو آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔''

سپاہیوں نے ایس پی کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میں نے انہیں منع کر دیا اور صرف ایس پی کو ساتھ لئے اندر داخل ہوا۔ میاں صاحب کی نظریں دروازے ہی کی سمت تھیں۔ ایس پی نے نظریں چار ہوتے ہی جلدی سے میاں صاحب کو سلام کیا پھر آگے بڑھ کر بڑے انکسار کے ساتھ ان کے سامنے فرش پر بچھی ہوئی میلی دری پر بیٹھ گیا۔ میاں صاحب کی نظریں برابر اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں سامنے سے ہٹ کر میاں صاحب کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ آج کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔

''میاں صاحب!'' ایس پی نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ ''میں آپ کی خدمت میں بڑی امیدیں لے کر حاضر ہوا ہوں۔''

''کہو کیا کہنا ہے؟'' میاں صاحب نے سرد مہری سے جواب دیا۔

ایس پی صاحب نے میری طرف نظریں اٹھائیں۔ میں بھانپ گیا کہ وہ میاں صاحب سے تخلئے میں کوئی راز کی بات کہنا چاہتا ہے اس لئے میری موجودگی اسے پسند نہیں۔ میں نظریں جھکا کر جانے کے ارادے سے آگے بڑھا تو میاں صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے منع کر دیا اور ایس پی سے خشک لہجے میں بولے۔

''یہ میرے بھروسے کا آدمی ہے تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو اس کی موجودگی میں بھی کہہ سکتے ہو۔''

ایس پی نے سر تسلیم خم کر دیا اور میاں صاحب سے متوجہ ہو کر سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''حضور میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے حق میں بہتری کی دعا کریں۔''

''پریشانی کیا درپیش ہے تمہیں؟'' میاں صاحب کا لہجہ ابھی تک سپاٹ تھا۔

''میں ایک چکر میں پھنس گیا ہوں۔'' ایس پی نے رکتے رکتے کہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''بات دراصل یہ ہے میاں صاحب کہ کچھ افراد زبردستی مجھے ایک بے بنیاد الزام میں پھنسانا چاہتے ہیں۔''

''اگر الزام بے بنیاد ہے تو پھر تمہیں خطرہ کس بات کا ہے۔'' میاں صاحب نے بے نیازی سے کہا۔

''بات کچھ ایسی ہے میاں صاحب کہ مجھے آپ کے حضور آنا پڑا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ میرے حق میں دعا کریں تو میں ہر مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہوں۔ میں تمام عمر آپ کا غلام بنا رہوں گا میاں صاحب!''

''میرا غلام!'' میاں صاحب کا چہرہ اچانک سرخ ہو گیا۔ نفرت سے ایس پی کو گھور کر بولے۔ 'جو شخص ہوس کا غلام ہو وہ کسی اور کی غلامی کیا کرے گا۔''

میں نے محسوس کیا کہ میاں صاحب کا جواب سن کر ایس پی مطاہر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا لیکن فوراً ہی اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''میاں صاحب انسان غلطیوں کا پتلا ہے۔ آپ اگر چاہیں تو خدا سے میری غلطی معاف کرانے کی سفارش کر سکتے ہیں۔''

''میں اور تجھ جیسے شیطان کی سفارش کروں گا۔'' میاں صاحب نے غصے سے لرزتے ہوئے جواب دیا۔ ''اگر خیریت چاہتا ہے تو چلا جا میرے سامنے سے نابکار مردود۔''

ایس پی کو غالباً میاں صاحب سے اس جواب کی امید نہیں تھی۔ ایک ثانیے کے لئے وہ خالی خالی نظروں سے میاں صاحب کو تکتا رہا پھر اسے اپنی سبکی کا احساس ہوا تو قدرے سخت لہجے میں بولا۔

''میاں جی تم اگر میرا کام کر دو تو میں تمہیں منہ مانگی قیمت دے سکتا ہوں۔''

''تو مجھے معاوضہ دے گا ذلیل!'' میاں صاحب اچانک جلالی کیفیت میں آ کر بولے۔ ''کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں تیرے اقتدار سے متاثر ہو کر تیری بدمعاشیوں میں تیرا ہاتھ بٹاؤں گا۔ جا دفع ہو جا۔''

''تم بکتے ہو۔'' ایس پی بھی جھلا کر غصے میں اٹھ کھڑا ہوا اور دانت پیس کر بولا۔ ''میں صرف یہی دیکھنے آیا تھا کہ تم کچے عقیدے کے بھولے بھالے اور معصوم لوگوں کو کس طرح لوٹ رہے ہو۔ لیکن اب تمہارا یہ بزنس نہیں چلے گا میں آج ہی تمہارے وارنٹ گرفتاری جاری کراتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ تم کتنے پہنچے ہوئے ہو اور خود اپنے بچاؤ کے لئے کیا کرتے ہو۔''

''کمبخت تو مجھے آزمانے آیا تھا' تو بھول گیا میں نے رات ہی تجھے یہاں آنے سے منع کیا تھا۔ رات میں ذرا دیر سے پہنچا کاش میں پہلے پہنچ جاتا۔ دیکھنا چاہتا ہے کہ میں تیرے بارے میں کیا جانتا ہوں' لے دیکھ تیرے یہاں آنے کا اصل مقصد کیا ہے۔'' میاں صاحب سرتاپا تھرتھراتے ہوئے بولے، پھر انہوں نے سیدھا ہاتھ اٹھایا اور شہادت والی انگلی سے بائیں جانب اشارہ کیا اور کڑک کر ایس پی سے کہا۔ ''ادھر دیکھ بدقماش وہ ہے تیرے آنے کا سبب۔''

ایس پی کے ساتھ میری نظر بھی اس سمت اٹھ گئی۔ جدھر میاں صاحب نے انگلی سے اشارہ کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا وہ بڑا ناقابل یقین تھا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ میری اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کریں لیکن جو کچھ میں نے دیکھا وہ خواب نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ جس طرف میاں صاحب نے شہادت کی انگلی اٹھائی تھی وہاں کچے فرش پر ایک نوخیز حسینہ لیٹی نظر آرہی تھی لیکن ایک روندی ہوئی لاش کی صورت میں۔ اس کا جسم برف کی سل کی مانند سفید پڑا ہوا تھا۔ جسم کے کپڑے جن پر جگہ جگہ خون کے دھبے جمے ہوئے تھے 'اس بری طرح پھٹے ہوئے تھے کہ ان سے ستر پوشی بھی نہیں ہورہی تھی۔ اس کے برہنہ سینے اور عریاں رانوں پر جابجا تیز ناخنوں کے کھرونچے صاف دکھائی دے رہے تھے اور گالوں پر دانت کے زخم نظر آرہے تھے۔ آنکھیں اس طرح کھلی ہوئی تھیں جیسے اسے خود بھی اپنی حالت پر سکتہ ہورہا ہو۔ برف کی طرح سفید چہرے پر مصومیت ہی معصومیت پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے لاش پر سے نظر ہٹا کر ایس پی کی طرف دیکھا تو وہ ہکا بکا کھڑا نوخیز حسینہ کی لاش کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھے جارہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف ودہشت کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں حجرے میں موت کا سناٹا طاری تھا۔ اچانک میاں صاحب کی آواز سناٹے کا سینہ چیرتی ہوئی ابھری۔

''وحشی درندے، تیرا نامہ اعمال اس کی زبانی بیان کرواؤں۔ میں اس حیا کی پتلی کی زبان سے تجھے تیری کمینگی کی داستان سنوانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں۔ تیرا گناہ تیرے سامنے ہے اب اور کیا دیکھنا چاہتا ہے۔''

ایس پی میاں صاحب کی آواز سن کر یوں چونکا جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے ڈر کر جاگ اٹھا ہو۔ اس نے میاں صاحب کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھا پھر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میاں صاحب نے اسے اس کا موقع نہیں دیا اور جلالی حالت میں بولے۔

''جا چلا جا یہاں سے مردود تو نے اسے پامال کیا۔ خدا تجھے پامال کرے گا۔''

ایس پی نے جواب میں نظریں نیچی کرلیں۔ ایک لمحے تک وہ کسی بت کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا پھر تیزی سے پلٹا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا حجرے سے باہر نکل گیا۔ میں نے اس کے جانے کے بعد دوسری بار اس لڑکی کی لاش کو دیکھنے کے لئے نظریں گھمائیں تو وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ ٹھیک اسی لمحے باہر گولی چلنے کا دھماکہ ہوا اور میاں صاحب ٹھہری ہوئی آواز میں بولے۔

''وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا۔''

میں تیزی سے لپک کر باہر گیا تو دیکھا کہ ایس پی خون میں لت پت پتھروں میں اوندھا پڑا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کا ہجوم جمع ہوگیا۔ میرے دریافت کرنے پر میاں صاحب کے ایک عقیدت مند نے بتایا کہ ایس پی جس وقت حجرے سے باہر نکلا اس کے چہرے پر الجھن اور

پریشانی کے گہرے تاثرات نمایاں تھے۔ اپنے ساتھ آنے والے سپاہیوں کے قریب پہنچ کر اس نے ان دونوں کو کچھ ہدایت دی پھر ہولسٹر سے ریوالور نکال کر نال کنپٹی سے لگائی اور لبلبی دبا دی۔ میں معلومات حاصل کر کے واپس حجرے میں گیا تو دیکھا میاں صاحب ہاتھ اٹھائے دعا کرنے میں مشغول تھے۔ ان کے چہرے پر اس وقت غیظ وغضب کے بجائے نور کی کرنیں نچھاور ہو رہی تھیں۔ میں آہستہ سے آگے بڑھ کر میاں صاحب کے قریب بیٹھ گیا اور ان کے پاؤں دبانے لگا۔ میاں صاحب ہاتھ پھیلائے اور آنکھیں بند کئے کسی کے حق میں دعا مانگنے میں مصروف تھے۔

اس واقعے کے بعد مجھے اپنے ذہن کے کسی گمشدہ کونے میں موجود اپنے نفس کی خباثت کو نکالنا پڑا۔ میں نے خود کو عبادت میں مشغول کیا اور اپنی ساری توجہ میاں صاحب کی خدمت اور وظائف پر صرف کر دی۔ میں بہر صورت میاں صاحب کی نظر میں ایک سچے عقیدت مند کی صورت میں آنا چاہتا تھا۔

جس روز ایس پی والا حادثہ پیش آیا۔ اس روز کے بعد سے میاں صاحب کی مہربانیاں میرے ضمن میں بڑھنی شروع ہو گئیں۔ اب انہوں نے مجھے چھوٹے چھوٹے وظیفے بتانے شروع کر دیئے تھے۔ دو ماہ کے اندر اندر میں بہت سارے عملیات کا عامل بن گیا۔ پھر رفتہ رفتہ میاں صاحب کی عنایتیں اور بڑھیں تو میں نے ان کی ہدایت پر چلے کھینچنے شروع کر دیئے۔ آٹھ ماہ تک میاں صاحب نے مجھے دن رات چلوں اور جلالی جمالی وظیفوں میں ایسا مشغول رکھا کہ مجھے خود اپنی ذات تک کا ہوش باقی نہ رہا۔ پھر جب مجھے ذرا سکون ملا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر بھی میاں صاحب جیسی کچھ صفات آ چکی ہیں۔ اب وہ اپنے چھوٹے موٹے ضرورت مندوں کو میرے حوالے کر دیا کرتے تھے اور میں ان لوگوں کو حسب حیثیت اپنی روحانی قوتوں سے فیض پہنچایا کرتا تھا مگر جو سچ پوچھئے تو میں اب بھی مطمئن نہ تھا۔ مجھے کسی کسی وقت یہی فکر لاحق ہو جاتی کہ کسی طرح میاں صاحب سے روحوں کو بلانے کا عمل سیکھ سکوں۔ کئی بار یہ سوچ کر میاں صاحب کے سامنے گیا کہ ان سے مدعا بیان کر دوں لیکن ہر بار میری ہمت جواب دے جاتی۔ بعد میں مجھے اپنی کم ہمتی پر غصہ بھی آتا لیکن نہ جانے کیوں روحوں کو قبضے میں کرنے اور انہیں طلب کرنے کا عمل دریافت کرنے کے سلسلے میں میاں صاحب کے روبرو میری زبان ہمیشہ گنگ ہو جایا کرتی تھی۔

اس طرح چار سال گزر گئے۔

چار سال، میں میاں صاحب کے قریب رہا اور ان کی ہدایات کی روشنی میں علوم روحانی سیکھتا رہا۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ میں نے مشکل ترین چلے کھینچنے میں کس قدر وقت صرف کیا۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ میں پہاڑی کے سنسان گوشوں میں تن تنہا رات رات پھر اپنا عمل جاری رکھتا۔ درشہوار میرے لئے کھانا لاتی اور ابوالحسن میری نگہداشت کرتے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں نے اپنی خواہشوں اور جذبوں کو بھلا دیا تھا لیکن درشہوار کے حسن و جمال میں کچھ ایسا اثر تھا کہ اس کی طرف نگاہیں اٹھاتے ہوئے جھجکتا تھا۔ ابوالحسن مجھے اپنے خاندان کا ہی کوئی فرد سمجھتے تھے۔ پہاڑی پر بسنے والے تمام اجنہ میرے باب میں اب بہت زیادہ پُر تپاک ہو گئے تھے۔ میاں صاحب کی صحت گرنے لگی تھی چار سالوں میں اکبر کئی بار میرے پاس آیا اور میرے روز بدلتے ہوئے حلئے اور لمبی داڑھی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے لہجے اور انداز میں تبدیلی آ گئی تھی۔ میں قمیض اور پاجامے میں ملبوس بہت سادہ اور بڑی پاکباز زندگی گزار رہا تھا۔ اکبر میرا دوست تھا اور وہ مجھے کشاں کشاں ملنے آ جاتا تھا مگر میں اکبر سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اکبر کے آنے سے مجھے

اپنا ماضی یاد آجاتا تھا۔اس کی صحبتوں سے مظالم اور ناانصافی کے وہ تمام سلسلے مل جاتے جن سے گریز کر کے میں یہاں آیا تھا۔میں پہاڑی سے نیچے نہیں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہاں مجھے اندھیرے نظر آتے تھے۔وہاں انسان تھے جو ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ رہے تھے۔انسان جو ہمیشہ ایک ساتھ رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔لوگ کہتے ہیں وہ غول پسند ہیں مگر یہی ساتھ رہنے والے لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ان میں انتشار ہے اور ان کے نفس پراگندہ ہیں۔میاں صاحب سے ملنے جو ضرورت مند آتے تھے وہ اپنے ساتھ بھیانک داستانیں لئے آتے تھے۔ایسی لرزہ خیز کہانیاں جنہیں سن کر میں کانپ کانپ جاتا تھا۔ہر شخص دوسرے پر ظلم کر رہا تھا۔بعض اوقات میرا جی چاہتا تھا کہ میں ان ظالموں کو عبرتناک سزائیں دوں۔مجھ سے وہ غریب اور معذور لوگ نہیں دیکھے جاتے تھے جنہیں آسودہ حال اور طاقتور لوگوں نے پیس ڈالا تھا۔جس کی شکایت سنئے وہ ایک داستان غم لئے ہوئے آتا تھا۔ان لوگوں سے انسانیت کے شرمناک واقعات سن کر اس دنیا سے میرا دل اچاٹ ہو گیا اور میں زیادہ انہماک سے اپنی عبادت اور ریاضت میں غرق ہو گیا۔اب میں تھا اور مختلف وظائف تھے' میری راتیں تھیں اور میری ریاضت تھی' میاں صاحب تھے اور میری خدمت تھی۔میرے اس انہماک کامل کا نتیجہ یہ نکلا کہ ارادت مندوں کا ایک ہجوم میرے گرد بھی جمع ہونے لگا۔میری زبان میں بھی کچھ ایسی تاثیر پیدا ہو گئی کہ میری دعائیں قبول ہونے لگیں۔میاں صاحب اس بات پر بہت خوش تھے۔میں عموماً چھوٹے میاں صاحب کے نام سے پکارا جانے لگا۔میں عرفان و آگہی کی منزلوں سے گزر رہا تھا' میری نظر میں میاں صاحب کا مرتبہ اور بلند ہو رہا تھا۔

ہر ماہ کے آخر میں بدھ کے روز صبح سویرے میاں صاحب کے حجرے کے باہر ایک نشست جمتی تھی۔یہ سلسلہ اس وقت سے جاری تھا جب میں یہاں آیا تھا۔اس میں میاں صاحب ایک عام شخص کی حیثیت سے شریک ہوتے۔اس نشست میں ہر مذہب کے عالم و فاضل اشخاص آتے اور وحدت الوجود' فلسفہ حیات اور تصوف پر بڑی آزادانہ گفتگو کرتے۔عام طور پر ان کی گفتگو بہت سادہ انداز میں ہوتی تھی۔صرف ایک نوجوان طالب علم تھا جو بڑا ذہین اور فطین معلوم ہوتا تھا' گفتگو میں اس کا لہجہ کسی قدر گستاخی کا ہو جاتا مگر میاں صاحب مسکراتے رہتے اور اسے خوش اخلاقی اور شیریں بیانی سے سمجھاتے کہ وہ فوراً ہی معذرت کرنے لگتا۔مجھے یہ طالب علم جس کا نام سلیم تھا، بہت پسند تھا۔وہ میرا بھی بڑا لحاظ کرتا تھا ویسے اس کا رجحان کچھ الحاد کی جانب زیادہ تھا۔انہی لوگوں میں ایک بڑا پنڈت بھی تھا جس کا سر گھٹا ہوا اور لباس خالص ہندو پنڈتوں جیسا تھا۔وہ سنسکرت اور ہندوستان کی قدیم زبانوں کا ماہر تھا۔اتنا بڑا پنڈت نہ جانے کیسے میاں صاحب کے پاس ہر ماہ آخری بدھ کو اس مناظرے میں شریک ہونے آجاتا تھا۔میاں صاحب اسے بڑی قدر و منزلت سے بٹھاتے مگر مجھے وہ شخص بالکل اچھا نہ لگتا تھا۔میں نے ہمیشہ اس کی نظروں میں کینہ دیکھا۔وہ طنز کرتا تھا اور بڑے خوب صورت انداز میں میاں صاحب اور ان کے مسلک کو ہدف بناتا تھا۔ابوالحسن نے مجھے بتایا کہ یہ پنڈت ایک دن عام ضرورت مند کے روپ میں میاں صاحب سے ملنے آیا۔وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میاں صاحب جن کی دور دور دھوم ہے اصل میں کیا ہیں۔جب وہ ضرورت مندوں کی بھیڑ میں بیٹھ گیا تو اسے میاں صاحب نے فوراً اندر بلا لیا۔بڑی عزت سے بٹھایا' انہوں نے اس سے کہا۔

''پنڈت جی آپ نے کیسے زحمت کی؟''

پنڈت' میاں صاحب کی اس ادا پر بہت جز بز ہوا اور سنبھل کر بولا۔''میں نے آپ کے متعلق بہت کچھ سنا ہے مگر جو سنا ہے اس پر مجھے

یقین نہیں۔ میری نظر میں میرے عقیدے زیادہ پختہ اور حق کے قریب ہیں۔ آپ نے مجھے پہچان لیا، میں سمجھتا ہوں یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ دو تین تماشے تو عام آدمی بھی جانتے ہیں۔ یقیناً آپ نے اس میں کوئی ریاضت کی ہوگی۔ میں تو آپ سے فلسفہ حق پر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں ممکن ہے میں آپ سے کچھ حاصل کر سکوں یا ممکن ہے میں آپ کو کچھ سمجھا سکوں۔''

پنڈت کی بات سن کر میاں صاحب مسکرائے اور انہوں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے اونکار ناتھ جی آپ یہاں آیا کیجئے، مجھے آپ سے گفتگو کر کے بڑی خوشی ہوگی۔''

پنڈت چلا گیا اور پھر ہر ماہ کے آخری بدھ کو اس قسم کی نشست کی طرح پڑ گئی۔ مختلف عقائد کے لوگ اس میں شریک ہونے لگے مگر پنڈت اونکار ناتھ صرف وہ واحد شخص ہے جو مسلسل پانچ چھ سال سے آ رہا ہے گو اس کے اطوار میں اب پہلی جیسی ناشائستگی نہیں ہے تاہم اب بھی میں میاں صاحب کو قائل کرنے یا انہیں زیر کرنے کا ارادہ ذہن میں رکھتا ہے۔ اس پنڈت کو بھی کچھ غیر معمولی ماورائی اور روحانی قوتیں حاصل ہیں اور اس کا شمار ہندو مذہب کے بڑے عالموں میں ہوتا ہے۔''

ابوالحسن کی زبانی پنڈت اونکار ناتھ کے بارے میں یہ تفصیل سن کر مجھے اس سے شدید نفرت ہوگئی تھی اور شاید وہ بھی اس بات سے واقف تھا کہ میں اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ ہم دونوں میں ایک طرح کا تناؤ تھا۔ میں اب ہر اس شخص کے خلاف تھا جو میاں صاحب کے علم و فضل کو شک کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ بہر حال میاں صاحب کی ایما تھی پنڈت آتا رہا' اس کے ہونٹوں پر لطیف مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ اس نے میاں صاحب کو اشتعال دلانے کی بار بار کوشش کی اور ہر بار میاں صاحب نے صبر و سکون کے ساتھ اس کی بات سنی۔ وہ اسے بچوں کی طرح سمجھاتے رہے۔ ایک دو بار پنڈت اونکار ناتھ نے اپنے چیلوں پر جادو کر کے عام ضرورت مندوں کی شکل میں میاں صاحب کے پاس علاج کے لئے بھیجا۔ میاں صاحب انہیں پہچان گئے اور انہوں نے ان چیلوں کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ ''اونکار ناتھ سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔''

غرضیکہ پنڈت اونکار ناتھ کی ایک نہ چل سکی مجھے حیرت تھی کہ میاں صاحب اس کی مسلسل گستاخیوں کے باوجود اسے یہاں آنے سے کیوں نہیں روکتے اور اب جبکہ ان کی صحت گرنے لگی تھی یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ اس قسم کی نشستوں میں حصہ لیں۔ میاں صاحب اب زیادہ تر پلنگ پر پڑے پڑے لوگوں سے ملتے اور ان کی مدد کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو میں نمٹا دیا کرتا تھا۔ چھ سات سال کی اس رفاقت میں میاں صاحب کے ان گنت کرشمے میری نظر سے گزرے۔ لیکن ایک روز ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے میری عقل دنگ رہ گئی اور میں یہ سوچنے لگا کہ میاں صاحب اسی دنیا کے کوئی آدمی ہیں یا ان کا تعلق کسی اور مخلوق سے ہے۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میاں صاحب کو قطب کا درجہ مل چکا ہے۔

اس رات میں میاں صاحب کے پاؤں دبا رہا تھا وہ آنکھیں بند کئے لیٹے تھے لیکن ان کے ہونٹ برابر ہل رہے تھے۔ یہ بات کوئی ایسی تعجب خیز نہیں تھی اس لئے کہ جب تک میاں صاحب پوری نیند نہ سو جاتے ان کے ہونٹ کسی نہ کسی وظیفے کے ورد میں متحرک رہتے تھے۔ میں میاں صاحب کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو بہت کمزور ہو چکا تھا۔ ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑنے لگے تھے اور جبڑے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ جسمانی طور پر وہ اس درجہ لاغر ہو چکے تھے کہ بظاہر ہڈیوں کا پنجر نظر آتے تھے۔ ان دنوں انہوں نے کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا۔ چوبیس گھنٹوں میں بمشکل آدھی روٹی حلق کے نیچے

اتر پاتی تھی لیکن ان کی آواز میں اب بھی وہی پہلی جیسی گھن گرج باقی تھی۔ میں اپنے کام میں مصروف تھا کہ اچانک میاں صاحب نے آنکھیں کھول دیں اور میری طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت ان کی آنکھوں میں پہلی بار بے چینی دیکھی تھی چند ثانیے تک وہ مجھے گھورتے رہے پھر بولے۔

''شاہد علی مجھے اس وقت ایک ضروری کام سے دور جانا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں صبح دیر سے واپس لوٹوں تم اس کا خیال رکھنا کہ کسی کو میری غیر موجودگی کا علم نہ ہونے پائے۔''

فوری طور پر میرے ذہن میں یہی خیال ابھرا کہ غالباً میاں صاحب کا ذہن بہک چکا ہے جو وہ ایسی باتیں کہہ رہے ہیں لیکن میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''میاں صاحب آپ کچھ دنوں کے لئے عقیدت مندوں سے ملنا ترک کر دیں آپ کو صرف آرام کی ضرورت ہے۔''

''آرام کا وقت بھی قریب آنے والا ہے شاہد میاں۔'' میاں صاحب نے سرد آہ بھر کر کہا پھر سنجیدگی سے بولے۔ ''اس وقت جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو تمہیں اس بات کا سختی سے خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی شخص میری غیر موجودگی سے باخبر نہ ہونے پائے۔''

''لیکن اتنی رات گئے آپ جائیں گے کہاں؟''

''مجھے ایک دوسرے شہر جانا ہے ایک ضرورت مند نے مجھے یاد کیا ہے۔''

''دوسرے شہر؟'' میں نے قدرے حیرت سے دریافت کیا۔ ''لیکن آپ اتنا لمبا سفر کیسے کریں گے؟''

''خدا کا حکم ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ شاہد علی تم اب جا کر سو رہو اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا خیال رکھنا۔''

میاں صاحب نے مجھے ہدایت کی پھر بڑی مشکل سے ہانپتے کانپتے اٹھ بیٹھے۔

میرے دل کو میاں صاحب کی حالت محسوس کر کے شدید دھچکا لگا۔ ایک طرف تو یہ خیال مجھے پریشان کر رہا تھا کہ میاں صاحب غالباً اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔ دوسری طرف یہ فکر لاحق تھی کہ اگر خدانخواستہ میاں صاحب خدا کو پیارے ہو گئے تو میں نے جو کچھ نہیں حاصل کیا ہے وہ کس طرح حاصل کروں گا۔'' میاں صاحب کی بے چارگی پر میری آنکھیں بھر آئیں تو میں نے جلدی سے نظریں نیچی کر لیں۔

''شاہد علی جو خدا کو منظور ہو وہ ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے میرے بیٹے۔''

میں نے میاں صاحب کا ہاتھ اپنے سر پر محسوس کیا تو میں بے اختیار پھوٹ پڑا۔ میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ میں نظریں جھکائے میاں صاحب سے نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ پھر میں نے کچھ دیر بعد نظریں اٹھائیں تو جیسے مجھ پر اچانک سکتہ طاری ہو گیا۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے میاں صاحب کے پلنگ کو دیکھنے لگا جو اب خالی پڑا تھا۔ میں نے تیزی سے نظریں دوڑا کر حجرے میں چاروں طرف دیکھا لیکن میاں صاحب کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ بوکھلاہٹ میں اٹھ کر میں جلدی سے باہر آ گیا اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر میاں صاحب مجھے دور دور تک کہیں نظر نہ آئے۔ خدا جانے ان کو زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا۔ میں حیرت و استعجاب میں ڈوبا کچھ دیر باہر کھڑا رہا پھر سہمے سہمے انداز میں جا کر لیٹا رہا۔ میرے اعصاب پر میاں صاحب کی اس اچانک گمشدگی کا اتنا گہرا اثر پڑا تھا کہ میں بڑی دیر تک جاگتا رہا کب میرے اوپر نیند کا غلبہ طاری ہوا اور کب میری آنکھ لگی مجھے

http://free-urdubook.blogspot.com/

اس کا کوئی احساس نہیں ہو سکا۔

صبح میری آنکھ کھلی تو رات کے واقعات دوبارہ میرے ذہن پر اجاگر ہو گئے۔ میاں صاحب کا پلنگ ابھی تک خالی پڑا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے اٹھا۔ دروازے پر آ گیا۔ صبح کی نماز بھی میں نے جس پریشانی کے عالم میں ادا کی وہ بھی کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ میاں صاحب کا خیال بری طرح میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔

ساڑھے سات بجے سے میاں صاحب کے عقیدت مندوں اور ضرورت مندوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں میاں صاحب کی ہدایت پر آنے والوں کو یہ کہہ کر ٹالتا رہا کہ آج میاں صاحب کا جی اچھا نہیں ہے اس لئے وہ کسی سے نہ مل سکیں گے۔ کچھ لوگ تو خاموشی سے افسوس کا اظہار کر کے چلے گئے۔ کچھ نے میاں صاحب کو ایک نظر دیکھنا چاہا۔ بعض افراد ایسے تھے جو میاں صاحب کی خدمت کی آرزو میں وہیں حجرے کے باہر دھرنا دے کر بیٹھ گئے لیکن میں نے انہیں بھی حجرے کے قریب نہیں آنے دیا اور حجرے کے دروازے پر کھڑا رہا۔ کبھی کبھی میں یوں ہی پلٹ کر اندر کی سمت بھی دیکھ لیا کرتا تھا۔ دس بجے کے قریب تو میری پریشانی دوچند ہو گئی۔ میاں صاحب کی خدمت کا شوق رکھنے والے دس بارہ آدمی ابھی تک حجرے کے آس پاس بیٹھے تھے۔ لوگوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری تھا۔ میں ہر آنے والے کو بڑی نرمی سے ٹال رہا تھا اور دل ہی دل میں میاں صاحب کی واپسی کے سلسلے میں دعائیں بھی مانگتا جاتا تھا۔ مجھے یہ خوف لاحق تھا کہ اگر میاں صاحب واپس نہ لوٹے اور ان کے عقیدت مندوں کو ان کے غائب ہونے کا علم ہو گیا تو سارا الزام مجھ پر تھوپا جائے گا اور کیا عجب کہ میاں صاحب کی محبت کے متوالے مجھ پر کوئی شبہ کر کے میری تکا بوٹی ہی کر ڈالیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا۔ میری دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جاتی تھیں۔ میں اسی الجھن اور پریشانی کی کیفیت سے دوچار تھا کہ ایک بڑھیا آ کر میرے سر ہو گئی۔ میں نے اسے ہر چند میاں صاحب کی بیماری کی آڑ لے کر ٹالنا چاہا لیکن وہ بضد تھی کہ میاں صاحب کی قدم بوسی کا شرف حاصل کئے بغیر واپس نہ جائے گی۔ ایک تو میں ویسے ہی الجھ رہا تھا دوسرے بڑھیا کی ضد نے مجھے اور پریشان کر دیا چنانچہ میں ڈپٹ کر بولا۔

''کیوں اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔ کہہ جو دیا کہ میاں صاحب کا جی اچھا نہیں۔ وہ آج کسی سے ملاقات نہیں کریں گے۔''

''لیکن انہیں مجھ سے ملنا ہو گا۔'' بڑھیا تنک کر بولی۔ ''یہ میری بہو کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ انہیں میرا دکھڑا سننا پڑے گا۔''

''اچھی زبردستی ہے۔'' میں نے چڑ کر کہا۔ ''جب میاں صاحب خود ہی بیمار پڑے ہیں تو وہ تمہاری بہو کی تیمارداری کیا کریں گے۔''

''بیٹا۔'' بڑھیا اچانک گڑگڑا کر بولی۔ ''مجھے بس دو باتیں کر لینے دو میاں صاحب سے میرے دل کو تسلی ہو جائے گی۔''

میں جھلا کر بڑھیا کو کوئی سخت جواب دینا چاہتا تھا کہ اندر سے میاں صاحب کی آواز ابھری۔

''شاہد علی اس بے چاری کو آنے دو میرے پاس۔ میں جانتا ہوں اس کی ضرورت بہت اہم ہے۔''

میں نے پلٹ کر دیکھا تو میاں صاحب اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ وہ کب اور کس راستے واپس آئے یہ بات میرے فرشتوں کے علم میں بھی نہ آ سکی۔ میں خوشی اور حیرت کے ملے جلے اثرات کے زیر اثر میاں صاحب کو دیکھتا رہا پھر میں نے بڑھیا کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ میاں صاحب نے اس کا دکھڑا سن کر اس کی بہو کے حق میں دعا کی تو وہ انہیں گود پھیلا کر دعائیں دیتی ہوئی الٹے قدموں واپس چلی گئی۔ بڑھیا

کے جانے کے بعد میاں صاحب دوسرے لوگوں سے بھی ملتے رہے اور میں بت بنا کھڑا میاں صاحب کو دیکھتا رہا۔ مجھے حیرت تھی کہ میاں صاحب کیسے غائب ہوئے اور کس طرح دوبارہ واپس آ گئے جبکہ ان کے اندر اٹھنے بیٹھنے کی بھی سکت نہیں تھی آخر یہ سب کیا اسرار تھا''

مغرب تک میاں صاحب نے ملاقات کا سلسلہ جاری رکھا پھر جب میاں صاحب کے سارے ملاقاتی رخصت ہو گئے تو انہوں نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا اور نقاہت میں ڈوبی ہوئی آواز میں گویا ہوئے۔

''شاہد علی مجھے خیال ہے کہ تمہیں میری وجہ سے پریشان ہونا پڑا لیکن میرا جانا بہت ضروری تھا اگر میں وہاں نہ جاتا تو خدا کا ایک نیک بندہ حشر کے روز میرا دامن گیر ہوتا۔ اس نے مجھے سچے دل سے یاد کیا تھا اس لئے میں جانے پر مجبور ہو گیا۔''

''لیکن۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کر ہی ڈالا۔ ''آخر آپ اچانک غائب کیسے ہو گئے تھے؟''

''حکم الٰہی'' میاں صاحب نے مختصراً جواب دیا۔

''کیا آپ کے دوست اجنہ آپ کو لے گئے تھے۔ میں نے تجسس کے جذبے سے مجبور ہو کر دوسرا سوال کیا۔

''وقت کا انتظار کرو شاہد علی کچھ راز ایسے ہوتے ہیں جو وقت سے پہلے کبھی آشکار نہیں ہوتے۔''

گو اب بھی میاں صاحب کے جواب سے میری تشفی نہیں ہو سکی تھی لیکن میں نے مزید اصرار نہیں کیا اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد جب میں معمول کے مطابق میاں صاحب کے پاؤں دبانے بیٹھا تو میاں صاحب خلاف توقع آج بھی مجھے کچھ بے چین نظر آ رہے تھے کچھ دیر تک تو میں خاموش رہا لیکن پھر میں نے پوچھ ہی لیا۔

''ایک بات پوچھوں میاں صاحب؟''

''کہو۔''

''کیا آپ کو آج پھر کہیں جانا ہے؟''

دیوانہ ابلیس

http://free-urdubook.blogspot.com/

عشق کا قاف اور **پکار** جیسے خوبصورت ناول لکھنے والے مصنف سرفراز احمد راہی کے قلم سے حیرت انگیز اور پراسرار واقعات سے بھرپور، سفلی علم کی سیاہ کاریوں اور نورانی علم کی ضوفشائیوں سے مزین، ایک دلچسپ ناول۔ جو قارئین کو اپنی گرفت میں لے کر ایک ان دیکھی دُنیا کی سیر کروائے گا۔ سرفراز احمد راہی نے ایک دلچسپ کہانی بیان کرتے ہوئے ہمیں ایک بھولی کہانی بھی یاد دلا دی ہے کہ گمراہی اور اَن دیکھی قباحتوں میں گھرے انسان کے لئے واحد سہارا خدا کی ذات اور اس کی یاد ہے۔ **کتاب گھر پر دستیاب ہے۔**

''نہیں۔'' میاں صاحب نے مختصر جواب دیا پھر آنکھیں بند کرلیں۔ بڑی دیر تک وہ آنکھیں بند کئے لیٹے رہے پھر دوبارہ آنکھیں کھول کر مجھے گھورنے لگے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا' کچھ دیر تک مجھے دیکھتے رہنے کے بعد میاں صاحب نے کہا۔

''شاہد علی آج میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں''

''حکم دیجئے میاں صاحب۔'' میں نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔ تو میاں صاحب بولے۔

''یہ دنیا ایسی گتھی ہے شاہد علی جس کو سلجھانے کی کوشش ہر کوئی کرتا ہے لیکن کم لوگ اسے سلجھا پاتے ہیں زیادہ تر خود الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ کامیاب وہی ہوتا ہے جو ایک سرا پکڑ کر دوسرے سرے تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ درمیان سے شروع کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا میاں صاحب۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''ساری مسرتیں عارضی ہیں۔ جو تلخیوں میں سکون تلاش کرتے ہیں وہ بہتر زندگی گزارتے ہیں۔''

میاں صاحب اپنی دھن میں کہتے رہے۔ ''سیاہ چیز پر سفیدی کے دھبے پڑتے ہیں تو سیاہی کا حسن ماند پڑ جاتا ہے لیکن سفید چیز پر سیاہی آجائے تو پھر سیاہی کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔''

''میاں صاحب، میں اب بھی نہیں سمجھا کہ آپ کی باتوں کا مقصد کیا ہے۔'' میں نے مدھم آواز میں کہا تو میاں صاحب میرے چہرے سے نظر ہٹا کر حجرے کی چھت کو تکتے رہے۔ ان کی آنکھوں میں بے چینی کا رنگ گہرا ہوتا جا رہا تھا کچھ دیر تک وہ چھت کو گھورتے رہے اور پھر ایک آہ بھر کر بولے۔

''شاہد علی، سب سے مہلک نشہ طاقت اور دولت کا ہوتا ہے۔ جو غرور کرتا ہے وہ ایک نسبتاً کم پائیدار چیز کی جانب راغب ہے۔ وقت بہت کاری چیز ہے۔ وقت ایک ایسا طوفان ہے جس کی لپیٹ میں آنے سے کوئی نہیں بچتا۔ انسان اور جانوروں میں یہی فرق ہے کہ انسان سوچنے سمجھنے کی قوت رکھتا ہے اور جانور اس سے محروم ہے لیکن اگر انسان ہی فہم و ادارک کا دامن چھوڑ دیں تو پھر وہ جانوروں سے زیادہ بدتر بن جاتے ہیں۔ انسان کو ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے شاہد علی۔ قناعت میں راحت ہے جو دولت میں نہیں۔''

میاں صاحب آج خلاف معمول کچھ عجیب و غریب باتیں کر رہے تھے۔ فلسفہ زندگی پر وہ بڑی دیر تک یوں ہی نہ جانے کیا کیا کہتے رہے پھر یونہی میری آنکھوں سے آنکھیں چار کر کے بولے۔

''کیا تم روحوں کو قبضے میں کرنے کا عمل سیکھنے کے لئے بہت زیادہ بے چین ہو؟''

''جی۔ جی ہاں!'' میں میاں صاحب کے اس اچانک سوال پر قدرے بوکھلا گیا۔

''مگر شاہد میاں یہ ایک صبر آزما عمل ہے۔'' میاں صاحب کا لہجہ دوبارہ نرم پڑ گیا۔ کچھ سوچ کر بولے۔ ''میں خود بھی چاہتا ہوں میرے بچے کہ جو کچھ میرے پاس ہیں وہ تمہیں بخش دوں۔ میری تمنا ہے کہ میرے بعد تم ضرورت مندوں کی خدمت کرو لیکن۔''

''لیکن کیا میاں صاحب۔'' میں نے میاں صاحب کو خاموش ہوتا دیکھ کر تیزی سے سوال کیا۔

''کچھ نہیں میرے بیٹے کچھ نہیں!.....انسان کی ہر تمنا اگر پوری ہو جائے تو پھر زندگی میں تغیرات نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے۔ حالات کے دھارے کا رخ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں موڑ سکتا۔''

''آپ زیادہ دیر گفتگو نہ کریں میاں صاحب آپ کو سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔'' میں نے رواداری کا اظہار کیا تو میاں صاحب کی بے چینی اور بڑھ گئی کچھ دیر تک مجھے سپاٹ نظروں سے تکتے رہے' پھر سرد آہ بھر کر بولے۔

''شاہد علی اب میرا حال کچھ ٹھیک نہیں۔ کب مجھے یہاں سے جانا پڑے۔ سب کچھ، جو کچھ بھی میرے پاس ہے وہ تمہارا ہے لیکن میری خواہش تھی کہ تم روحوں کو طلب کرنے کی خواہش دل سے نکال دو۔''

''میاں صاحب!'' میں دھڑکتے دل سے بولا۔ ''کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔''

''اعتماد!'' میاں صاحب نے مضطرب ہو کر کہا۔ ''خدا نہ کرے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچے۔''

میاں صاحب زیادہ بات کرنے کی وجہ سے ہانپنے لگے تھے۔ کچھ دیر خاموش رہے۔ ان کی آنکھوں میں گہرے غور و فکر کے تاثرات جھلک رہے تھے۔ نہ جانے وہ کن خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے پھر مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''شاہد علی میری زندگی کا سفر اب اختتام کو پہنچنے والا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بندوں کی خدمت کے قابل سمجھا لیکن اب یہ سعادت مجھ سے بہت جلد چھن جائے گی۔''

''خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے۔'' میں جلدی سے بولا۔ ''آپ کا دم لوگوں کے لئے باعث رحمت ہے۔''

''ظاہر داری کی باتیں مت کرو شاہد علی۔ میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔'' میاں صاحب بولے۔ پھر مجھے بازو سے تھام کر اٹھا لیا اور اپنے قریب پلنگ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''شاہد علی آج کی رات تمہارے لئے بھاری ہے۔ آج رات سے تمہیں آیت کریمہ کا ختم پڑھنا ہے۔ اس کے ساتھ میں تمہیں ایک وظیفہ بتاؤں گا جس کو تیس راتوں میں پچاس ہزار بار پڑھنے کے بعد تمہاری زبان میں ایسی تاثیر پیدا ہو جائے گی کہ تم جس روح کو چاہو گے بلا لو گے اور وہ روح تمہارا حکم ماننے کے لئے پابند ہو گی۔ اتنا ضرور یاد رکھنا مجھے یقین ہے تم انہیں جائز حکم دو گے۔''

''آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا میاں صاحب۔'' میں نے اس وقت بڑی عقیدت سے کہا۔

''اگر تم نے آیت کریمہ کا ختم اور وظیفے کا ورد ان راتوں میں مکمل کر لیا تو پھر تم بہت کچھ حاصل کر لو گے۔ اب جا کر وضو کرو اور پھر نماز شروع کر دو۔ ہر روز فجر کی نماز سے پہلے تمہیں اپنا وظیفہ ختم کرنا ہے۔''

''کیا میں یہ سب کچھ کر لوں گا میاں صاحب!'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''خدا پر بھروسا رکھو شاہد علی۔ وہ جسے چاہے نواز دے اور جسے چاہے اپنی دی ہوئی نعمتوں کو چھین کر ذلیل و خوار کر دے۔''

میں نے میاں صاحب کی ہدایت پر اٹھ کر جلدی سے وضو کیا۔ میاں صاحب کی طلبی پر ابوالحسن آ گئے۔ میاں صاحب نے انہیں اشارہ کیا

اور وہ مجھے پہاڑی کے ایک سنسان گوشے کی طرف لے گئے۔ میں نے اضطراب کے عالم میں اپنا وظیفہ شروع کر دیا۔ مجھے فجر سے پہلے تمام عمل ختم کرنا تھا اور یہ وقت اتنے بڑے وظیفے کے لئے بہت کم تھا بہر حال میں نے خدا کا نام لیا اور ساری فکریں ذہن سے نکال کر اپنے وظیفے میں ڈوب گیا۔ شروع شروع میں مجھے شدید تکان اور اکتاہٹ ہوئی میرے اعصاب تکرار ورد سے جواب دینے لگے۔ کئی بار میری زبان میں لکنت پیدا ہوئی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے منہ کو سی دیا ہو مگر رات گئے میں نے خود پر قابو پا لیا۔ میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی 'ایک مست کر دینے والا نشہ۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا' میری زبان از خود مشینی انداز میں وظیفے کا ورد کرنے لگی' مجھ پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ میں مراقبے میں تھا کہ فجر کی اذان پر مجھے ہوش آیا۔ رات کیسے گزاری اس کا احساس ہی نہیں ہو سکا۔

میں نے پہلی رات کامیابی سے مکمل کر لی پھر کئی راتیں اور گزر گئیں۔ یہاں تک کہ اٹھارہ راتیں گزر گئیں۔ اٹھارھویں دن اکبر میرے پاس آیا اس کی بہن کی شادی تھی۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہا اور میں نے میاں صاحب پر بات ٹال دی۔ اکبر سیدھا میاں صاحب کے پاس گیا اور ان سے اجازت مانگی کہ وہ مجھے اپنی بہن کی شادی میں دو ایک دن کے لئے پہاڑی سے لے جانا چاہتا ہے۔ میاں صاحب نے انکار کر دیا اور اکبر سے کہا۔ ''شاہد علی بارہ روز بعد تمہارے ساتھ چند گھنٹوں کے لئے جا سکتے ہیں۔ تم اپنی بہن کی شادی ملتوی کر دو۔''

ظاہر ہے کہ میاں صاحب کا ارشاد حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ اکبر کی بہن کی شادی میری وجہ سے ملتوی ہو گئی۔ میں یہاں سے باہر نہیں جانا چاہتا تھا مگر یہ اکبر کا معاملہ تھا۔ میاں صاحب نے خود اس کی اجازت دے دی تھی۔

بقیہ بارہ راتوں میں' میں ابوالحسن کی رہنمائی میں اپنا وظیفہ مکمل کرتا رہا۔ تاوقتیکہ وہ رات آ گئی جب مجھے یہ کام ختم کرنا تھا۔ اس رات مجھ پر اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ میں جلد سے جلد اس جگہ پر پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں میں اپنا وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ آج رات میں وہ وظیفہ مکمل کرنے والا تھا جس سے خلا میں بھٹکتی ہوئی روحیں میرے اشارے پر میرے قریب آ جائیں۔ اپنے اس عمل کی کامیابی کا جب مجھے خیال آیا تو سب سے پہلے میرے ذہن میں نہ جانے کیوں وہ دوشیزہ آئی جسے میاں صاحب عموماً طلب کرتے تھے اور جو دنیا کی حسین ترین منتخب دوشیزاؤں میں سے یقیناً ایک ہو گی۔ میں نے اس کا خیال آنے اور اپنے نفس کی اس شرارت پر خود کو بہت سرزنش کی۔ میں نے اپنے گالوں پر دو تین طمانچے مارے اور یہ سوچا کہ میں یہ وظیفہ نامکمل چھوڑ دوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس غیر معمولی قوت و صلاحیت کا متحمل نہ ہو پاؤں۔''

مگر ابوالحسن مجھے لینے آ گئے اور میں ان کے پیچھے کسی ارادے کے بغیر چل پڑا۔ میں نے حسب معمول اپنا وظیفہ پورے استغراق اور توجہ سے مکمل کیا۔ فجر کی نماز پر ابوالحسن مجھے خوشی خوشی میاں صاحب کے پاس لے گئے۔ جنہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگے۔

''خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے شاہد علی تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔''

میاں صاحب کا اشارہ پا کر میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے پھر دعا ختم کرنے کے بعد میں اٹھا اور میاں صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر بیٹھ گیا۔ اندرونی طور پر مجھے اپنے اندر ایک نئی اور پُراسرار قوت جنم لیتی محسوس ہو رہی تھی۔

''شاہد علی! اب تمہارا مستقبل خود تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم چاہو تو اسے سنوار لو چاہے برباد کر دو۔'' میاں صاحب نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ

میں لیتے ہوئے بڑی شفقت سے کہا۔ ''میری ایک نصیحت یاد رکھنا بیٹے! کسی چیز پر غرور نہ کرنا' کبھی بھی نہیں۔ تم میرا اعتماد ہو' اسے ٹھیس نہ پہنچانا' نفس پر غالب ہی رہنا' نفس دھوکا ہے۔ خدا تمہارے ساتھ رہے۔''

''میاں صاحب!'' میں نے میاں صاحب کے خاموش ہونے پر آہستہ سے پوچھا۔ ''میں نے آپ کے طفیل جو کچھ حاصل کیا اس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر ایک بات مجھے اور بتا دیجئے۔''

''پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''اس روز رات کو آپ کہاں چلے گئے تھے۔''

''قبل از وقت سب کچھ جان لینے کی کوشش مت کرو۔ شاہد علی وقت تمہیں سب کچھ بتا دے گا۔'' میاں صاحب نے جملہ بڑی بے چینی سے ادا کیا پھر ایک سرد آہ بھر کر بولے۔ ''خدا کی یہی مرضی تھی کہ میں تم کو وہ سب کچھ دے دوں جو اس نے مجھے دیا تھا اب تم جانو اور تمہارا کام۔''

''کیا آپ میری خضر منزلت سے منہ پھیر لیں گے۔'' میں نے میاں صاحب کے پاؤں دباتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی تمہاری مرضی پر ہے شاہد علی' اگر تم نے کبھی مجھے یاد کیا تو میں تمہارے پاس آنے کی کوشش کروں گا۔''

اس کے بعد میاں صاحب مجھے بڑی دیر تک بہت سارے وظیفے بتاتے رہے اور بڑی کارآمد نصیحتیں کرتے رہے۔ میں بڑی سنجیدگی سے بیٹھا ان کی ایک ایک بات کو ذہن نشین کرتا رہا۔ باہر پو پھٹ ہی تھی اور رات کا اندھیرا صبح کے نور کے سامنے سسکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک میاں صاحب نے ساری جان سے کپکپا کر بڑی رقت بھری آواز میں کہا۔

''ابھی نہیں مجھے شام تک کی مہلت درکار ہے۔''

''میں سمجھا نہیں میاں صاحب۔'' میں نے میاں صاحب کا منہ حیرت سے تکتے ہوئے کہا۔ ان کے جملے کا مطلب میری سمجھ سے بالاتر تھا۔

''وقت بہت کم ہے شاہد علی۔ میری باتیں غور سے سنتے رہو۔''

میاں صاحب نے ایک بار پھر مجھے نصیحتیں شروع کر دیں اور لوگوں کے دکھ درد اور پریشانیاں دور کرنے کے لئے قرآنی وظائف بتاتے رہے۔ گفتگو کرتے وقت ان پر اچانک کپکپاہٹ طاری ہو جاتی لیکن پھر دوبارہ گفتگو شروع کر دیتے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میاں صاحب کی نقاہت میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن چہرے پر اس وقت بے تحاشہ نور برس رہا تھا۔ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی عادت کے مطابق اس وقت بھی تسبیح کے دانوں پر تیز تیز گردش کر رہی تھی۔ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا میاں صاحب بلا تکان مجھ سے باتیں کئے جا رہے تھے اور زندگی کے نشیب و فراز سے آگاہ کر رہے تھے۔ پھر جب باہر ان کے عقیدت مندوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو میاں صاحب نے کہا۔

''شاہد علی مجھے سہارا دے کر باہر لے چلو آج میں خود چل کر اپنے عقیدت مندوں کے سامنے جانا چاہتا ہوں۔''

میاں صاحب کی حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ ایک قدم بھی چل سکتے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن جب ان کا اصرار زیادہ ہوا تو میں نے انہیں سہارا دے کر کھڑا کیا اور ان کا سارا بوجھ خود پر لے لیا۔ عقیدت مندوں نے میاں صاحب کو حجرے سے باہر آتے دیکھا تو

آگے بڑھ کران کے قریب آ گئے۔ میاں صاحب اپنا لرزتا ہاتھ اٹھا کران کے سلام کا جواب دیتے رہے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ ''شاہد علی تم اکبر کے پاس جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس کی بہن کی شادی ہے اور میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔''

''مگر آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر.....'' میں ابھی اپنا جملہ پورا نہ کر پایا تھا کہ میاں صاحب گرج کر بولے۔

''وعدہ کیا ہے جاؤ میں شام تک تمہارا ضرور انتظار کروں گا۔ عصر سے پہلے آ جانا۔ جاؤ خدا حافظ۔''

میں بادل نخواستہ اٹھ کر بوجھل قدموں سے پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔ کوئی سات سال بعد میں شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس بستی کی طرف جہاں انسان رہتے تھے۔ یہ سارا ماحول مجھے اجنبی لگ رہا تھا۔ خود میں بھی پہچانا نہیں جاتا تھا۔ میری داڑھی کے بال بہت بڑھ چکے تھے۔ مگر آبادی کے سارے لوگ مجھے پہچانتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے مجھے پہاڑی کے اوپر بارہا میاں صاحب کے ساتھ دیکھا تھا۔ چنانچہ میرے نیچے اترتے ہی بہت سے لوگ میرے قریب آ گئے اور مجھے سواری کی پیشکش کی۔ میں نے نفی میں سر ہلا دیا مگر ایک پرانے تانگے والے کا اصرار دیکھ کر مجھے اس کے تانگے میں بیٹھنا ہی پڑا۔ تانگا چلا تو اس کے پیچھے ایک ہجوم چلا۔

لوگ اشتیاق اور وارفتگی سے میرے تانگے کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ کوئی میرا ہاتھ چومتا تو کوئی سلام کرتا۔ کوئی اپنے بچے کا سر آگے کر دیتا کہ میں اس پر ہاتھ پھیروں۔ کوئی میری جوتیوں کو چھونے کی کوشش کرتا۔ تانگے کی رفتار لوگوں کے اژدہام کی وجہ سے بہت کم ہوگئی تھی۔ تانگا میری جانی پہچانی سڑکوں سے گزر رہا تھا اور میں اپنی نظروں سے بدلتے ہوئے بازار اور مکانات دیکھ رہا تھا۔ بہت کچھ بدل چکا تھا۔

مگر ایک جگہ میری نظر ٹھہر گئی۔ سامنے بیرسٹر راشد حسین کی عالیشان کوٹھی مجھے نظر آئی۔ اس عمارت میں بھی کافی تبدیلی آ گئی تھی۔ بیرسٹر راشد حسین کا مکان نظر آتے ہی میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے اشتعال انگیز نظروں سے بالکونی کی طرف دیکھا۔ جہاں کوئی نوجوان لڑکی میرے تانگے اور اس کے پیچھے دوڑنے والے ہجوم کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ لڑکی بیرسٹر راشد حسین کی ہے اور اس کا نام ثمینہ ہے۔ وہ اپنی بہن سے بہت مختلف تھی۔ میں نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا تو اس لڑکی سے میری آنکھیں چار ہوگئیں اور وہ خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ گئی۔ نہ جانے کیوں میرا جی چاہا کہ میں تانگے سے اتر پڑوں اور اس عمارت کو آگ لگا دوں۔ مگر میں نے جلد ہی ایک عمل پڑھا اور اپنے منتشر ذہن کو کسی نہ کسی طرح مطمئن کر لیا۔

اکبر کی بہن کی شادی میں میری شرکت رسمی سی رہی۔ میں نے میاں صاحب کی ابتر حالت کا تذکرہ کر کے اس سے معذرت چاہی اور اس کی بہن کو دعائیں دیتا اور دولہا کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالتا ہوا ظہر کے فوراً بعد پہاڑی پر پہنچ گیا۔

میاں صاحب اپنے عقیدت مندوں میں گھرے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سب نے میرے لئے راستہ بنایا اور میں تیز قدموں سے میاں صاحب کے پاس پہنچ گیا۔

''تم آ گئے شاہد علی۔'' میاں صاحب نے لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔ ''میں تمہارا منتظر تھا آؤ میرے قریب بیٹھ جاؤ۔ تم صحیح وقت پر پہنچ گئے۔''

میں معذرت خواہانہ انداز میں ان کے قریب بیٹھ گیا۔ انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ہجوم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

جب مجمع پر گہری خاموشی طاری ہوگئی اور خاصی دیر گزر گئی' لوگ میاں صاحب کے ارشادات عالی سننے کے لئے پوری طرح متوجہ ہوگئے تو وہ بدقت تمام یوں مخاطب ہوئے۔

''میرے عزیزو! خدا تمہیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔ میں اب تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ میرا زمانہ ختم ہوا ہر شخص جانے کے لئے آتا ہے۔ سو میں بھی چلا مجھے اجازت دو اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف کردو۔''

میاں صاحب کا جملہ ختم ہوا تو عقیدت مندوں میں کہرام مچ گیا۔ لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ میری حالت بھی غیر ہوگئی میاں صاحب نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر بولے۔

''میرے بعد شاہد علی تم لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھیں گے۔ خدا انہیں حق کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔''

''آمین' آمین! لوگوں نے میاں صاحب کی تائید کی۔

اس کے بعد میاں صاحب کے جسم پر شدید کپکپی طاری ہوگئی۔ انہوں نے بمشکل تمام لوگوں کو خدا حافظ کہا اور مجھے اشارہ کیا کہ میں انہیں اندر لے جاؤں۔ مگر انہیں وہاں سے اٹھانے والوں میں اکیلا میں ہی نہیں تھا۔ ابوالحسن اور ان کے ساتھیوں کو میں نے دیکھا۔ وہ میاں صاحب کو اٹھا کر حجرے میں لے آئے اور چارپائی پر پورے احترام کے ساتھ لٹا دیا۔ باہر ایک ماتم برپا تھا۔ عقیدت مندوں کی صفوں میں کہرام مچا ہوا تھا۔ لوگوں نے دہاڑیں مار مار کر رونا اور پچھاڑیں کھانا شروع کردیں۔ میں میاں صاحب کے جسم پر چادر ڈال کر باہر آ گیا اور روتے ہوئے لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے صبر کی تلقین کی۔ کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر دیوانوں کی طرح میرے ہاتھوں سے آنکھوں کو رگڑنا شروع کردیا۔ میرے ہاتھ آنسوؤں میں نہا گئے اور جب میں انہیں حوصلہ رکھنے اور صبر کی تلقین کرنے کے بعد دوبارہ حجرے میں داخل ہوا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی' میاں صاحب کی چارپائی خالی پڑی تھی وہاں مکمل خاموشی تھی اور صرف طوطے بین کر رہے تھے۔

ان میں ایک طوطا وہی تھا جس کی آواز انسانوں جیسی تھی اور جسے میاں صاحب برا بھلا کہتے رہتے تھے۔ اس کی حالت عجیب تھی وہ پنجرے میں بری طرح پھڑ پھڑا رہا تھا میں نے اس کو تسلی دینی چاہی' وہ میرے اشارے پر خاموش ہوگیا۔ مگر میں نے اس کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھیں تو مجھے اس پر رحم آ گیا۔ میاں صاحب سب کو اداس کر گئے تھے۔ حجرے کے باہر جو ہجوم تھا اس کی سسکیوں کی آواز مجھے حجرے میں سنائی دے رہی تھی۔ مجھے اس وقت بے حد تنہائی محسوس ہوئی اور میں حجرے کے باہر آ گیا۔ جہاں لوگوں کے اژدھام نے بڑھ کر میرے ہاتھ چومنے شروع کردیئے۔ اس وقت ایک عجیب احساس سربلندی وافتخار نے میرے ذہن کو آسودہ کیا میں نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے مضطرب لوگوں کو دیکھا۔ مجھے ان سب میں اپنا قد بلند معلوم ہوا۔ میرا جی چاہا کہ میں ان سب کو اپنی آغوش میں لے لوں میں ان کا سایہ بن جاؤں۔ میں نے اپنے لئے لوگوں کی نگاہوں میں حسرتیں اور عقیدتیں دیکھیں۔ میں بہت دیر تک خاموش ان کے سامنے کھڑا رہا۔ شام ہونے لگی تھی۔ سو میں نے انہیں وہاں سے جانے کی تلقین کی۔

تھوڑی دیر میں پہاڑی کا سارا علاقہ انسانوں سے خالی ہوگیا۔ میں دیر تک انہیں وہاں سے اترتے ہوئے دیکھتا رہا پھر وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگئے اور میں وہاں تنہا رہ گیا۔ میرا ذہن اس وقت بڑا منتشر تھا یہ تو ایک بہت بڑا کام تھا۔ اتنے بہت سے ناآسودہ لوگوں کو مطمئن

کرنا۔میاں صاحب جیسے جلیل القدر بزرگ کی جگہ سنبھالنا اور عبادت وریاضت میں پورا اترنا۔میں اپنے عزائم کو پختہ کر رہا تھا۔تھوڑی دیر پہلے شہر میں بیرسٹر راشد حسین کی لڑکی ثمینہ کو دیکھ کر جن احساسات نے مجھے مشتعل کیا تھا' میں ان پر قابو پانا چاہتا تھا۔میں نے سوچا مجھے ماضی بھلا دینا چاہئے۔میاں صاحب کی زندگی میرے لئے شمع ہدایت ہے مجھے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔ایک پاکباز' صاف اور اعلیٰ وارفع زندگی میری منتظر ہے۔مجھے آخرت میں اپنے لئے ایک پُرسکون جگہ بنانی ہے تو اس دنیا میں نفس کو آلائشوں سے پاک رکھنا ہوگا۔میں ایک عزم لے کر اٹھا' نیکیوں اور صداقتوں کا عزم۔اور میں نے دیکھا جنوں کا ایک پورا پرا موجود ہے' ابوالحسن ان سب میں آگے ہیں۔میں نے ان کی نگاہوں میں بھی اپنے لئے وارفتگی اور عقیدت دیکھی۔ابوالحسن نے میرے قریب آکر میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور گلوگیر آواز میں کہنے لگا۔''خدا آپ کو میاں صاحب جیسی بزرگیاں عطا کرے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔میاں صاحب نے ہمیں یہی حکم دیا تھا۔''

مغرب کی نماز ہم سب نے ساتھ پڑھی۔شام کو ابوالحسن مجھے اپنے گھر کی طرف لے گئے جہاں ان کی نوجوان لڑکی درشہوار نے بڑھ کر میری پذیرائی کی۔درشہوار کے حسن و جمال کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں' مجھے اس دوشیزہ سے ایک خاص انس تھا اور وہ بھی میرا بے حد خیال رکھتی تھی۔اس شام درشہوار نے میری خاطر مدارت میں زیادہ سرگرمی دکھائی۔ابوالحسن کا لہجہ بھی بدل چکا تھا میں نے اس تندہی و مستعدی کو میاں صاحب کے عہدہ جلیلہ پر خود کو متمکن ہونے کا سبب سمجھا،ابوالحسن کا گھر میرے لئے ایک ایسا گھر تھا جہاں مجھے کوئی اجنبیت محسوس نہ ہوتی تھی۔یہاں آکر اور درشہوار کی توجہ پا کر میاں صاحب کی عدم موجودگی کا غم مجھے کچھ کم ہوتا نظر آیا۔

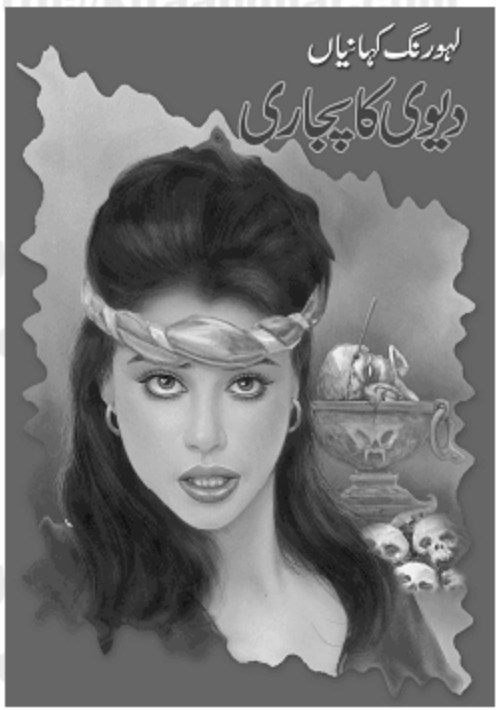

میاں صاحب کے وصال کے بعد میں نے ان کی جگہ سنبھال لی اور پوری توجہ اور انہماک سے میاں صاحب کے اس مشن کو جاری رکھا جو انہوں نے مجھے سونپا تھا۔ میرے شب و روز عبادت و ریاضت میں گزرنے لگے۔ اب عبادت میں مجھے لطف آنے لگا تھا۔ کوئی تمام دلجمعی اور استغراق کامل سے عبادت کرے تو اسے اپنا جسم اور اس کی گرانی محسوس نہیں ہوتی۔ جسم بے وزن ہو جاتا ہے اور لطافتیں فرد کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ میں نے عبادت کے نئے نئے تجربے کئے میں نے اپنے نفس کو مارنے کے لئے غذا کی مقدار کم سے کم کر دی اور روزے رکھنے لگا۔ صبح سے شام تک میرے حجرے کے سامنے عقیدت مندوں کا ایک ہجوم جمع رہتا۔ میں ہر شخص کی بات توجہ سے سنتا اور اس کے دکھ درد کو دور کرنے کے لئے دعا کرتا۔ شام ہوتے ہی میں ابوالحسن کی طرف چلا جاتا جہاں درشہوار میرے سامنے ہلکی غذا رکھ دیتی۔ عشاء کے وقت میں حجرے میں آ جاتا اور عبادت میں مصروف ہو جاتا۔ میں بعض اوقات رات رات بھر عبادت کرتا رہتا اگر سو جاتا تو طوطے علی الصبح مجھے بیدار کر دیتے۔ اپنی اس عبادت سے مجھ پر عرفان و ادارک کے دروازے وا ہوئے' میری بصارت اور وسیع ہو گئی اور میرا ذہن غیر معمولی باتوں کا ادارک کرنے لگا۔ میں لمحوں میں فرد کے باطن میں پہنچ سکتا تھا بشرطیکہ میں ایسا چاہوں۔ جیسے جیسے مجھے روحانی طاقتیں اور بصیرتیں ملتی گئیں' میرے اندر انہیں اور حاصل کرنے کی خود غرضی بھی بڑھتی گئی۔ میں نے عبادت میں خود کو اور وقف کیا اور روحانی علوم کا مطالعہ شروع کر دیا، وظائف اور بطور خاص اسم اعظم میں خود کو بہت مصروف کیا لیکن میں نے اب تک روحوں کو طلب نہیں کیا تھا۔ میاں صاحب نے مجھے ہدایت کی تھی کہ بلا ضرورت روحوں کو زحمت دینا مناسب نہیں۔ عجیب بات تھی کہ مجھے میاں صاحب سے سب سے زیادہ روحوں کو طلب کرنے اور انہیں قبضے میں کرنے کا عمل سیکھنے کا اشتیاق تھا۔ جب میں نے اسے سیکھ لیا تو کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ میں بھی روحوں کا اجلاس طلب کروں۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک نو وارد کو روحوں کی طلبی میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ میں اس دقت سے بھی گزر سکتا تھا مگر مجھے روحوں کی طلبی کی ضرورت ہی نہیں پڑی میں تو خود سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ میں اب ایک ایسا فرد تھا جس کا اس دنیا سے اتنا تعلق ہو کہ وہ اپنے تمام حواس سمیت اور عناصر کے متوازن اجتماع کے سبب موجود ہے ورنہ دنیا کی رغبتوں سے میرا کیا علاقہ تھا۔ میرے رفیق جن تھے میرے رہبر میاں صاحب تھے اور میرے اندر خدا سے رابطہ خاص پیدا کرنے کی تحریک کا سبب وہ مصیبت زدہ لوگ تھے جو صبح سے شام تک میرے پاس اپنے غموں کو دور کرانے آتے تھے۔ ان کی توقعات پوری کرنے کے لئے ضروری تھا کہ میں اپنے خدا سے رابطہ قائم رکھوں۔ میاں صاحب کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ قدرت کو بھی میری سرخروئی منظور تھی۔ جلد ہی میں پورے شہر اور اطراف میں میرا طوطی بولنے لگا۔ دور دراز سے لوگ مجھ سے ملنے آتے اور بامراد ہو کر واپس جاتے۔ اس عرصے میں میرا رفیق اکبر بھی متعدد بار آ چکا تھا۔ اکبر اپنے دوست کی اس سرفرازی کو دیکھ کر بہت مسرور تھا۔ صرف وہی ایک شخص تھا جس کو میں اپنی روحانی ترقیوں اور تجربوں کے بارے میں بتاتا رہتا۔ وہ جب بھی آتا میں اس سے بے تکلفی کے ساتھ پیش آتا' ہم گھنٹوں بیٹھے ایک دوسرے سے مذاکرہ و مباحثہ کرتے رہتے۔

ایک دن اکبر بہت اداس و دل گیر میرے پاس آیا میں نے اس سے اداسی کا سبب پوچھا تو وہ ٹالنے لگا میں جان گیا کہ اس کے ساتھ کاروبار میں کسی نے دھوکا کیا ہے اور اکبر کو غیر معمولی خسارہ اٹھانا پڑا ہے۔ میں نے اس سے کہا۔

''تم اتنی چھوٹی سی بات سے اداس ہو جس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے اسے درگزر کرو۔ اسی میں تمہاری عظمت ہے اور جاؤ جا کر نئے

سرے سے، نئی امنگ سے کام کرو۔"

اکبر میری باتیں سن کر بہت حیران ہوا اور اس نے کہا۔"ہاں شاہد ایک شخص نے میرے ساتھ بڑا دھوکا کیا ہے تم کہتے ہو تو میں بھول جاتا ہوں لیکن میں ان دنوں بہت نقصان میں آ گیا ہوں، تم میرے لئے دعا کرو۔"

"ہاں ہاں تم جاؤ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔"اور محنت سے کام کرو مجھے یقین ہے کہ تم بہت سرخرو ہو گے۔"

اکبر چلا گیا تو مجھے خیال آیا کہ میں نے اپنے اس عزیز دوست اور محسن کے لئے کچھ کیا ہی نہیں جب کہ میں بہت کچھ کر سکتا تھا۔ میں نے اسی وقت ابوالحسن کو طلب کیا اور انہیں اکبر کے بارے میں بتایا۔

ابوالحسن نے کہا۔"میں اکبر کو جانتا ہوں آپ بے فکر رہئے میں اس کے لئے کوئی انتظام کئے دیتا ہوں۔"

"مجھے اکبر کے معاملے میں خاصی دلچسپی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے حق دوستی ادا نہیں کیا۔ میں خود کو شرمسار محسوس کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں نہیں، آپ کو فرصت بھی کہاں ملی اکبر میاں کے متعلق سوچنے کی۔ بہر حال میں ابھی اس کی تلافی کئے دیتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اکبر میاں ایک دیانتدار اور شریف آدمی ہیں، ہمیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔" ابوالحسن نے نیازمندی سے کہا۔

مجھے نہیں معلوم کہ ابوالحسن نے اکبر کے سلسلے میں کیا کیا۔ مجھے اس امر کے جاننے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ایک ہفتے کے بعد اکبر آیا تو وہ بے حد مسرور تھا اس کا روپیا اسے حیرت انگیز طور پر واپس مل گیا اور ایک سودے میں اسے مزید آمدنی ہو گئی تھی۔ اکبر مجھ سے یہ کہہ رہا تھا۔"یقیناً یہ تمہاری کرامت ہے ورنہ ناممکن تھا کہ میرا روپیا واپس مل جاتا۔"

میں نے اسے کچھ نہیں کہا بس محنت اور دیانتداری سے کام کرنے کی تلقین کی۔ ابوالحسن کی توجہ سے اکبر دو تین ماہ میں خاصا مالدار بن گیا۔ وہ بار بار میرے پاس آتا اور اپنی خوشحالی کے واقعات سناتا، میں سنتا اور مسکراتا رہتا اور وہ بچوں کی طرح مجھے دیکھتا رہتا۔ جب میں لوگوں سے ان کے دکھ درد پوچھتا اور میری درازی عمر کی دعائیں کرتے تو اکبر کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ وہ گھنٹوں میرے پہلو میں بیٹھا خاموش مجھے لوگوں سے ہمکلام ہوتے دیکھتا رہتا۔ شام ہوتے ہی وہ چلا جاتا۔ اس نے بارہا اصرار کیا کہ وہ رات کو یہاں ٹھہر جائے مگر میں نے اسے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس نے ایک دو بار درشہوار کو دیکھنے کی تمنا کا اظہار کیا اور میں نے اسے ٹال دیا۔ میرا خیال تھا کہ درشہوار کو دیکھنے کی تاب اس میں نہ تھی کیونکہ وہ باہر کی دنیا کا آدمی تھا۔ وہ اپنے نفس کو اپنے ساتھ لئے آتا تھا اور میں اپنے اس بے قابو گھوڑے کی لگامیں تھامنے پر قادر تھا۔

میاں صاحب کی طرح میں بھی ہر ماہ کے آخری بدھ کو نشست جمایا کرتا تھا جس میں علم کے جویا مختلف مذاہب اور فرقوں کے لوگ شریک ہوتے۔ نوجوان سلیم جو مجھے اپنی بے لاگ گفتگو کی وجہ سے زیادہ پسند تھا اب بھی الحاد کی طرف مائل تھا۔ ایک طرف کونے میں بیٹھے ابوالحسن ایک بزرگ کی شکل میں نشست میں حصہ لیتے تھے۔ اونکار ناتھ بھی آتا تھا۔ وہی اس کی گستاخی کا انداز۔ وہی اس کی طنز آمیز گفتگو تھی وہی اس کے لہجے کی ناشائستگی تھی اور وہی اس کے غضبناک تیور تھے۔ وہ مجھے پہلے ہی سے ناپسند تھا اور میاں صاحب کے وصال کے بعد میں نے اسے ان نشستوں میں

آنے کی اجازت صرف اس وجہ سے دی تھی کہ میاں صاحب کی منشا یہی تھی ورنہ اس پنڈت کی زبان درازی اور اشتعال انگیز گفتگو اب کچھ زیادہ ہی ہوگئی تھی۔ میں ایک بات خاص طور سے محسوس کر رہا تھا کہ پنڈت اونکار ناتھ اب کچھ اور ہی طرح بڑھ چڑھ کر گفتگو کرتا تھا۔ علمی مباحث میں اس کا انداز بعض اوقات ایسا جارحانہ ہو جاتا کہ دوسرے حاضرین بھی محسوس کرتے۔ سلیم سے اس کی نوک جھونک خاصی رہتی۔ نشست کے دوسرے شرکا کے خیال میں اونکار ناتھ متعصب قسم کا پنڈت تھا جو میاں صاحب کو زیر کرنے کی ہر ممکن کوشش کر چکا تھا لیکن میاں صاحب مسکرا کر اس کی ہر گستاخی کو ٹال جاتے تھے۔ میں نے بھی یہی وتیرہ اختیار کیا۔ میں اونکار ناتھ کی زہریلی باتوں کو سنتا اور مسکراتا رہتا مجھے معلوم تھا کہ یہ بات اسے اور مشتعل کر دیتی تھی۔ وہ کچھ بدحواس سا ہو جاتا مگر وہ اتنا بے ادب اور بے قابو نہیں تھا کہ زبان اور لہجے کے زہر کے سوا اپنے کسی اور شدید تاثر کا بھی اظہار کر دیتا۔ وہ اپنی تمام بدحواسیوں کے باوجود خود کو قابو میں رکھنا جانتا تھا اور اپنی گزشتہ بدکلامیوں پر معذرت خواہ بھی ہو جاتا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ہم سب نشست میں اس کی گستاخیوں کو برداشت کر لیتے تھے مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ جلد ہی اونکار ناتھ سے کوئی بڑی تلخی ہونے والی ہے۔ میں اس سے بچنا چاہتا تھا۔ برداشت میں عظمت ہے۔ مجھے یہ قول یاد تھا کہ جس نے غصے کو روکا' قیامت میں خدا اس کے عذاب کو روکے گا اور میں نے یہ بھی سنا تھا کہ پہلوان وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مجھے یہ تربیت دی گئی تھی کہ سب سے بڑا گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے وہ غصے کا گھونٹ ہے چنانچہ میں اونکار ناتھ کو معاف کر دیتا تھا۔

لیکن ایک دن حد ہو گئی گزشتہ نشست کے کوئی پانچ روز بعد پنڈت اونکار ناتھ نے میرے علم و فضل اور روحانی طاقت کی آزمائش کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ وہ شخص شکل و صورت سے بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے حجرے میں داخل ہوا اور میرے قریب آ کر میرے پیر پکڑ لئے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ میں کسی اور الجھن میں مبتلا تھا۔ درشہوار نے مجھے آ کر بتایا تھا کہ اس کے باپ ابوالحسن کی طبیعت ناساز ہے۔ بہرحال میں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''روتے کیوں ہو بھائی مایوسی کفر ہے مجھے بتاؤ کہ تم پر کیا مصیبت پڑی ہے۔''

''میاں صاحب میں لٹ گیا ہوں برباد ہو گیا ہوں۔'' نووارد نے رقت انگیز آواز میں کہا۔ ''اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو میں برباد ہو جاؤں گا۔''

''اللہ پر بھروسا رکھو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''مجھے بتاؤ کہ ماجرا کیا ہے۔''

''میاں صاحب میرے پڑوس میں ایک سنگدل اور جابر آدمی رہتا ہے۔ اس نے مجھے ہمیشہ ستایا ہے اور کل رات تو اس نے میری عزت اور آبرو پر ڈاکا ڈال دیا۔ اس نے میری جوان بیوی اور بچے کو اغوا کر لیا ہے۔ میں ساری رات انہیں ڈھونڈتا رہا ہوں اور اب مایوس ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں' میری مدد کیجئے نہ جانے وہ ظالم شخص ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔''

مجھے اس مظلوم شخص کی کہانی سن کر اس پر بڑا ترس آیا۔ میں نے پہلے اسے تسلی دی اور پھر اصل صورت حال جاننے کے لئے گردن جھکا کر مراقبے میں چلا گیا اور پلک جھپکتے میں اصل بات سے آگاہ ہو گیا۔ جب میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا کر دیکھا تو نووارد شخص کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ بہت خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ مجھے بہت دنوں بعد شدید غصہ آیا۔ میں نے خود کو قابو میں رکھنا چاہا۔ ابوالحسن موجود نہیں تھے' نہیں تو وہ مجھے قابو

میں کر لیتے۔ درشہوار میرے پاس کھڑی تھی مگر نووارد اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ درشہوار نے میری جو یہ حالت دیکھی تو اچانک میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پہلی بار مجھے درشہوار کی یہ بات اچھی نہ لگی مگر میں نے خود کو کسی قدر سرد محسوس کیا اور میں نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے اس شخص سے کہا۔

''مردود اونکارناتھ سے کہنا بزرگوں سے مذاق کرنا اور انہیں چھیڑنا اچھا نہیں ہوتا۔''

نووارد حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگا۔ ''رحم میاں صاحب!'' وہ گڑگڑانے لگا۔ ''میں بے قصور ہوں۔ اونکارناتھ جی نے زبردستی مجھے اس کام کے لئے اکسایا تھا۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے ان کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو وہ مجھے تباہ کر دیں گے۔ میں مجبور تھا میاں صاحب خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے۔''

''تو جھوٹ بکتا ہے نابکار کیا تو نے پنڈت سے یہاں آنے کا معاوضہ وصول نہیں کیا' بدبخت جا اور اب اپنے ان مفلوج پیروں سے لڑھکتا ہوا جا اور کہنا اونکارناتھ سے کہ وہ تجھے اچھا کر دے۔''

میں نے بہت چاہا کہ صبر و تحمل سے کام لوں اور ضبط کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دوں لیکن اس وقت میری کیفیت میں بڑا غضب تھا۔ درشہوار بھی کھڑی کانپ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں التجا تھی کہ میں صبر و تحمل سے کام لوں مگر میں نے ایک جلالی وظیفہ پڑھا۔ میرے پھونک مارتے ہی نووارد فرش پر لوٹنے لگا' اس کے دونوں پاؤں اکڑ گئے پھر میں نے نوجوان فرقان جن کو حکم دیا کہ وہ اسے پہاڑی سے نیچے پھینک آئے۔

رات کو میں درشہوار کے ہاں ابوالحسن کو دیکھنے اور حسب معمول کھانا کھانے گیا تو میں نے اس واقعے کا تذکرہ ان سے کیا۔ انہوں نے ایک بار پھر مجھے یہی مشورہ دیا کہ میں پنڈت اونکارناتھ سے محتاط رہوں۔ دبی زبان میں ابوالحسن نے مجھے یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی کہ میں نے پنڈت کے کارندے کو سزا دے کر برا کیا۔ اس لئے میاں صاحب کی رفاقت نے مجھے جو کچھ بخشا تھا وہ لوگوں کی تکلیفیں دور کرنے کے لئے تھا نہ کہ انہیں تکلیفیں پہنچانے کے لئے۔ ابوالحسن کے کہنے پر مجھے خود بھی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے آئندہ کسی ایسے مرحلے پر خود کو متحمل اور مضبوط رکھنے کا عزم کر لیا۔ اونکارناتھ کے کارندے کا واقعہ شہر بھر میں مشہور ہو گیا کہ میاں صاحب کی بددعا کے سبب ایک شخص مفلوج ہو گیا۔ وہ رو رو کر ہر شخص سے یہی کہتا پھرتا تھا۔ ''جاؤ میاں صاحب سے میری غلطی معاف کرا دو؟۔ اس واقعے کا کچھ ایسا زور بندھا کہ دور دور سے لوگ پہاڑی پر جمع ہونے لگے اور میرے لئے انہیں وقت دینا مشکل ہو گیا۔ خدا نے میری زبان میں ایسی تاثیر دی تھی کہ میں جس کے لئے جو دعا مانگتا وہ پوری ہو جاتی۔

مہینے کے آخری بدھ کو حسب معمول پھر نشست جمی۔ میرا خیال تھا کہ اونکارناتھ اب اس نشست میں شریک نہ ہو گا مگر وہ اتنا غیرت مند نہیں تھا بڑی ڈھٹائی سے آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا اور ہم لوگ رسمی تمہید کے بعد مباحثے میں مصروف ہو گئے۔ اس دن بحث کا محور کچھ یوں تھا ''علم کے ذریعے فضائے بسیط کی مخفی قوتوں کا عرفان کہاں تک ممکن ہے۔'' پنڈت اونکارناتھ نے اپنے مذہب کی رو سے ایک مؤثر تقریر کی۔ اس نے کہا۔ ''ہمارے پاس سب کچھ آ سکتا ہے بشرطیکہ ہم اپنے اعصاب کو ان قوتوں کے جاننے کے سخت مرحلوں کا متحمل بنا لیں۔ کائنات کی بے شمار انوکھی چیزیں ہمارے قبضہ و قدرت میں آ سکتی ہیں اس کے لئے ارادے کی پختگی اور صحیح علم کے حصول کی شدت اور ذہن کی یکسوئی شرط ہے۔''

نوجوان سلیم جو عموماً اونکارناتھ پر جملے پھینکنے کا عادی تھا کہنے لگا۔ ''پنڈت جی آپ نے مختلف مباحثوں میں علوم روحانی کے متعلق بڑے

دعوے کئے ہیں لیکن ابھی تک آپ نے ان کا کوئی عملی مظاہرہ پیش نہیں کیا۔''

پنڈت نے برا منہ بنا کر کہا۔''اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ میں نے اپنی ریاضت کے سبب بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں تمہارے سامنے اس کا مظاہرہ کروں تو تم یہاں بیٹھ نہ سکو گے اور تم کیا میں یہی بات یہاں پر موجود ہر شخص کے لئے کہہ سکتا ہوں۔''

سارے حاضرین نے اونکار ناتھ کی اس بات پر میری طرف دیکھا۔ اس دن ابوالحسن کی آنکھوں میں بھی سرخی آ گئی تھی۔ میں نے بہت ضبط کا رویہ اختیار کیا اور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔''اور اس سے پہلے پنڈت جی اس پہاڑی پر ہونے والے غیر معمولی مظاہرے سے خود بھی خاصے لطف اندوز ہو چکے ہیں۔ کیا انہیں واقعات یاد دلانا ضروری ہیں؟''

''نہیں، نہیں۔'' پنڈت نے سنبھل کر کہا۔''انہیں یاد دلانے کی ضرورت نہیں۔ میاں صاحب کے پاس میں اس لئے آتا تھا کہ جو کچھ میرے پاس نہیں ہے، ان سے سیکھوں۔ مجھے شبہ تھا کہ میاں صاحب کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، وہ محض شعبدہ باز ہیں مگر وہ ایک بڑے بزرگ تھے۔ انہیں میں نے کئی بار پرکھا اور ہر بار وہ میری آزمائش پر پورے اترے مگر میں ان سے کچھ نہ سیکھ سکا اس لئے کہ میرے اور ان کے طریقہ کار میں بڑا تضاد ہے۔ مگر میاں صاحب کے جانے کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ علوم روحانی میں کم از کم اس علاقے کے اندر کوئی شخص اتنی مستند باتیں کر سکے جتنی میں۔ سلیم میاں!'' اس نے سلیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔''میاں صاحب کی اور بات تھی، ان میں بڑی برداشت تھی۔ انہوں نے ایک عمر کے بعد کچھ حاصل کیا تھا۔ میں تمہیں کل اپنی جگہ سونپ دوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم نے واقعی میری جگہ سنبھال لی۔''

مجھے معلوم تھا کہ وہ یہ طنزیہ گفتگو سلیم کو ڈھال بنا کر کس لئے کر رہا ہے۔ بہت دیر تک وہ بولتا رہا اور سلیم اسے چھیڑتا رہا ابوالحسن مجھے آنکھوں آنکھوں میں صبر و ضبط کی تلقین کرتے رہے مگر تلخی بڑھتی گئی۔ پنڈت اونکار ناتھ میری مستقل مسکراہٹ اور خاموش رویے سے غالباً یہ سمجھا کہ میرے دفاع میں یہی رویہ میرے لئے مناسب ہے چنانچہ وہ اور تیز ہو گیا اور اس نے میری ذات پر براہ راست حملے شروع کر دیئے یہاں تک کہ ابوالحسن میں تاب و ضبط نہ رہا اور انہوں نے اونکار ناتھ کو مخاطب کر کے کہا۔

''پنڈت جی بہت ہو چکا۔ آپ کو مہذب لوگوں میں بیٹھنا نہیں آتا۔ آپ ہمارے میاں صاحب کو مستقل ہدف بنا رہے ہیں۔ یہ بات ہم سب لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ ہم یہاں اس لئے جمع نہیں ہوتے کہ ایک دوسرے پر ذاتی نوعیت کے حملے کریں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنے رویے پر نظر ثانی کریں۔ بصورت دیگر میاں صاحب کے عتاب سے آپ بچ سکیں گے اور نہ ہم آپ کو بچا سکیں گے۔''

پنڈت اونکار ناتھ کا اس بات پر برافروختہ ہونا لازم تھا۔ اس نے قہر آلود نظروں سے ابوالحسن کو دیکھا اور نہایت اشتعال انگیز لہجے میں کہنے گا۔''میں کوئی چیلنج نہیں کر رہا۔ میں نے اگر ایسی کوئی بات کی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں تاہم میں میاں صاحب کے عتاب کو بخوشی قبول کروں گا۔ میاں صاحب کا اعتاب یقیناً میرے لئے لطف کا باعث ہوگا۔''

''مگر میں میاں صاحب کے کسی عتاب کے عمل سے پہلے آپ کو یہ مشورہ دوں گا کہ آپ روحانی طور پر پہلے سے اپنا دفاع کر لیں۔'' سلیم نے پنڈت سے نوکیلے انداز میں کہا۔

''میں اپنا دفاع کرنا جانتا ہوں۔ سلیم میاں، میں یہاں کبھی تنہا نہیں آیا۔ میرے ساتھ میرا علم میری ریاضت آتی ہے' میرے ساتھ ماورائی طاقتیں آتی ہیں۔ میں ہمیشہ مسلح رہتا ہوں اور میں اس بات کا منتظر ہوں کہ میاں صاحب مجھے اپنے عتاب سے نوازیں۔'' پنڈت نے دلیری سے جواب دیا۔

''خوب!'' سلیم نے کہا۔ ''میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اپنی ماورائی طاقتوں کا کوئی جلوہ ہمیں بھی دکھائیں۔ ہم نے آج تک بحثیں سنی ہیں روحانی قوتوں کا عملی مظاہرہ نہیں دیکھا۔''

میں اس دوران خاموش رہا ابوالحسن اور سلیم بولتے رہے۔ ان کی گفتگو سے پنڈت اونکارناتھ کا اشتعال کم نہیں ہوا اور بڑھ گیا۔ مجھے معلوم تھا وہ مجھ سے اس قدر ناراض کیوں ہے' مجھے یہ بھی علم تھا کہ آج وہ خطرناک ارادوں سے اس پہاڑی پر آیا ہے مگر چونکہ وہ میرے علاقے میں تھا اور میرے مہمان کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے میں نے اس کی باتوں سے حتیٰ الامکان درگزر کیا اور اس سے بڑے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''پنڈت جی تلخ ہونے کی ضرورت نہیں آپ آج تو بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں چھوڑیئے بھی۔''

''تلخیاں تو خود بخود پیدا ہوگئی ہیں شاہد میاں۔ ان لوگوں نے مجھے چیلنج کیا ہے' میں چاہوں گا کہ آپ میری ان گستاخیوں پر مجھے سزا دیں۔'' پنڈت نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے یہ دوستوں کی محفل ہے۔ اس میں آپس میں ایسی باتیں مناسب نہیں۔ ہم لوگ ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں' ہمیں بزرگوں کا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے' کچھ سیکھنا چاہئے کچھ سکھانا چاہئے۔'' میں نے بظاہر نرمی سے کہا لیکن میرے اندر ایک طوفان برپا تھا اور میں ابھی اسی لمحے پنڈت کو پہاڑی سے نیچے پھینک دینا چاہتا تھا۔

''سلیم میاں۔'' پنڈت نے طنطنے سے کہا۔ ''میاں صاحب نے مجھے معاف کر دیا۔ مگر میں تمہیں اپنی روحانی طاقتوں کا مظاہرہ ضرور دکھاؤں گا۔ ادھر دیکھو۔'' اس نے مشرقی جانب حاضرین کی توجہ مبذول کرائی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کچھ پڑھ کر زور زور سے جھٹکا۔ سامنے کی طرف دیکھتے ہی دیکھتے دھواں پھیل گیا۔ پنڈت کی نظروں میں خون ہی خون تھا وہ کچھ پڑھتا جاتا تھا اور زور زور سے ہاتھ جھٹک رہا تھا۔ ہم سب اس کے پُراسرار عمل کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دھواں سمٹنے لگا اور پوری پہاڑی کربناک چیخوں سے گونجنے لگی اور دھوئیں نے مختلف قسم کی عجیب وغریب شکلیں اختیار کرلیں۔ ہم نے اپنے سامنے ان گنت چھوٹے چھوٹے قد کے انسان نما جانور یا جانور نما انسان دیکھے جو پنڈت کے اشاروں پر ناچنے اور چیخنے چلانے لگے۔ ان کے دانت بڑے بڑے تھے اور شکلیں ایک دوسرے سے مختلف لیکن بہت مضحکہ خیز تھیں۔ جب اس مخلوق کا رقص شروع ہوگیا تو پنڈت نے میری طرف افتخار کی نظروں سے دیکھا۔ میرے چہرے پر اعتماد اور میرے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ کر یقیناً اسے اچنبھا ہوا ہوگا' تمام حاضرین نے بھی میری طرف دیکھا اور مجھے مسکراتا دیکھ کر بہت مطمئن ہوئے۔ سلیم جو وحشت زدہ انداز میں یہ خوفناک منظر دیکھ رہا تھا اس نے بھی سراسیمہ ہوکر مجھے دیکھا اور میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مطمئن کر دیا۔

''سلیم میاں یہ سب میرے اشارے کے منتظر ہیں' میں نے برسوں کی تپسیا کے بعد انہیں حاصل کیا ہے۔ تم نے میری طاقت کا اندازہ

لگایا۔ میرا خیال ہے اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیا تم اور اس تماشے کو دیکھنا چاہتے ہو یا میں اس ہجوم کو فضاؤں میں غائب ہونے کا اشارہ کروں یا میں اپنی تپسیا کے کچھ اور مظاہرے کروں۔''

سلیم نے کہا۔ ''ٹھیک ہے پنڈت جی میں نے دیکھ لیا کہ تم نے کیا حاصل کیا ہے۔ میں تمہارے اس تماشے سے یقیناً متاثر ہوا۔ میں اس کی کوئی سائنسی توجیہ کرنے کی کوشش کروں گا اور اس کے بعد تمہیں کچھ بتا سکوں گا۔ میں مادے کے غلبے کا قائل ہوں' تمہارا مظاہرہ دلچسپ ہے اور حیران کن بھی۔ میں اس کا مادی جواز ضرور تلاش کروں گا۔''

ابوالحسن اور سارے حاضرین کی نظریں مجھ پر تھیں کہ میں اس کے جواب میں کیا کرتا ہوں مگر میں خاموش رہا میں چاہتا تو پنڈت اونکارناتھ کو اپنے جلالی وظیفوں کا مظاہرہ کر کے حیرت زدہ کر دیتا یا میں پہاڑی پر بسنے والے جنوں کو حکم دیتا کہ وہ میرے سامنے صف بستہ کھڑے ہو جائیں اور اپنا اظہار اونکارناتھ پر کر دیں مگر میں نے اس مرحلے پر یہ مناسب خیال نہ کیا۔ میں نے غیر معمولی برداشت کا ثبوت دیا۔ پنڈت کے اشارے پر وہ مخلوق غائب ہو گئی تھی۔ پنڈت سربلند و سرشار نظر آتا تھا۔ شام کے قریب یہ نشست برخاست ہو گئی اور میں نے عصر کے بعد خود کو عبادت میں غرق کر دیا۔

شام تک میں سجدے میں پڑا رہا۔ مغرب کی نماز میں نے اپنے ساتھی اجنہ کے ساتھ پڑھی اور ابوالحسن کے گھر پہنچ گیا۔ درشہوار مجھ سے بہت بے جھجک ہوتی جا رہی تھی۔ ابوالحسن بعض اوقات اسے تنبیہہ کرتے کہ وہ میرا ادب کرنے میں مسلسل کوتاہیاں کر رہی ہے۔ یہاں دیر تک ہم تینوں پنڈت اونکارناتھ کے مظاہرے پر گفتگو کرتے رہے۔ ابوالحسن میری قوت برداشت پر بہت خوش نظر آتے تھے لیکن نہ جانے کیوں میں شام ہی سے مضطرب اور بے اطمینان سا تھا۔ میں نے عبادت میں پناہ چاہی' میں نے مراقبے میں اپنے آپ کو مصروف کیا۔ میں رات کو عشاء کے بعد دیر تک درشہوار کے ساتھ خلاف معمول چہل قدمی کرتا رہا' وہ میری ہر طرح سے دلجوئی کرتی رہی' ہم دونوں غیر متعلق گفتگو کرتے رہے ادھر ادھر کی۔ آخر میں نے اسے چھوڑا اور میں اپنے حجرے میں واپس آ گیا۔ طوطوں نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے ان کے پنجروں میں پانی ڈالا اور پنجرے تھپکا تا ہوا چارپائی پر دراز ہو گیا۔ میں سوچ رہا تھا' اپنے متعلق اپنی زندگی سے متعلق۔ میاں صاحب کے بارے میں اور اونکارناتھ کے سلسلے میں' اچانک مجھے خیال آیا کہ میں نے اب تک روحوں کی طلبی کا وظیفہ نہیں آزمایا ہے مجھے روحوں کو طلب کرنا چاہئے۔ لیکن میاں صاحب کے ارشاد کے مطابق روحوں کی طلبی کوئی آسان کام نہ تھا۔ ایک نو وارد کو شروع شروع میں بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے میاں صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ ابتدا میں مجھے اس کام میں بڑی تکلیف ہو گی' روحیں آسانی سے قابو نہیں آتیں۔ وہ اپنے قدیم جسموں میں آنے سے گھبراتی ہیں اور عالم بالا میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ ہاں چند بے قرار بے چین روحیں اس دنیائے فانی کے گرد چکر لگاتی رہتی ہیں جن کا تعلق اس دنیا سے کسی جذباتی اور روحانی سبب سے ہوتا ہے۔ روحوں کو بلانے کے عمل میں پورا انہماک درکار ہوتا ہے۔ اس کے لئے خوشبوؤں اور خاص قسم کے وظائف کی ضرورت پڑتی ہے۔ تخلئے میں یہ کام مکمل سکون اور کامل توجہ سے انجام دیا جا سکتا ہے۔ شروع شروع میں روحیں مہیب شکلوں میں آ کر عامل کو خوفزدہ کرتی ہیں اور عامل کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتی ہیں۔ خوف کا غلبہ عمل میں ناکامی کا سبب بن جاتا ہے۔

میں نے اس رات روحوں کو طلبی کا عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جو وظیفہ مجھے میاں صاحب نے بتایا تھا مجھے یاد تھا۔ میں نے میاں صاحب کی خوشبوؤں کو تلاش کیا' ایک تھالی میں کوئلے دہکائے اور خوشبوؤں کو اس پر چھڑکنا شروع کردیا۔ میں نے طوطوں کو ہاتھ کے اشارے سے مکمل خاموش رہنے کی ہدایت کی اور خشوع وخضوع سے اپنے وظیفے کا ورد شروع کردیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ ایک پُرسکون رات تھی۔ چاند تمام تر تابانی سے چمک رہا تھا۔ پرندے اپنے پنجروں میں خاموش تھے۔ میں خوشبوؤں کے دھوئیں کے درمیان ایک جلالی وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مجھے احساس ہوا جیسے کمرے میں اندھیرا چھانے لگا ہے۔ جیسے باہر ایک زبردست طوفان ساری پہاڑی کو تہ و بالا کررہا ہو۔ حجرے کی بند کھڑکی کے پٹ اچانک کھل گئے اور روشنی کا وہ واحد چراغ تیز طوفانی ہوا سے بجھ گیا۔ میں نے دوبارہ چراغ جلانے کی کوشش نہیں کی۔

روح زندہ جاوید ہے۔ روح تو جسم کے زنداں میں مقید رہتی ہے جب جسم ختم ہوجاتا ہے تو روح ابد کی وسعتوں میں گم ہوجاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ روح کی زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب مادی جسم اپنی سرگرمی ختم کردیتا ہے۔ میں اس وقت سخت روحانی کشمکش میں مبتلا تھا۔ روحوں کے متعلق میں نے میاں صاحب سے آخری نشستوں میں بحث کی تھی۔ میں نے میاں صاحب کے پاس روحوں کو آتے ہوئے بھی دیکھا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ روحانیت میں سب سے مشکل کام اس دنیا سے عالم بالا میں رہنے والی روحوں میں تعلق پیدا کرنا ہے۔ رات گزر رہی تھی اور مجھے کامیابی ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔ میں بڑے انہماک سے وظیفے کے ورد میں مشغول تھا۔ میری آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں اور مجھے محسوس ہورہا تھا جیسے وہ معمول سے زیادہ چمکدار اور سرخ ہوگئی ہوں۔

پھر اچانک طوطوں نے اپنے پنجروں میں پھڑپھڑانا شروع کردیا۔ حجرے میں پُراسرار قسم کی آوازیں در آنے لگیں۔ اندھیرا بڑھ گیا اور چنگاریاں سی میرے اردگرد منڈلانے لگیں۔ میں ان سے بالکل خوفزدہ نہیں ہوا بلکہ محتاط انداز میں اپنے عمل کو جاری رکھا۔ پھر مجھے کسی کے رونے کی آواز سنائی دی جیسے کہیں ماتم ہورہا ہو۔ دردناک چیخوں نے میری سماعت کو گھائل کرنا شروع کردیا۔ اس موقعے پر اگر میں ذرا سی بھی کوتاہی کرتا تو یہ ساری محنت اکارت جاتی۔

روحیں اپنی مرضی سے نہیں بلائی جاتیں۔ ہم اپنے علم کے زور سے انہیں حاضر ہونے پر مجبور کردیتے ہیں۔ یہ علم کی طاقت ہے جو ارواح کو پھر اجسام کی دنیا سے تعلق پیدا کرنے پر مجبور کردیتی ہے۔ میاں صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ روحوں میں انسانوں کی طرح مختلف مزاج اور طبیعت کی روحیں ہوتی ہیں۔ نیک و بد شریف و ذلیل۔ اس وقت میں جس روح کو طلب کرنا چاہتا تھا وہ وہی روح تھی جو میاں صاحب کے پاس ایک دوشیزہ کی شکل میں آتی تھی جس کا نام الماس تھا۔ حالانکہ میں سب سے پہلے اپنی والدہ کی روح سے بات کرنا چاہتا تھا مگر میں نے روحوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے الماس کو پہلے طلب کرنے کا ارادہ کیا لیکن الماس جو میاں صاحب کے ایک اشارے پر حاضر ہوجاتی تھی مجھے بڑے سخت امتحان میں ڈالے ہوئے تھی۔ میری حالت غیر ہوگئی تھی۔ دھوئیں کے سفید بادل عجیب عجیب شکلیں اختیار کرکے مجھے وظیفے میں ناکام بنانے کی سعی کررہے تھے۔ جب تیز ہوا کے جھکڑ' طوفان' آگ کے شعلے اور دھوئیں کے مرغولے مجھے آزما چکے تو میں نے محسوس کیا کہ سارا حجرہ لرز رہا ہے۔ طوطوں کو آواز نکالنے کی اجازت نہیں تھی لیکن ان کی پھڑپھڑاہٹ اور بے چینی بتارہی تھی کہ وہ اس صورت حال سے بہت زیادہ خوف زدہ

ہیں۔میں اپنا وظیفہ مکمل کر چکا تھا۔میں نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے ہاتھ بلند کئے اور چھت کی طرف گھور کر کہا۔"اے مقدس روح اب حاضر ہو جاؤ۔میں میاں صاحب کا نمائندہ ہوں اور انہوں نے مجھے تمہیں بلانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔اب آجاؤ اے پاک سیرت دوشیزہ۔مجھے تم سے ضروری کام ہے الماس اب آجاؤ۔"

میری آواز کے جواب میں کامل سکوت رہا۔طوطے بھی اب خاموش ہو چکے تھے' ہوا کا زور ختم ہو چکا تھا۔میں نے تھالی میں رکھے کوئلوں پر پھر خوشبو ڈالی اور چراغ جلا کر الماس کو آواز دیتا رہا۔چند لمحوں بعد حجرے میں خوشبو ہی خوشبو پھیل گئی اور دھوئیں کا ایک ہیولا میرے سامنے لہراتے لہراتے الماس کی شکل اختیار کر گیا۔وہی الماس جس کا حسن بے نظیر تھا۔آنکھیں جس کی نشیلی اور انداز جس کے شاہانہ تھے۔وہ میرے سامنے آکر جھک گئی۔

میں نے میاں صاحب والے لہجے میں اس سے کہا۔"اے روح الماس میں تجھے اس حجرے میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

الماس نے جھک کر مجھے جواب دیا۔

میں نے اپنی بات جاری رکھی۔"دوشیزہ الماس جیسا کہ تجھے معلوم ہوگا کہ میں اس علاقے میں میاں صاحب کا جانشین مقرر کیا گیا ہوں۔میاں صاحب نے مجھے روحوں کی طلبی کا سب سے مشکل وظیفہ بھی بتا دیا ہے۔میں سب سے پہلے اپنی ماں کی روح کو زحمت دینا چاہتا تھا۔ان کا انتقال میری عدم موجودگی میں ہوا تھا' میں انہیں دیکھ بھی نہیں سکا' مگر میں نے پہلے تجھے طلب کیا۔اس لئے کہ تو میاں صاحب کے طریقہ کار سے واقف ہے اور میں میاں صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی سعی کرتا ہوں۔کیا تجھے معلوم ہے کہ تجھے یہاں کس لئے طلب کیا گیا ہے؟"

"ہاں مجھے سب معلوم رہتا ہے آپ مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں اور روحوں کے متعلق کچھ حقائق جاننے کے لئے مضطرب ہیں۔"

"بے شک یہ صحیح ہے' تیری زبان شیریں اور تیرا انداز دلنشین ہے۔تو اپنی زبان سے روحوں کے متعلق کچھ بتا۔"

دوشیزہ روح کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔"جسم کی قید سے آزاد ہونے والی تمام روحوں کا اپنا ایک عالم ہے۔وہ جسم جو ازل سے اب تک پیدا کئے گئے اپنے اختتام کے بعد روح سے جدا ہو جاتے ہیں اور وہ تمام روحیں ابدی حیثیت رکھتی ہیں۔وہ عالم ارواح میں قیام پذیر ہیں۔جسم روح کا زنداں ہے' روح کی بہت سی غیر معمولی صلاحیتیں جسم کے قید خانے میں دب جاتی ہیں۔جب جسم کو شکست ہو جاتی ہے تو روح کو اس کا صحیح مقام ملتا ہے پھر روح میں ماورائی چیزوں کو سونگھنے کی حیرت انگیز قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔روح ادارک جسم سے اس کے انتقال کے بعد ہزار گنا بڑھ جاتی ہے لیکن یہ تمام روحیں دنیائے رنگ و بو سے بے نیاز ہوتی ہیں۔صرف کوئی گہری جذباتی وابستگی ہی انہیں عموماً اجسام کی دنیا میں لے جاتی ہے۔روحیں شکل و صورت رکھتی ہیں اور ضروری نہیں کہ ان کی شکلیں ان کے سابق جسموں کے مطابق ہوں۔ہاں جب انہیں کوئی اجسام کی دنیا میں طلب کرتا ہے تو وہ اپنی شناخت کے لئے اپنی قدیم اشکال میں نظر آجاتی ہیں کیونکہ وہ اس تبدیلی پر قادر ہوتی ہیں۔روح پر زمان و مکاں کے تغیرات اثر انداز نہیں ہوتے لیکن وہ اجسام کی دنیا سے علیحدہ ہو کر بھی اپنی پہلی زندگی کا گہرا اثر قبول کئے ہوتی ہیں۔زبان' انداز' عادات و اطوار اور دوسری خصوصیات میں ان کا امتیاز محض اس وجہ سے ہے کہ وہ عالم ارواح میں آنے سے پہلے مختلف علاقوں' فرقوں اور ذہنوں کے لوگوں میں تھیں۔اس لئے نیک و بد روحیں عالم ارواح میں موجود ہیں۔روحیں آسانی سے قابو میں نہیں آتیں کیونکہ جسم کی دنیا میں آمد انہیں پسند نہیں

ہوتی۔صرف علم وفضل ہی انہیں قابو کرتا ہے۔بہت کم لوگوں کو یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ وہ روحوں کو طلب کریں اور ان پر قدرت حاصل کرسکیں۔اس اعتبار سے آپ عام بزرگوں اور عاملوں سے یقیناً افضل ہیں۔''

میں دوشیزہ کی اس تقریر دل پذیر کو سنتا رہا۔مجھے عالم ارواح کے متعلق تمام حقائق پہلے سے معلوم تھے لیکن الماس کے لہجے میں شاہانہ تمکنت تھی۔اس کے ہاں ایک وقار تھا۔یقیناً وہ پہلے کسی شریف اور اعلیٰ خاندان میں پیدا ہونے والے جسم میں مقید ہوگی۔میں اس سے گفتگو کرتے رہنا چاہتا تھا۔مجھے اس روح سے گفتگو کر کے جو سکون قلبی حاصل ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔میں اس سے نہ جانے کیا کیا پوچھتا رہا اور وہ کسی زندہ جسم ،کسی خوب صورت دوشیزہ کے نرم وگداز لہجے میں مجھ سے باتیں کرتی رہی پھر میں نے پوچھا۔''اے نیک دوشیزہ الماس کیا میرے حکم پر تو میری ہر خواہش پوری کرنے پر قادر ہے۔''

الماس نے جواب دیا۔''ہاں مگر روحوں کی بھی معینہ ومقررہ صلاحتیں ہیں گو وہ زندہ انسانوں سے بہت زیادہ ہیں تاہم مجھے آپ کا ہر حکم بجا لانے میں مسرت ہوگی۔میں اس وقت تک آپ کے احکام کی بجا آوری کرتی رہوں گی جب تک دوسری ماورائی طاقتیں میرے آڑے نہ آئیں۔''

''دوسری ماورائی طاقتوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔''میں نے تشویش سے پوچھا۔

''دوسروں کا علم وفضل،دوسری طاقتور روحیں اور کائنات میں خالق کائنات کے پیدا کئے ہوئے ان گنت مظاہر کسی وقت بھی مجھے آپ کے حکم سے باز رکھ سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔''میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔''مجھے معلوم ہے اس کائنات میں ہماری حیثیت کچھ نہیں' ہم جو کچھ ہیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔الماس!''میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔''اصل میں' میں نے تمہیں اس لئے طلب کیا تھا کہ میں اپنے ماں باپ اور بہن کی روح سے ملنا چاہتا ہوں۔کیا تم اس کا انتظام کردو گی؟''

''یہ آپ کا حکم ہے۔''الماس نے جواب دیا۔''میں چند ساعتوں بعد انہیں تلاش کر کے آپ کے پاس لے آتی ہوں۔''یہ کہہ کر وہ دھوئیں میں تبدیل ہوئی اور غائب ہوگئی۔میں نے درمیان کا وقفہ بڑے اضطراب میں گزارا۔میں اسی طرح بیٹھا رہا مجھے معلوم تھا کہ الماس کو زیادہ دیر نہیں ہوگی۔یہی ہوا بھی الماس میرے باپ کی روح کے ساتھ تھوڑی دیر میں آگئی۔اپنے باپ کو اپنے سامنے دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔کوئی اور ہوتا تو مرے ہوئے باپ کو اس حالت میں دیکھ کر لرز جاتا لیکن مجھے کوئی حیرت نہیں ہوتی۔

میں بے اختیار ہو کر انہیں پکارنے لگا۔وہ مجھے عجب حلئے میں نظر آئے۔پریشان پریشان' خاموش خاموش۔جب انہوں نے مجھے دیکھا تو ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔میں نے انہیں سلام کیا اور اپنی روحانی ترقی کے بارے میں بتایا۔اس پر وہ بہت مسرور ہوئے۔انہیں دیکھ کر مجھے بیرسٹر راشد حسین یاد آگیا جس کی وجہ سے ہمارا پورا گھر تباہ ہوگیا تھا۔میں نے ان کے سامنے بیرسٹر راشد حسین کا تذکرہ کیا تو انہوں نے مجھے درگزر کرنے کی تلقین کی اور مجھے دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوگئے۔میں نے انہیں زیادہ دیر روک کر زحمت نہیں دی۔میں تو ان کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔میں نے ان کی صورت دیکھ لی یہی بات میرے لئے غنیمت ہے۔

پھر میری ماں میرے پاس آئی۔اس کا انداز وہی والہانہ تھا۔اسے دیکھ کر مجھے بہت رونا آیا۔میری ہچکیاں بندھ گئیں۔میرا جی چاہا میں اس سے گلے مل کر بہت روؤں' میں اپنی زندگی ختم کرلوں اور اپنی ماں کے پاس چلا جاؤں مگر میری ماں نے مجھے تلقین کی کہ عالم ارواح سے زیادہ بے بس انسانوں کو میری ضرورت ہے۔وہ بھی میری اس کامیابی پر بہت نازاں تھی۔اپنی ماں کو دیکھ کر میری کیفیت بدل گئی۔مجھے الماس کی موجودگی کا خیال بھی نہ رہا' میں بالکل بچہ بن گیا۔میں نے ماں سے کہا''اماں تمہیں دیکھ کر میرے زخم تازہ ہوگئے ہیں۔ہم لوگوں کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔''

میری ماں نے بے تابی سے اپنے منہ پر انگلی رکھی اور کہنے لگی۔''نہیں منو(منو میرے بچپن کا نام تھا) میری جان اب بدلہ لینے کی ضرورت نہیں۔خدا نے اس کے بدلے تمہیں فضیلت کے اس راستے پر ڈال دیا یہی بہت ہے۔تم ہمارے گناہوں کو بخشوانے کا سبب بن گئے ہو۔خدمت میں عظمت ہے منو۔انسانوں کی خدمت کئے جاؤ اسی میں بڑائی ہے۔''

میں نے اشتیاق سے کہا۔''ماں میں تمہیں گاہے گاہے زحمت دیا کروں گا۔''

میری ماں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ مجھ سے گاہے گاہے ملنے آیا کرے گی اس کے بعد وہ بھی رخصت ہوگئی۔

مگر جب میری بہن آئی تو میری قوت برداشت جواب دے گئی۔اس کا حال ابتر تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اسے سکون نہیں ملا۔اس کے چہرے پر آج بھی ماضی کی تلخ یادوں کا سایہ لرز رہا تھا۔مجھے پلکیں جھپکائے بغیر وہ یوں گھورتی رہی جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔اس کا لباس تار تار تھا جیسے اسے کسی نے نوچا کھسوٹا ہو۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔وہ مجسم احتجاج تھی اور اسی لباس میں تھی جب غنڈوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔

''میری پیاری بھنو۔''میں نے روتے ہوئے کہا۔''یہ میں ہوں تمہارا بھائی۔قسمت نے یہی فیصلہ کر دیا تھا کہ ہم دونوں جب ملیں تو اس طرح ملیں' میں شاہد ہوں زمانے نے مجھے اور تمہیں دونوں کو عزت سے رہنے نہیں دیا۔تمہیں اس حالت میں دیکھ کر تو میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔میں تمہاری روح کو ضرور سکون پہنچاؤں گا۔مجھے بتاؤ وہ کون درندے تھے جنہوں نے تمہیں داغدار کیا' مجھے بتاؤ میں اس سارے محلے کو جلا دوں گا۔''غصے اور رقت سے میری آواز بھرا گئی۔

میری بہن نے اپنی تباہی کی ایک دلگداز داستان ہچکیوں کے درمیان سنائی جو مجھے کسی قدر اکبر کی زبانی معلوم ہو چکی تھی۔میں یہ شرمناک واقعہ یہاں نہیں لکھ سکتا۔بس میرا یہ خونین روداد سن کر اپنے حجرے میں بیٹھنا مشکل ہوگیا۔میں نے اپنی بہن کو یہ کہہ کر رخصت کیا۔''اب جب تک میں تمہارے اوپر بری نگاہ رکھنے والوں سے انتقام نہیں لوں گا اس وقت تک تمہیں پھر یہاں نہیں بلاؤں گا۔اب میں سرخرو ہو کر ہی تمہیں بلاؤں گا۔''

اور میری بہن بھی چلی گئی۔چند لمحوں میں' میں اپنے والدین سے مل لیا۔الماس بھی رخصت ہوگئی میں حجرے میں بیٹھا رہا۔پوری رات میں نے یونہی گزار دی۔میرے اندر زبردست کشمکش جاری تھی۔میری عقل اور میرا علم مجھے برداشت اور ضبط کی تلقین کرتا تھا اور میرا دل عقل اور علم کی نفی۔وہ ساری رات میں نے کرب میں گزار دی۔اپنے والدین اور بہن سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ میں جس بنیادی مقصد کے لئے میاں صاحب کی اس

پہاڑی میں داخل ہوا تھا وہ تو بھول ہی گیا۔

میں نے اپنا محاسبہ کیا۔ میں' شاہد علی ایک شخص جو اپنی عمر کا بڑا حصہ گزار چکا تھا جس نے اپنی زندگی کے بہترین دن جیل میں گزار دیئے تھے جس کے ساتھ کتوں کا سا برتاؤ کیا گیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کیا حاصل کیا کچھ بھی تو نہیں' مجھے خود کیا ملا۔ میں سوچتا رہا میں نے خود پر خود کو قربان کر دیا۔ میں نے نفس کشی کی اور تجرد کی صبر آزما زندگی اختیار کی۔ میں نے دس سال عبادت و ریاضت میں گزار دیئے۔ میں صرف دوسروں کے کام آتا رہا۔ خود میں نے اپنے لئے کیا کیا۔ میرا نفس بغاوت پر آمادہ تھا۔ علی الصباح طوطوں نے مجھے اٹھایا کہ فجر کا وقت ہو چکا ہے۔ میں نے فجر کی نماز پڑھی نماز کے بعد میرے مشتعل جذبات کسی قدر سرد ہوئے۔ میں سجدے میں پڑا رہا تا آنکہ ابوالحسن نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے نہیں اٹھایا۔ ابوالحسن نے میری سرخ آنکھیں دیکھ کر میرا حال پوچھا۔

''ابوالحسن میں اپنی زندگی کی سخت ترین کشمکش میں مبتلا ہوں تم نے میری قدم قدم پر رہنمائی کی ہے مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔'' میں نے ایک بچے کی طرح کہا۔

''آپ' آپ ایک بڑے بزرگ ہیں میں' آپ کا غلام ہوں میں اب آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں' بزرگوں کو مشورے نہیں دیئے جاتے ان سے مشورے لئے جاتے ہیں لیکن مجھے بتایئے کہ آپ کو کیا پریشانی ہے۔''

''ابوالحسن رات ہم نے اپنے مرحوم والدین اور بہن کی روحوں کو زحمت دی تھی۔ انہیں دیکھ کر ہماری قوت برداشت جواب دے گئی ہے۔ ہم پر بہت ظلم ہوا ہے ابوالحسن، کسی نے برے وقت میں ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ میرا دل بیرسٹر راشد حسین اور ان ظالموں سے جنہوں نے میری معصوم بہن کو تباہ کیا۔ انتقام لینے کو چاہتا ہے مگر مجھے معلوم ہے یہ سب غلط ہے۔ خدا انصاف کے لئے موجود ہے۔ پر ایک کشمکش جاری ہے مجھے اس وقت تک سکون نہیں ملے گا جب تک میں انہیں ختم نہ کر ڈالوں۔ ابوالحسن ہماری رہنمائی کرو۔''

ابوالحسن نے وہی کہا جو وہ کہہ سکتے تھے۔ ''درشہوار نے آ کر میرے ذہن کے فساد کو روکنا چاہا' اس نے مجھے عظمت و فضیلت کے حوالے دیئے۔ مجھے اپنا اعلیٰ مقام یاد دلایا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میرے پاس کیسی کیسی طاقتیں موجود ہیں۔ جن میرے غلام ہیں' روحیں میرے قبضے میں ہیں۔ میری زبان میں تاثیر ہے۔ میں نے آخرت میں اپنے لئے بہت کچھ کما لیا ہے۔ درشہوار نے مجھ سے بے پناہ لگاؤ کا اظہار کیا' ایسے لگاؤ کا اظہار جو اس نے اب تک مجھ سے نہیں کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اس کی یہ حالت حیرت سے دیکھتا رہا اور میرے دل میں نامعلوم سے جذبے بیدار ہوئے۔ میں نے درشہوار کو پوری طرح دیکھا۔ وہ حسین و جمیل لڑکی حور شمائل' بت طناز' زہرہ جمال' پری پیکر' دوشیزہ میرے لئے رو رہی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''دری! میں نے جذبات بھرے لہجے میں کہا۔'' دری میرے پاس سے چلی جاؤ۔ میرا نفس مجھے ورغلا رہا ہے میں تمہارے زہد شکن حسن سے متاثر ہو رہا ہوں چلی جاؤ تم بہت حسین ہو میری فضیلت سے زیادہ برتر تمہارا حسن ہے۔''

میرے ان کلمات پر درشہوار کے چہرے پر کئی رنگ آئے اس نے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور وہاں سے چلی گئی۔ جب وہ چلی گئی تو میں پھر تنہا رہ گیا اور مجھ پر اپنے سرکش جذبات کا غلبہ ہو گیا جو گزشتہ رات سے مجھے پریشان کئے ہوئے تھے۔ دن چڑھنے لگا تھا اور لوگوں کی آمد پہاڑی پر

شروع ہو چکی تھی مگر میں نے آج ان سب سے ملنے سے انکار کر دیا۔ ابوالحسن نے مجھے آ کر سمجھایا۔ جنوں کا ایک پورا غول میری عیادت کو آیا۔ میں نے ان سب کو اپنے حجرے سے باہر نکال دیا لوگ شام تک میرے انتظار میں بیٹھے رہے۔ میں حجرے سے باہر نہیں گیا یقیناً وہ سب میری اس اچانک تبدیلی پر حیران ہوں گے ابوالحسن نے بڑی مشکل سے انہیں رخصت کیا۔ عقیدت مند مجھے ایک نظر دیکھ لینے کے لئے ابوالحسن سے لڑنے لگے۔ اندر میں باہر کی تمام آوازیں سن رہا تھا۔ پورا دن میں نے تنہائی میں گزارا اور ان خیالات میں ڈوبا رہا جو رات سے میرے ذہن پر حاوی آ گئے تھے۔

میں شام کو ابوالحسن کی قیام گاہ پر نہیں گیا۔ میں نے مغرب اور عشاء کی نماز بہت دنوں بعد تنہائی میں ادا کی۔ رات ہوئی تو میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا وہی فیصلہ جو میری عمر کا کوئی شخص بھی ایسے حالات میں کرتا۔ میں نے اپنے انتقام کے لئے ذہن میں دلیلیں تراش لی تھیں جب تک میں ان ظالموں کو ان کے کئے کی سزا نہیں دوں گا میری عبادتوں میں خلل آتا رہے گا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ ان لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد میں کامل سکون سے عبادت میں لگ جاؤں اور اگر یہ کوئی گناہ ہے تو میں اپنے خدا سے باقی تمام زندگی اس کی معافی چاہنے میں گزار دوں گا۔ رات کو میں نے وہی جلالی وظیفہ پڑھا۔ جس سے الماس آ جاتی تھی' کل کی طرح مجھے الماس کو بلانے میں کوئی پریشانی نہیں اٹھانا پڑی بہت آسانی سے میں نے الماس کو طلب کر لیا اس نے آتے ہی مجھ سے پوچھا۔

''میرے لئے کیا حکم ہے؟''

''مجھے بیرسٹر راشد حسین کے بارے میں بتاؤ۔''

الماس ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی۔ ''بیرسٹر راشد حسین بہت آسودہ زندگی گزار رہا ہے' اس کی دو لڑکیاں اور دو بیویاں ہیں۔ ایک لڑکی سمندر پار اپنے شوہر کے ساتھ ہے اس کا نام رشیدہ ہے۔ دوسری لڑکی ثمینہ زیر تعلیم ہے' رشیدہ دو بچوں کی ماں بن چکی ہے اور اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔ راشد حسین ایک عیاش طبع اور ظالم شخص ہے وہ.....''

''بس بس۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''رشیدہ کو سمندر پار سے اس شہر میں بلا لو۔''

''اس میں وقت درکار ہوگا۔'' الماس نے کہا۔

''ٹھیک ہے الماس' میں اس خاندان کو تباہ حال دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں انہیں سزا دینا چاہتا ہوں بیرسٹر راشد حسین کو اس کی بداعمالیوں کی سزا۔ یہ سزا طویل اور بہت شدید ہونی چاہئے۔'' میں نے غصے میں کہا۔

الماس کے چہرے پر ابھرنے والا اضطراب اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اسے میرے حکم پر حیرت ہوئی ہے وہ گنگ سی کھڑی مجھے تکتی رہی' میں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

''سنا تم نے؟''

''میں سن چکی ہوں اے نیک بزرگ۔'' الماس نے اداسی سے جواب دیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے حسین چہرے پر ہزاروں پریشان تاثرات ابھر آئے ہیں۔

''یہ سزا ثمینہ سے شروع کی جائے' ثمینہ کی عمر وہی ہے جو میری بہن کی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ بیرسٹر راشد حسین اپنی رسوائی کا تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھے۔''

''میں آپ کے حکم کی تابع ہوں۔'' الماس نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

روح الماس کو رخصت کرنے کے بعد میں سو گیا۔ فجر کے بعد درشہوار میرا ناشتہ لے کر آئی اس نے میرا حال پوچھا تو میں نے کسی قدر مطمئن لہجے میں کہا۔

''دری' ہم نے تمہارا کہا نہیں مانا۔ ہم نے اپنے علم و فضل کا بھی کہا نہیں مانا۔ اس لئے کہ ہم اگر جبر کر لیتے تو ہمیشہ ہمارے سینے پر بوجھ رہتا۔''

درشہوار نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ جیسے اسے میرے اس جملے سے تکلیف پہنچی ہو۔ آج اس نے کچھ نہیں کہا۔ ناشتے کے برتن لے کر خاموش خاموش چلی گئی، میں نے صبح سے شام تک لوگوں سے ملاقات کی اور ہشاش بشاش رہا۔ شام کو میں ابوالحسن کے گھر بھی گیا۔ رات کو میں نے الماس کو طلب کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بیرسٹر راشد حسین کی لڑکی ثمینہ اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہے۔ میں نے اسے جلد ہی دوسرے کسی حکم کے بغیر رخصت کر دیا اور رات کو پھر میں اطمینان سے سو گیا۔

کئی دن گزر گئے۔ رات کو الماس میرے پاس آتی رہی اور ثمینہ کا احوال بیان کرتی رہی لیکن دلچسپ بات کا پتا تو مجھے اپنے دوست اکبر سے چلا۔ اکبر اس دن کچھ گھبرایا اور پریشان نظر آ رہا تھا۔

میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اکبر نے افسوسناک لہجے میں کہا۔

''آج میری ان گناہ گار آنکھوں نے جو منظر دیکھا ہے اس نے مجھے پریشان کر دیا۔ سچ ہے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔''

''کیا کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے۔'' میں نے سرسری طور پر دریافت کیا تو اکبر بولا۔

''شاہد میاں آج میں نے بیرسٹر راشد حسین کی چھوٹی لڑکی ثمینہ کو دیکھا تھا۔''

اکبر کی زبانی ثمینہ کا نام سن کر میں پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگا۔ اکبر نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''خدا دشمن کو بھی ایسی ذلت اور رسوائی نصیب نہ کرے جیسی آج راشد حسین کی ہوئی ہے۔''

''ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ اصل معاملہ کیا ہے۔'' میں نے اکبر کو کریدتے ہوئے پوچھا۔

''ثمینہ کا ذہنی توازن خراب ہو گیا ہے۔ آج اس پر دیوانگی کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ وہ اپنے کپڑے تار تار کر کے سڑک پر نکل آئی ہزاروں آدمیوں نے اسے سڑک پر کھڑے ہو کر واہی تباہی بکتے دیکھا۔ راشد حسین بڑی مشکلوں سے اسے گھر لے جانے میں کامیاب ہو سکے۔ پورے شہر میں بس اسی ایک بات کا چرچا ہو رہا ہے۔ راشد حسین گھر میں منہ چھپائے اپنی رسوائی پر آنسو بہا رہے ہیں۔'' اکبر نے اتنا کہہ کر ایک ٹھنڈی سانس لی پھر بولا۔ ''اس نے تمہارے خاندان والوں کے ساتھ جو ظلم کیا تھا' اب وہ اس کے آگ آ رہا ہے۔''

اکبر کی زبانی ملنے والی اس اطلاع پر مجھے جتنی خوشی ہوئی اس کا اندازہ میرے سوا کوئی اور نہیں لگا سکتا لیکن میں نے دیدہ دانستہ اپنے چہرے سے خوشی کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ مجھے اکبر کی طبیعت کا بخوبی علم تھا اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ راشد حسین پر وہ افتاد میری وجہ سے پڑی ہے وہ تو یقیناً میرے سر ہو کر یہی کہتا کہ میں اپنا عتاب واپس لے لوں' میں خاموش ہی رہا۔

''خدا کسی دشمن کی بھی نوجوان لڑکی کو اس طرح سر بازار رسوا نہ کرے۔'' اکبر نے ثمینہ کے سلسلے میں اپنی ہمدردی کا اظہار کیا تو میں چپ نہ رہ سکا۔ بمشکل تمام اپنا غصہ ضبط کر کے بولا۔

''کیا تمہیں میری مرحوم بہن سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ جس پر آفت راشد حسین کے ہی سبب آئی تھی' وہ بھی تو اسی طرح رسوا ہوئی تھی بلکہ اس سے زیادہ۔''

''وہ صرف تمہاری نہیں میری بھی بہن تھی۔ شاہد میاں خدا کسی کو بھی اس قدر رسوا نہ کرے۔''

اس خیال سے کہ کہیں اکبر اپنی ہمدردی کے جذبے کے تحت ثمینہ کے سلسلے میں مجھ سے کسی مدد کی درخواست نہ کر بیٹھے میں نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔ اکبر خاصی دیر تک بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا' مجھے اپنے کاروبار کے بارے میں بتاتا رہا جو روز بروز ترقی کر رہا تھا مگر جب بھی وہ ثمینہ کا ذکر چھیڑتا۔ میں اسے دوسری باتوں میں الجھا دیتا۔ اکبر چلا گیا تو میں نے سکون کا سانس لیا مجھے ابھی رشیدہ اور اس کے شوہر کا انجام دیکھنا تھا۔

رات کو جب میں نے الماس کو طلب کیا تو اس نے مجھے بتایا کہ بیرسٹر راشد حسین تمام بڑے ڈاکٹروں اور عاملوں کو دکھا چکا ہے لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ میں اپنی اس طاقت پر جس قدر بھی خوش ہوتا کم تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس علاقے میں کوئی شخص ایسا نہیں جو ثمینہ کے ذہنی توازن کو درست کر سکے یہ میری فضیلت کی تصدیق تھی۔ روزانہ میں الماس سے ثمینہ کا احوال سنتا رہا۔

لیکن ایک شب مجھے الماس نے بتایا کہ ثمینہ درست ہو چکی ہے۔

''ثمینہ ٹھیک ہو چکی ہے۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''یہ کس طرح ممکن ہوا۔''

''اسے ایک پنڈت نے ٹھیک کر دیا ہے۔ اس کے پاس غیر معمولی طاقتیں ہیں وہ اپنے مذہب کا ایک پہنچا ہوا عالم ہے۔ اس کے پاس بہت سے منتر اور روحوں کے ابتلا کا توڑ ہے۔'' الماس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''وہ کون پنڈت ہے؟ اس کا نام ہے؟'' میں نے تشویشناک انداز میں پوچھا۔

''اس کا نام اونکار ناتھ ہے۔''

''اونکار ناتھ۔'' میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''اونکار ناتھ نے اسے درست کر دیا۔ نہیں' نہیں وہ ایک معمولی پنڈت ہے اسے جادو منتر آتا ہے۔ الماس کیا یہ صحیح ہے؟''

''میں جو کچھ کہہ رہی ہوں درست ہے۔ جب سب لوگ ناکام ہو چکے تو بیرسٹر راشد حسین نے اسے ثمینہ کو دکھایا اور اس نے اس کا توڑ کر لیا۔''

''کیا اب تم کچھ نہیں کر سکتیں۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔

''یقیناً میں سب کچھ کر سکتی ہوں مگر اونکارناتھ پھر اس کا توڑ کر دے گا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک آپ ہی کوئی قدم نہ اٹھائیں' مجھے معلوم ہے کہ آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔''

''تم جا سکتی ہو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

پنڈت اونکارناتھ میرے ذہن پر اس طرح چھایا کہ میں اس رات کچھ سوچ ہی نہ سکا۔ اونکارناتھ نے ایک بار پھر مجھے چیلنج کیا تھا۔ مجھے اسے بتانا ہی ہوگا کہ میاں صاحب نے مجھے کیا بخشا ہے۔ میں کیا ہوں' یہ پنڈت تو گریبان تک آ رہا ہے' اب درگزر کرنے اور برداشت کرنے کا وقت گیا۔ اگر یہی صورت رہی تو یہ پنڈت سر پر چڑھتا آئے گا۔ میں نے فجر کے بعد ایک اور وظیفہ شروع کیا جب تک پہاڑی پر لوگ جمع نہیں ہو گئے میں یہی ورد کرتا رہا۔ میرا ناشتہ درشہوار رکھ کر چلی گئی تھی۔ کوئی سات بجے میں حجرے سے باہر آیا۔ مجھے یقین تھا کہ ثمینہ پھر اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہوگی۔ اونکارناتھ آج شام یا کل صبح تک میری مدد لینے ضرور آئے گا اس کا مجھے یقین تھا۔

پہاڑی پر حسب معمول لوگوں کا ہجوم تھا میں جب حجرے سے باہر آیا تو روزانہ آنے والے دو عقیدت مند رحیم خان اور شمشیر علی نے بے تابانہ سب سے پہلے اٹھ کر میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ تھوڑی دیر پہلے جس مجمعے میں ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں اب وہاں میری آمد کے بعد مکمل خاموشی تھی۔ میں نے ایک طائرانہ نظر مجمع پر ڈالی۔ جتنی نگاہیں جو میری سمت اٹھی ہوئی تھیں جھک گئیں میں نے اپنے لئے یہ عقیدتیں دیکھ کر دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور دعا مانگی۔ ''اے کائنات کے خالق اے خدا! کوئی شبہ نہیں جسے تو چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔ اے میرے پروردگار میرے قلب کو اپنے نور سے منور رکھ۔ مجھے راستی کی توفیق دے اور ان مصیبت زدہ لوگوں کے دکھ درد دور کر۔ یہ لوگ میرے پاس بڑی امیدیں لے کر آئے ہیں۔'' اپنے دل میں یہ دعا مانگ کر جب میں ایک مونڈھے پر بیٹھ گیا تو رحیم خان اور شمشیر علی نے روزانہ کے مطابق حاضرین کو صبر و تحمل کی تلقین کی۔ میاں صاحب کے زمانے سے ان دونوں نے ازخود یہ کام سنبھال لیا تھا۔ مجمعے میں خاموشی' سکون اور نظم برقرار رکھنے کا کام انہی کا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا تھا کہ انہوں نے ناغہ کیا ہو۔ ان کی عدم موجودگی میں ابوالحسن یہ کام کرتے تھے ویسے ابوالحسن عام طور پر ان لوگوں کے سامنے ہی رہتے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ابوالحسن ایک بزرگ جن ہیں اور صرف ابوالحسن ہی نہیں اس پہاڑی پر بسنے والے بہت سے جن مجمعے میں شامل ہو جاتے۔ رحیم خان اور شمشیر علی کے رویے سے آج تک کسی کو شکایت نہیں ہوئی تھی۔ شام کو یہ دونوں عام لوگوں کے ساتھ واپس چلے جاتے' آنے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو صرف عبادت کرنے یہاں جمع ہو جاتے۔ یہ سب میرے اشارے کے منتظر رہتے اور ہزار بہانے میری خدمت کے ڈھونڈتے۔ میاں صاحب کے منع کرنے کے بعد کہیں یہ لوگ باز آئے تھے۔ ورنہ یہاں کوئی پھول لے کر آتا کوئی نذرانے' کوئی چڑھاوا۔ یا ان کی ضرورت کی کوئی چیز۔ میاں صاحب کے وصال کے بعد ان لوگوں نے یہ سلسلہ میرے ساتھ بھی شروع کیا مگر میں نے سختی کے ساتھ تاکید کر دی تھی کہ یہ پہاڑی نذرانے پھول اور تحفے تحائف کی جگہ نہیں ہے' صرف محبتیں کافی ہیں' صرف عقیدتیں بہت ہیں۔ سو میں نے وہ آنکھیں دیکھی ہیں جن میں میرے لئے فنا ہونے کی آمادگی موجود ہوتی اور میں نے وہ چہرے دیکھے ہیں جو میرے چہرے کے تاثرات سے چمک پاتے یا

مرجھا جاتے۔ میرے یہ لوگ' میرے لئے جیتے مرتے تھے۔ کون اس دنیا میں کسی سے اتنا ربط رکھتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میری تخلیق ان لوگوں کے لئے ہوئی ہے جب میں ان ستم رسیدہ لوگوں کے ساتھ بیٹھتا تو ان کا ہو جاتا اور مجھے محسوس ہوتا کہ میں ایک عظیم مقصد کی خاطر زندگی گزار رہا ہوں۔ میرے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھتے تو روتی ہوئی بوڑھی عورتوں کو قرار آ جاتا۔ غمزدہ اور مظلوم چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ جاتی۔

میں اس دن صبح سے شام تک ان لوگوں کی روداد غم سنتا رہا' اس دن مجھے شدت سے کسی کا انتظار تھا۔ اتنی مصروفیت کے بعد بھی میں اونکار ناتھ کو بھلانے میں کامیاب نہ ہو سکا' مجھے یقین تھا کہ اونکار ناتھ کو جب ثمینہ کا ذہنی توازن بگڑ جانے کی خبر ملے گی اور جب وہ اپنے جنتر منتر میں ناکام ہو جائے گا تو میرے پاس مدد لینے ضرور آئے گا مگر عصر گزر گئی' شام ہو گئی اور پہاڑی انسانوں سے خالی ہو گئی۔ اونکار ناتھ نہیں آیا۔ اس بات نے مجھے تشویش میں ڈال دیا۔ مغرب کے وقت میں ابوالحسن کی طرف نکل گیا نماز مغرب میں نے پہاڑی کے اجنہ کے ساتھ پڑھی۔ وہ حسب معمول میرے قریب جمع ہو گئے لیکن اس دن میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ میں سیدھا ابوالحسن کے گھر آ گیا اور ایک پلنگ پر دراز ہو گیا۔ درشہوار میری یہ حالت دیکھ کر دوڑی دوڑی میرے پاس آئی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس نے محبتوں کے ساتھ پوچھا۔

''ہاں دری طبیعت ٹھیک ہے لیکن بس ذرا جی نہیں لگ رہا۔'' میں نے نیم دلی سے جواب دیا۔

''کیا بات ہے؟ آپ نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔'' ''وہ میرے سر کے قریب کھڑی ہو گئی'' آپ مجھے بھی نہیں بتائیں گے؟''

اس کا جملہ نہ جانے کیوں مجھے اچھا لگا۔ ایسے جملے یقیناً میرے لئے فرحت کا باعث ہوتے تھے۔ میں نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ میرے اس انہماک پر اس کی پلکیں جھک گئیں۔ میں نے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''دری! بعض اوقات جی چاہتا ہے کہ اپنے نفس کی تمام تر سازشوں سے تمہیں آگاہ کر دوں میں سوچتا ہوں کہ کاش میں ایک عام آدمی ہی ہوتا۔ غالباً اس فضیلت کا متحمل نہیں ہو پا رہا ہوں میاں صاحب نے جس سے مجھے نواز دیا ہے۔ میرے اندر کوئی کھوٹ ضرور ہے۔''

''نہیں' نہیں آپ ان دنوں الجھنوں میں گرفتار ہیں ایسے آزمائشی لمحے ضرور آتے ہیں۔ آپ مجھے سب کچھ بتا دیا کیجئے کسی کو بتانا ضروری ہوتا ہے۔ آپ ایک جلیل القدر بزرگ ہیں آپ کے اندر کوئی کھوٹ نہیں۔ کھوٹ تو باہر کی دنیا میں ہے' وہی شیطانی قوتیں نیک لوگوں کو پریشان کرتی رہتی ہے۔'' درشہوار نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''دری! تمہاری قربت میں گداز اور تمہاری گفتگو میں شیرینی ہے۔ مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے جو میرے اندر کے فشار پر مجھے ٹوک سکے۔ یہ سبھی لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں میں اپنے قد کی طوالت سے اکثر بڑی الجھن ہوتی ہے۔ میں تنہائی محسوس کرنے لگتا ہوں' تم دری مجھے چھوٹے میاں صاحب نہ سمجھا کرو۔ اکبر میرا دوست تھا مگر وہ بھی عملاً مجھ سے بچھڑ گیا۔ اس کے انداز میں بھی میرے لئے قدر و منزلت آ گئی۔ تم بھی وہی کرتی ہو۔ اس عزت و تکریم' آداب اور حفظ مراتب سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔'' میں نے درشہوار سے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''دری کم از کم میں تم سے اس برتاؤ کا طالب نہیں ہوں۔''

میں نے محسوس کیا کہ درشہوار کا چہرہ میری اس جذباتی گفتگو سے سرخ ہو گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک جنبش ہوئی اور میں نے تشنگیوں کی تمام حسرتوں کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھا وہاں مجھے ایک سمندر نظر آیا۔ میں نے اس کی جھلملاتی آنکھوں میں صرف اپنا چہرہ دیکھا' میرے لئے یہ لذت بالکل نئی تھی مجھ پر ایک عجیب سا کیف طاری تھا۔ دری کی اس کیفیت میں بات ہی کچھ اور تھی پھر اچانک مجھے نہ جانے کیا خیال آیا میں نے درشہوار کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس طلسمی فضا کے سحر کو ختم کرنے کے لئے میں نے درشہوار سے قہوہ طلب کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی رخصت ہو گئی اور میں سوچنے لگا۔ ''کہیں میں کسی لغزش کا مرتکب تو نہیں ہو رہا۔'' مجھے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ ابوالحسن آ گئے۔ آتے ہی انہوں نے میری مزاج پرسی کی اور میری بدلی ہوئی حالت پر تشویش کا اظہار کیا۔ ابوالحسن نے بہت دبے دبے لہجے میں میری گزشتہ روز کی گوشہ نشینی کی شکایت کی۔ میں بہت سکون سے ابوالحسن کی باتیں سنتا رہا اس لئے کہ وہ میرے اتالیق بھی تھے علم و فضل میں میرا مرتبہ بلند ہو جانے کے بعد بھی ہم دونوں کے درمیان میں ماضی کے متعلق وضعداری موجود تھی۔ جب ابوالحسن اپنے تجربوں کی روشنی میں مجھے اپنے پند و نصائح سے نواز چکے تو میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''یہ سچ ہے کہ خدا نے میرے ساتھ فیاضی سے کام لیا ہے لیکن میں ابھی تک اپنے ذہن کے اس شر کو دبا نہیں سکا جس کا تذکرہ میں نے پہلے بھی آپ سے کیا ہے' جب سے میں نے اپنے مرحوم والدین اور بہن کی روحوں سے ملاقات کی ہے۔ میں بہت مضطرب رہا ہوں میں نے انہیں آزردہ خاطر دیکھا ہے۔ ابوالحسن میں نے اپنی بہن کے آنسوؤں کو دیکھا ہے میں ان ظالموں کو بھلانے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا جنہوں نے میرا گھر برباد کیا تھا۔ ابوالحسن میں بہت مجبور ہوں۔''

''لیکن معاف کر دینے میں جو سکون اور سربلندی ہے وہ سزا دینے میں نہیں۔ آپ درگزر کر دیجئے یہ آپ کے منصب کے مطابق نہیں۔'' ابوالحسن نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے لیکن میری یکسوئی ختم ہو گئی ہے۔ میں پُرسکون رہ کر عبادت و ریاضت میں خود کو مصروف کرنا چاہتا ہوں۔ مگر میں کیا کروں کہ میری بہن کی صورت مجھے چاروں طرف گھورتی نظر آتی ہے۔ اس پہاڑی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں وہ موجود نہ ہو۔''

میری باتوں سے ابوالحسن کے چہرے پر تشویش کے تاثرات ہر لمحے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک بار میرے ارادے سے' مجھے باز رکھنے کی کوشش کی مگر جب میں نے اپنی دلی کیفیت' ذہنی انتشار، کرب اور اضطراب سے بیان کیا تو ابوالحسن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ درشہوار قہوہ لے کر آ گئی تھی۔ ابوالحسن نے اس کے سامنے بات جاری رکھنے میں کچھ تامل کیا مگر میں نے درشہوار کے سامنے انہیں گفتگو کرنے کی اجازت دے دی۔

''آپ بزرگ ہیں آپ کا مرتبہ اور بلند ہو۔'' ابوالحسن نے نیاز مندی سے کہا۔ ''میری ایک درخواست ہے ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کیجئے میں وہی کروں گا جو آپ چاہتے ہیں۔''

''نہیں ابوالحسن۔'' میں نے بہ عجلت تمام کہا۔ ''میں اس معاملے میں کسی کو درمیان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ خود نمٹنا چاہتا ہوں۔''

عشاء کا وقت ہو چلا تھا۔ میں نماز کے بعد وہاں سے چلا آیا۔ درشہوار مجھے دروازے تک چھوڑنے آئی چلتے وقت اس سے میری کوئی بات

نہیں ہوئی۔ حجرے میں آ کر میں نے طوطوں کے پنجرے میں پانی ڈالا اور ایک وظیفے میں مصروف ہو گیا۔ عبادت سے مجھے سکون ملا۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ الماس کو طلب کرنا چاہئے۔ میں نے کوئلے دہکائے اور خوشبو سے تمام حجرے کو معطر کر دیا۔ الماس کی روح جلد ہی میری طلبی پر حاضر ہو گئی اور میں نے اس سے ثمینہ کی حالت کے متعلق دریافت کیا۔

''اے نیک بزرگ ثمینہ کی حالت آپ کے صبح کے عمل کے بعد بہت ناگفتہ بہ ہے۔ آپ کے مؤکلوں نے ثمینہ کی ذہنی حالت کو دوبارہ ابتر کر دیا ہے وہ اپنا توازن کھو بیٹھی ہے لیکن۔''

''لیکن کیا!'' میں نے الماس کو خاموش ہوتے دیکھا تو متعجب ہو کر پوچھا۔ ''الماس تم نے اپنا جملہ نامکمل کیوں چھوڑ دیا۔''

''میں آپ کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ اونکارناتھ پھر ثمینہ کو درست کرنے میں مصروف ہے۔ ثمینہ کو ہوش میں لانے کے لئے اس وقت بھی وہ اپنے جنتر منتر آزما رہا ہے کوئی عجب نہیں کہ وہ پھر کامیاب ہو جائے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''الماس یہ تم کیا کہہ رہی ہو کیا تم یہ باور کرانا چاہتی ہو کہ اونکارناتھ اس علاقے میں میری رسوائیوں کے درپے ہے؟ کیا اسے میری توہین کی جرأت ہو گئی ہے؟ کیا اس کا انداز میرے ضمن میں بہت ہی جارحانہ ہے؟''

''اے عالی مقام بزرگ۔'' الماس نے سر جھکا کر جواب دیا۔ ''وہ اپنے دل میں آپ کے لئے کینہ رکھتا ہے اور اس علاقے میں اپنی برتری کا خواہاں ہے۔ اس کے اندر نفرتیں بیٹھ گئی ہیں اور وہ آپ کے غیر معمولی واقعات سن کر اپنے حواس کھو بیٹھا ہے۔''

''میں اس کے حواس ٹھکانے لگا دوں گا۔ بخدا میں اسے جہنم واصل کر دوں گا۔ الماس اسے سمجھاؤ کہ وہ میرے آڑے نہ آئے۔'' میں جذبات کی رو میں بہہ چلا تھا لیکن فوراً ہی خود پر قابو پا لیا اور الماس سے بولا۔

''اے روح الماس اے نیک سیرت دوشیزہ! تمہیں جانے کی اجازت ہے مگر مجھے ان دنوں شاید تمہاری ضرورت زیادہ پڑے۔''

''میں آپ کے حکم کی تابع ہوں۔'' روح الماس نے عاجزی سے جواب دیا۔

وہ ایک لمحے میں دھوئیں میں تحلیل ہو گئی اور طوطوں نے شور کرنا شروع کر دیا۔ میں اس وقت بہت مشتعل تھا طوطوں کی چیخ پکار مجھے بہت بری لگی میں نے انہیں جھڑک دیا۔

''نامرادو خاموش ہو جاؤ۔''

ان میں سے ایک طوطے نے مجھ سے کہا۔ ''کشف میاں صاحب کشف میاں صاحب!'' اور ٹوٹے پھوٹے لہجے میں وہ ایک وظیفے کی رٹ لگانے لگا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''مجھے یاد آ گیا، میں ابھی دیکھتا ہوں کہ اونکارناتھ کیسی جرأتیں کر رہا ہے۔''

طوطے نے اس وقت مجھے ایک ایسا عمل یاد دلایا تھا جو میاں صاحب نے بطور خاص مجھے ودیعت کیا تھا۔ میں نے طوطے کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور جلد ہی اپنا عمل شروع کر دیا۔ میں کوئی گھنٹے دو گھنٹے گردوپیش سے بے خبر اسی وظیفے کا ورد کرتا رہا پھر مجھے محسوس ہوا کہ میری

بصارت وسیع ہوتی جارہی ہے، اندھیرا چھٹ رہا ہے اور میں حجرے کے اندر بیٹھا ہوا حجرے کے باہر دیکھ رہا ہوں۔ میں پہاڑی میں ادھر ادھر گھوم رہا ہوں۔ درشہوار کی طرف نکل جاتا ہوں۔ میں نے دیکھا وہ اسی پلنگ پر دراز ہے جس پر میں شام کو بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ملکوتی حسن ہے۔ اس کی زلفیں رخساروں پر جھول گئی ہیں۔ میں درشہوار کو دیکھتا ہوا پہاڑی سے نیچے اتر گیا اور جب میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں بیرسٹر راشد حسین کے مکان میں داخل ہو کر ثمینہ کی حالت دیکھو تو لمحوں میں وہ منظر میرے سامنے آ گیا۔ جسے دیکھنے کے لئے میں نے یہ مشکل ترین وظیفہ پڑھا تھا۔ میری آنکھیں اس کمرے میں پہنچ گئیں جہاں ثمینہ ایک آرام کرسی پر رسیوں سے جکڑی بیٹھی اپنے سر کو دیوانگی کی حالت میں ادھر ادھر جھٹک رہی تھی ثمینہ کے قریب ہی بیرسٹر راشد حسین حیران و پریشان کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔ ثمینہ کے عین سامنے پنڈت اونکار ناتھ ننگے فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا اور اس کا سیدھا ہاتھ صندلی دانوں کی مالا پر تیز تیز چل رہا تھا اونکار ناتھ اور ثمینہ کے درمیان مٹی کے ایک کونڈے نما برتن میں لوبان سلگ رہا تھا۔

اونکار ناتھ کے چہرے کی رنگت سیاہ پڑتی جارہی تھی۔ وہ کسی خطرناک منتر کے جاپ میں منہمک تھا۔ مجھے یہ سب بہت دلچسپ لگا۔ میں نے اپنی بصارت کو وہیں ٹھہرے رہنے دیا۔ منتر کا جاپ پورا کر کے اونکار ناتھ نے مالا کو گردن میں ڈالا' اٹھ کر لوبان کے ایک ٹکڑے کو مٹی کے برتن میں پھینکا' پھر دھوئیں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور ثمینہ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا جس نے اپنا سر جھٹکنا بند کر دیا تھا اور حیرت بھری نگاہوں سے اونکار ناتھ کو تک رہی تھی جیسے اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔

''لڑکی!'' اونکار ناتھ کی لرزہ پیدا کر دینے والی آواز کمرے کے سکوت کو چیرتی ہوئی ابھری۔ ''میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنے من کو گندی باتوں سے پاک کر کے ہوش میں آ جا۔'' ثمینہ بدستور بت بنی بیٹھی آنکھیں پھاڑے اونکار ناتھ کو دیکھتی رہی تو وہ دوبارہ گرج کر بولا۔

''لڑکی اپنے من کی کالک دور کر' دور کر' دور کر' میری آگیا کا پالن کر۔''

اونکار ناتھ اپنے الفاظ کو بار بار دہرا رہا تھا اس کے چہرے کی خباثت بڑھتی جارہی تھی۔ بیرسٹر راشد حسین گنگ سا کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ اچانک کمرے میں ایسا شور بلند ہوا جیسے کوئی کربناک حالت میں چیخ رہا ہو۔ چیخوں کی یہ آوازیں تیزی سے ابھرتی تھیں اور پھر مدھم ہو جاتی تھیں۔ لوبان کی آگ اونکار ناتھ کے منتر کی آواز اور چیخوں نے اس منظر کو بہت پُر ہیبت بنا دیا تھا۔ ثمینہ نے دوبارہ پاگلوں کی طرح سر کو زور زور سے جھٹکنا شروع کر دیا تھا۔ اب اونکار ناتھ کی حالت غیر ہو گئی۔ بیرسٹر راشد حسین جو اب تک ششدر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا مردہ آواز میں بولا۔

''پنڈت جی یہ کیسی آوازیں تھیں۔''

''میرے منتر کے بیر جادو کا توڑ کر رہے تھے۔'' پنڈت اونکار ناتھ نے غصے کی حالت میں جواب دیا۔

''تو کیا ہوا؟'' بیرسٹر نے بڑی امیدوں کے ساتھ پوچھا۔

''خاموش رہو اور دیکھتے جاؤ۔'' پنڈت نے بیرسٹر کو جھڑک دیا۔

بیرسٹر راشد حسین کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ ایک طرف بالکل خاموش کھڑا رہا۔

''جب تک میں موجود ہوں راشد حسین، تمہیں چنتا کرنے کی ضرورت نہیں، کوئی چھوٹا موٹا منتر ہوتا تو میں کب کا ٹھیک کر دیتا مگر اب کی اس پاپی نے کچھ محنت سے کام لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کون ہے لیکن بیرسٹر میں نے ہار ماننا نہیں سیکھا۔ لڑکی کو ہوش میں لانے کے لئے کوئی اور اوپائے کرنا ہوگا۔'' اونکار ناتھ نے پورے عزم کے ساتھ کہا۔

اونکار ناتھ کی مایوسی دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بے اختیار ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔ میں نے لاپرواہی سے اسے دیکھا اور اپنی بصارت کو وہاں سے واپس لے آیا۔ وہ سارا منظر چشم زدن میں میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

میں نے اس وحشت انگیز دید کے بعد اطمینان کی سانس لی اور حجرے کی چھت کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد بھی میں دیر تک جاگتا رہا اور سوچتا رہا۔ پتا نہیں میری آنکھ کب لگی۔ دوسری صبح میں کسی قدر دیر سے اٹھا لیکن اتنی دیر سے بھی نہیں کہ نماز قضا ہو جائے۔ درشہوار ناشتہ لے آئی۔ وہ عموماً صبح مجھ سے کم باتیں کیا کرتی تھی تاہم آج اس کے انداز سے عیاں تھا کہ وہ حجرے میں کچھ دیر ٹھہرنا چاہتی ہے۔ میں نے مسکرا کر اس سے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ کہو کیسی ہو؟'' میرا دل اس سے بہت سی باتیں کرنے کو چاہتا تھا مگر الفاظ میری زبان پر آتے آتے رک جاتے تھے۔ یہ میری روحانی تربیت کے سبب تھا۔ مجھے اپنے ناآسودہ جذبوں کو محسوس کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ میں نے شادابی و شگفتگی کے کچھ دن جیل میں گزارے، کچھ فاقہ کشی اور بے بسی میں، کچھ عبادت اور ریاضت میں، زندگی کا بڑا حصہ اسی طرح گزر گیا۔

درشہوار میرے سامنے بیٹھ گئی۔ ''اچھی ہوں آپ کے مزاج کیسے ہیں؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں دری، رات میں نے ایک منفرد قسم کا عمل کیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے اپنی بصارت کو وسیع کرنے کا ایک وظیفہ پڑھا۔ جانتی ہو پھر میں کہاں کہاں گیا؟''

''کہاں کہاں؟'' درشہوار نے حیرت سے پوچھا۔

''میری بصارت نے پہاڑی کا احاطہ کیا پھر نہ جانے کیسے میری آنکھیں تمہارے گھر پہنچ گئیں اور میں نے دیکھا کہ تم پلنگ پر اور تمہاری سیاہ زلفیں تمہارے رخساروں پر محوِ خواب ہیں لیکن.....''

انکا

انکا..... چھ انچ کی گُڑیا، ایک قتالہ عالم، آفت کی پُڑیا۔ پراسرار قوتوں کی مالک، خوش قسمتی کی دیوی، جس کے حصول کے لیے بڑے بڑے پجاری اور عالم سر توڑ کوششیں کرتے تھے۔ ایک ایسی داستان جس نے سالوں تک پراسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ **انکا**..... اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بہت جلد **کتاب گھر پر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔**

درشہوار کا چہرہ سرخ ہو گیا اور مجھے اچانک محسوس ہوا کہ میں وہ الفاظ ادا کر رہا ہوں جو اس حجرے کے شایان شان نہیں۔ مجھے اپنے ہی لفظ بے وقعت معلوم ہوئے۔ میں نے بات بدل دی۔ ''لیکن پھر فوراً ہی میری آنکھیں اس جگہ کے تعاقب میں روانہ ہو گئیں جو اصل میں مجھے مطلوب تھی۔''

''آپ رات والی بات بھول گئے۔'' درشہوار نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''کون سی بات؟'' مجھے واقعی کچھ یاد نہ تھا۔

''کہ آپ مجھے اپنا ہم قد بنانے کی عزت دینا چاہتے ہیں۔'' درشہوار نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اے دری' یہ سچ ہے کہ میں نے یہی کہا تھا جو تم نے سمجھا۔ میں یقیناً تمہیں بتاؤں گا میں رات بیرسٹر راشد حسین کے اس کمرے میں گیا جہاں ثمینہ کو اونکارنا تھ میرے عتاب سے بچانے کی فکر میں مبتلا تھا۔'' میں نے اسے صاف صاف بتا دیا۔

''آپ مجھے کوئی کام کیوں نہیں سونپتے؟''

''تم میرے لئے بہت کام کرتی ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں کچھ اور کام میرے ذمے ڈال کر دیکھئے۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم ابوالحسن جیسے عالم کی بیٹی ہو۔''

''اور اس فضیلت گاہ اس پہاڑی کی پروردہ ہوں۔''

بڑی مشکل سے میں درشہوار کو سمجھا سکا پہاڑی پر صرف وہی ایک ذات تھی جو مجھ سے الجھنے کی حد تک گفتگو کر سکتی تھی۔ سورج کی روشنی پھیلی تو میں نے اسے رخصت کر دیا اور میں طوطوں کو ان کی غذا فراہم کر کے باہر آ گیا۔ جہاں پر عقیدت مندوں کا ایک غول موجود تھا روزانہ کی طرح میں نے ان پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کی کہانیاں سنیں اور انہیں سکون و اطمینان تقسیم کرتا رہا۔

ظہر کی نماز کے بعد میں حجرے میں داخل ہوا۔ درشہوار میرا کھانا جو صرف دال اور دو چپاتیوں پر مشتمل ہوتا تھا' لے کر آئی۔ میں نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وہ بڑے اشتیاق سے کہنے لگی۔

''آج صبح آپ سے رخصت ہونے کے بعد میرا جی چاہا کہ میں اس لڑکی ثمینہ کو دیکھوں جو بیرسٹر راشد حسین کی لڑکی ہے مگر وہ تو مجھے بالکل تندرست نظر آئی۔''

''کیا مطلب؟'' لقمہ میرے ہاتھ میں رہ گیا۔ ''تم کس وقت گئی تھیں اور تم نے وہاں کیا دیکھا؟''

''میں صبح خاصا دن نکل آنے کے بعد گئی تھی۔'' درشہوار نے بدحواسی سے جواب دیا۔ ''مگر آپ کھانا تو کھایئے میں نے غلط وقت یہ ذکر چھیڑ دیا۔''

''نہیں نہیں۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا اور دانستہ اس ذکر کو طول نہیں دیا۔ درشہوار کے سامنے مجھے کسی شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا اور وہ اس ندامت میں گرفتار نظر آتی تھی کہ اس نے یہ تذکرہ کیوں شروع کیا۔ میں نے اس مرحلے سے بچنے کے لئے درشہوار کے سامنے باقاعدہ

کھانا کھایا حالانکہ میرا جی کھانے میں بالکل نہیں لگ رہا تھا کسی نہ کسی طرح میں نے کھانا ختم کیا اور درشہوار کو رخصت کیا۔ شمشیر علی کو بلا کر مجمع میں اعلان کرادیا کہ آج دوپہر بعد میں باہر نہ آسکوں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس اعلان کے بعد کیسی کیسی سرگوشیاں نہ ہوں گی۔ عقیدت مندوں سے وقتی طور پر چھٹکارا پانے کے بعد میں اجنہ کے ایک گروہ میں گھر گیا جو پہلی بار میرے اس اچانک اعلان کے بعد آیا تھا۔ ابوالحسن پریشان پریشان نظر آتے تھے۔ میں نے انہیں اشارہ کیا کہ وہ اس گروہ کو یہاں سے لے جائیں۔ انہیں رخصت کرنے کے بعد جب مجھے تنہائی نصیب ہوئی تو میں نے اونکارناتھ کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔ اسی پنڈت کے سلسلے میں جو میاں صاحب کے رشد وہدایت کے اس پورے سلسلے کو چیلنج کررہا تھا۔ میں اس وقت غیظ وغضب کے عالم میں تھا اور کوئی دلیل سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ اپنے غصے کو کم کرنے کے لئے میں نے خود کو عبادت میں مصروف کرنا چاہا لیکن عبادت میں خلل پیدا ہورہا تھا۔ میں نے وظائف کا ورد کیا لیکن میری زبان میں لکنت ہورہی تھی۔ پھر میں نے ایک ایسے وظیفے میں خود کو غرق کردیا جس میں مجھے اپنے ہونے نہ ہونے کا احساس بھی نہ رہا۔ مغرب کے وقت کہیں مجھے ہوش آیا اور میں نے شمال کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا پھر سجدے میں گر گیا مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میرا بدن کانپنے لگا میں نے زمین سے اتنی بار اپنے سر کو مارا کہ وہ لہولہان ہوگیا۔

جب میں نے درشہوار کا لمس اپنے سر پر محسوس کیا تو مجھے ہوش آیا۔ وہ میرے قریب بیٹھی میرا سر سہلا رہی تھی۔ میں جائے نماز کے بجائے بستر پر پڑا تھا۔ میں نے حیرت کے عالم میں درشہوار کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''اے خدا تیرا شکر ہے۔''

''دری تم اس وقت یہاں کیسے؟'' میں نے اسے حلاوت سے مخاطب کیا تو وہ آبدیدہ ہوکر بولی۔

''میں والد سے آپ کی طبیعت کی ناسازی کا سن کر آئی تھی جب میں حجرے میں داخل ہوئی تو آپ جائے نماز پر بے ہوش پڑے تھے ' آپ کا سر لہولہان تھا۔ میں نے اس کی اطلاع فوراً والد کو دی۔ انہوں نے آکر آپ کو بستر پر لٹایا' پٹیاں باندھیں اور مجھے یہاں ٹھہرنے کی ہدایت دے کر کوئی دوا لینے چلے گئے۔''

''ہاں دری پڑھتے پڑھتے مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ مجھے اپنا ہوش نہ رہا' تم لوگوں کو بڑی زحمت ہوئی۔''

''زحمت؟'' درشہوار نے خفگی سے کہا۔

تھوڑی دیر میں ابوالحسن آگئے اور درشہوار اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کے ہاتھ میں ایک کوزہ تھا۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کوزہ میرے قریب لاکر بولے۔ ''میں یہ مشروب آپ کے لئے لایا ہوں اسے پی لیں' خدا نے چاہا تو آپ کی طبیعت بحال ہوجائے گی۔''

میں نے وہ مشروب حلق میں انڈیل لیا۔ جب تک درشہوار حجرے میں موجود رہی ابوالحسن ادھر ادھر کی گفتگو کرتے رہے۔ مجھے کچھ دنوں تک مکمل آرام کا مشورہ دیا لیکن جب درشہوار چلی گئی تو انہوں نے باتوں کا رخ بدل کر سنجیدگی سے کہا۔

''میاں صاحب! خدا آپ کی عظمتوں کو دوچند کرے۔ آپ کو علم کی برتری سے سرفراز کرے لیکن میری بھی تمنا پوری ہوجاتی اگر آپ نے مجھے کسی خدمت کے قابل سمجھا ہوتا۔ میں یہ دوا لے کر شہر سے آرہا ہوں' سارے شہر میں بیرسٹر راشد حسین کی کوٹھی کے جلے ہوئے شعلے نظر آرہے ہیں

دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اتنی خطرناک آگ انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔''

''ابوالحسن میں ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔'' صورت حال معلوم ہو جانے پر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''بیرسٹر راشد حسین اپنی دولت کے بل بوتے پر ظلم کا کاروبار جاری رکھے ہوئے تھا۔ میرے قلب کو سکون مل چکا ہے اب میں مکمل تندہی اور انہماک سے حصول علم کر سکوں گا۔ میں ایک طالب علم کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں شاید علم کے سمندر میں میری تشنگیاں کسی قدر دور ہو سکیں۔''

''خدا آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں۔'' ابوالحسن نے دعا دی۔

جب سب لوگ چلے گئے تو میں نے عصر اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ راشد حسین کی کوٹھی جل کر خاکستر ہو جانے کی اطلاع سن کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے دل کا بوجھ اتر گیا ہو۔ رہا اونکار ناتھ تو میرا خیال تھا کہ اس ہولناک آتش زنی کے بعد وہ پہاڑی والے میاں صاحب کے معاملوں میں ٹانگ اڑانے سے باز آ جائے گا۔ یہ واقعہ سن کر میرا جی حجرے میں نہیں لگا۔ نماز مغرب کے بعد میں ابوالحسن کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب جنوں کی بستی میں میری آمد کی اطلاع ہوئی تو ایک غول ابوالحسن کے مکان پر جمع ہو گیا۔ آج مجھے یہ ہجوم بہت اچھا لگا۔ میں نے سبھی کی مزاج پرسی کی۔ میری خوشی دلی سے اجنہ کے چہرے کھلے جاتے تھے۔ درشہوار بھی بہت شاد ماں نظر آتی تھی۔ عشاء کے بعد ابوالحسن کے مکان پر ضیافت کا اہتمام ہوا۔ جنوں کے لئے اچانک ضیافت کا اہتمام کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ رات گئے تک اجنہ میرے اردگرد بیٹھے رہے۔ میں ان سے ان کے نجی حالات پوچھتا رہا اور میرا جی چاہا کہ کوئی میرے بھی' میری ذات کے احوال پوچھے۔ اسی لمحے میرے سامنے درشہوار آئی شاید اسے میرے دل کی بات کی خبر ہو گئی تھی یا اس نے اپنی ذہانت سے میری اس کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

بہت دیر بعد میں وہاں سے آیا۔ اس روز میں نے الماس کو طلب نہیں کیا..... روح کو مادی صورت میں ظاہر ہونے کے لئے بے حد اذیت ناک مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ راشد حسین کے مکان میں آگ لگ جانے کے بعد یوں بھی مجھے الماس کو طلب کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہاں مجھے دنیا کی دوسری روحوں کو بلانے کا اشتیاق تھا۔ میں مصر کی ملکہ قلوپطرہ کو بلانا چاہتا تھا۔ میں یونان کی شاعرہ سینو سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ ان مشہور روحوں کو طلب کرنے کا کام بڑا دشوار گزار تھا۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ میں کسی نہ کسی طور انہیں زحمت دوں گا۔ بہر حال اس رات تو مجھے اطمینان تھا بستر پر دراز ہو کر میں نے میاں صاحب کی ہدایت کے مطابق پانچ مرتبہ آیت الکرسی پڑھی اور اپنے گرد اشارے سے حصار کھینچا پھر تین بار تالی پیٹی اور سونے کے ارادے سے آنکھیں موند لیں۔ میاں صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ آیت الکرسی کی برکتیں کیا ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر کوئی شخص رات کو سونے سے پہلے پانچ مرتبہ آیت الکرسی سے پہلے تین مرتبہ درود شریف پڑھے اور تین مرتبہ تالی پیٹے تو جہاں تک تالی کی آواز جائے گی اس حصے میں کوئی بلا یا آفت نہیں آ سکتی۔

دو روز تک میں اپنے عقیدت مندوں میں معمول کے مطابق گھرا رہا۔ میں اب سکون کے ساتھ وظائف میں مشغول رہتا لیکن تیسرے روز ایک ایسا چونکا دینے والا واقعہ پیش آیا کہ میں پھر منتشر ہو گیا۔

اس روز میں اپنے عقیدت مندوں سے ملاقات میں مصروف تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہجوم کے پیچھے شمشیر علی سے ایک باوردی پولیس انسپکٹر

الجھ رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں میں کیا تو تو میں میں ہوئی۔ تھوڑی دیر میں رحیم خان بھی وہاں پہنچ گیا اور وہ بھی انسپکٹر سے الجھ گیا۔ اس عرصے میں میرے سامنے بیٹھے ہوئے لوگ بھی انسپکٹر کی طرف مصروف ہو گئے۔

میں نے ابوالحسن کو اشارہ کیا۔ ابوالحسن جب وہاں پہنچے تو گولی چلنے کی آواز آئی۔ چنانچہ میں بھی دوڑا ہوا وہاں پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ شمشیر علی خون میں لت پت پڑا ہے۔ انسپکٹر کو ہجوم بے دریغ مار رہا ہے۔ اس کے ساتھ کے دو پولیس والے پہاڑی سے بھاگ رہے ہیں۔ میں بے آواز بلند اس سرشور ہجوم کو روکا۔ ''ٹھہرو'' میں نے کہا۔

میرے حکم دیتے ہی سب خاموش ہو گئے۔ میں نے ایک نظر انسپکٹر پر ڈالی۔ وہ کھڑا ہوا کانپ رہا تھا۔ لمحوں میں ہجوم نے اس کی حالت شکستہ کر دی تھی۔ اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ بھاگا۔ ہجوم نے اس کا پیچھا کرنا چاہا مگر میں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ ''وہ اپنی سزا کو پہنچ جائے گا۔'' میں نے کہا اور ساری توجہ جاں بلب شمشیر علی کی طرف مبذول کر دی۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ اس کی نظروں میں ایک اعتماد تھا، فخر کا ایک جذبہ، میں نے اس سے پوچھا۔ ''شمشیر علی تم۔ اس سے کیوں جھگڑ پڑے؟''

شمشیر علی میں بولنے کی سکت نہ رہی تھی۔ مگر وہ اپنے زوال پذیر حواس کو بجا کرتے ہوئے رک رک کر بولا۔ ''حضرت اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی تھی۔'' شمشیر علی زیادہ نہ بول سکا۔ مر گیا۔ ہاشم نے مجھے بتایا کہ جب وہ انسپکٹر کے پاس پہنچا تو وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ کیا شعبدے بازی لگا رکھی ہے۔'' شروع شروع میں شمشیر علی نے اسے اس گستاخی سے باز رکھا مگر انسپکٹر آپ کی ذات پر رکیک حملے کرتا رہا۔ میں انہیں بیان کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ جب انسپکٹر اپنی اوقات سے بڑھ گیا تو شمشیر علی نے اس کی گردن دبوچ لی اور گستاخ انسپکٹر نے مشتعل ہو کر گولی چلا دی۔''

یہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس خونیں حادثے کے بعد کیسے کیسے افسانے تراشے جائیں گے۔ مگر یہ انسپکٹر کیوں آیا تھا اور اس نے یہ نازیبا کلمات کیسے ادا کئے تھے۔ مجھے یہ جاننے میں ذرا بھی دیر نہ لگی۔ ایک لمحے میں ساری بات مجھ پر عیاں ہو گئی اور میں شدت غضب سے لرزنے لگا۔ میں نے ابوالحسن کو اشارہ کیا کہ وہ شمشیر علی کی میت کا انتظام کریں۔

میں ہجوم کو چھوڑ کر سیدھا حجرے میں داخل ہوا۔ میں نے صحیح صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے تھوڑی دیر تک اپنے ذہن کو ان واقعات پر مرکوز کیا۔ اف میرے خدا! انسپکٹر کو بیرسٹر راشد حسین نے بھیجا تھا۔ راشد حسین زندہ ہے، یہ کس طرح ممکن ہے۔ مجھ پر دیوانگی کی کیفیت طاری تھی۔ یکے بعد دیگرے ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے جو میرے ذہن کو پراگندہ کئے دیتے تھے۔ میں پریشان حال حجرے میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ ادھر امیر افوری طور پر باہر جانا ضروری تھا۔ میں پھر ہجوم میں آ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی لوگ مجھ سے لپٹ گئے۔ کسی نے میرے دامن کو پکڑا کسی نے ہاتھ کو بوسے دیئے، کوئی میرے قدموں پر جھک گیا۔ میں نے با آواز بلند انہیں مخاطب کیا۔

''اے لوگو..... جو کچھ ہوا۔ وہ بہت افسوسناک ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں، ابھی کچھ اور واقعات رونما ہوں گے۔ شمشیر علی مر گیا۔ ممکن ہے ابھی کچھ اور لوگ اس پہاڑی کی آبرو پر اپنی جان قربان کر دیں۔ میں تم سے پُرسکون رہنے کی درخواست کرتا ہوں۔ شمشیر علی خدا ترس آدمی تھا۔ اس کی زندگی نیکیوں میں گزری اور اس نے جنت میں اپنے لئے جگہ بنائی۔ مجھے مسرت ہو گی اگر شمشیر علی کو پورے اہتمام سے دفن کیا جائے۔'' پھر میں نے

دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ شمشیر علی کے لئے فاتحہ پڑھی۔

شام تک مجمع چھٹ گیا۔ شمشیر علی کی میت کو لوگ پہاڑی سے لے گئے۔ مغرب کے بعد مجھے ابوالحسن نے بتایا کہ شام کو کچھ پولیس افسروں نے پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کی مگر نیچے بیٹھے عقیدت مندوں نے انہیں روک لیا۔ اس واقعے سے شہر میں کشیدگی پھیل گئی ہے۔ انسپکٹر سرسوتی کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اس کی حالت شکستہ ہے۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اور وہ ہذیان بک رہا ہے۔ کل صبح دوسرے پولیس افسران پہاڑی کا رخ کریں گے ابوالحسن اور سارے اجنہ شہر میں پھیل گئے تھے۔ میں رات بھر جاگتا رہا اور عبادت کرتا رہا۔ درشہوار سے بھی بات نہ ہو سکی۔ صبح جب سورج طلوع ہوا تو پہاڑی انسانوں سے بھرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں اتنا ہجوم ہو گیا کہ دور دور تک انسان ہی انسان نظر آتے۔

میں جب حجرے سے باہر آیا تو لوگ نعرے لگانے لگے۔ ان کی بے تابیاں دیکھ کر میں نے انہیں پُرسکون رہنے اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تا حد نظر عقیدت مند تھے۔ یقیناً ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو کل کے واقعے کی سن گن لینے آئے تھے جو تماش بین تھے۔ میں نے بغیر کسی تشویش کے اپنا معمول جاری رکھا۔ رحیم خان اپنے ساتھی شمشیر علی کے انتقال کی وجہ سے بہت دل گیر نظر آتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ تھوڑی دیر بعد پولیس ادھر کا رخ کرنے والی ہے اور شاید ہجوم کو بھی اس کا انتظار تھا۔ کوئی نو بجے کے قریب پولیس کی ایک جماعت پہاڑی پر وارد ہوئی۔ مجمع میں اس کی آمد سے کھلبلی مچ گئی۔ سب سے آگے والے افسر نے دور سے مجھے سلام کیا جس سے بے قابو مجمع میں کسی قدر نظم پیدا ہوا۔ افسر نے پوری جماعت وہیں چھوڑ دی اور آگے بڑھنے لگا۔ رحیم خان نے اسے راستے میں جا لیا اور اس سے کہا کہ وہ میاں صاحب کے ایما کے بغیر ان سے نہیں مل سکتا۔ پولیس افسر نے اس بات پر سر جھکا دیا۔ وہ ایک ڈی ایس پی تھا۔ رحیم خان دوڑا ہوا میرے پاس آیا اور میں نے اسے پولیس افسر کو اپنے پاس لانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ میرے قریب آیا تو اس نے جھک کر سلام کیا اور نہایت انکساری سے مخاطب ہوا۔

''میاں صاحب..... میرا نام ظفر علی ہے۔ میں نے ہزاروں افراد سے آپ کی بزرگی اور آپ کے در سے ہونے والے فیض کے واقعات سنے ہیں۔ بخدا میرا یہاں آنے کا مقصد آپ کی بزرگی کی تفتیش کرنا نہیں، صرف اپنے فرائض کی بجا آوری مقصود ہے۔ بدقسمتی سے مجھے آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ تاہم میں بھی آپ کے سچے عقیدت مندوں میں سے ہوں۔''

''اس وقت کس کام سے آئے ہو؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا تو ڈی ایس پی گڑبڑا گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنی آمد کی اصل وجہ بتانے سے جھجک رہا ہے۔

''میں، میاں صاحب اس وقت یہاں جس مقصد سے حاضر ہوا ہوں اس کے لئے میں تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔ یقین کیجئے میں صرف کاغذات کی خانہ پری کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

میرے استفسار پر ڈی ایس پی نے مجھے جو واقعات بتائے انہیں سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ ڈی ایس پی ظفر علی کے بیان کے مطابق بیرسٹر راشد حسین کا مکان اور اس کا ساز و سامان جل کر راکھ کا ڈھیر ہو چکا تھا لیکن راشد حسین نے پرانے واقعات کی روشنی میں میرے خلاف باقاعدہ تحریری رپورٹ درج کرائی ہے۔ اس رپورٹ میں اس مردود نے اس جھوٹے قصے کا بھی ذکر کیا تھا جس کی بدولت مجھے سات سال کا طویل عرصہ جیل میں

گزارنا پڑا اور میرے والدین اور بہن بھائی مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھن گئے تھے۔ڈی ایس پی انہی واقعات کی تصدیق کے لئے اس وقت میرے پاس آیا تھا۔کل جو انسپکٹر آیا تھا وہ گستاخ بھی اس مقصد سے بھیجا گیا تھا۔اور اب یک نہ شد دو شد کے مصداق دو کیس پولیس کی تفتیش کا مرکز بن گئے تھے۔پہلا بیرسٹر راشد حسین کی درخواست کا دوسرا شمشیر علی کے قتل کا واقعہ۔ڈی ایس پی ظفر علی کا انداز گفتگو اور اس کا طرز عمل بتا رہا تھا کہ وہ ایک نیک خصلت آدمی ہے اور ہر طرح سے ان باتوں کی سختی سے تردید کرنے پر آمادہ ہے جو میری ذات سے منسوب کی گئی تھیں۔واقعات کے ہر پہلو سے آگاہ کرنے کے بعد اس نے مجھ سے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''میاں صاحب۔بیرسٹر راشد حسین نے آپ کی بزرگی پر جو کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے اور جو بے بنیاد الزامات آپ کی ذات پر عائد کئے ہیں' میں اس کمینہ صفت شخص کو ایسا پریشان کروں گا کہ وہ تمام زندگی یاد رکھے گا۔''

''ظفر علی میاں..... کسی کی چھان بین کرنا تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔میں اس ضمن میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔نہ یہ کہوں گا کہ تم جانبداری سے کام لو۔تم جو سمجھو کرو۔مجھے اس سے کوئی سروکار ہے نہ اس کی پروا۔تم یقیناً حقائق جاننے کی جستجو کرو۔مجھ سے جو ہو سکا' میں تمہاری مدد کروں گا۔''میں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔''ظفر میاں مگر مجھے بتاؤ یہ بیرسٹر راشد حسین کا قیام اب کہاں ہے؟''

''وہ شہر کے ایک پنڈت اونکار ناتھ کے ساتھ مقیم ہے۔دراصل یہ پنڈت ہی راشد حسین اور اس کی لڑکی ثمینہ کو آگ سے بچا کر لے گیا تھا۔ویسے وہ بہت حیرت انگیز واقعہ ہے۔اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کوئی پہنچا ہوا پنڈت ہے۔بہرحال جتنے منہ ہیں اتنی ہی باتیں۔مجھے تو یہ اونکار ناتھ کبھی پسند نہیں آیا بلکہ میرا خیال ہے بیرسٹر راشد حسین کی رپورٹ میں اسی کا ہاتھ شامل ہے۔''

پنڈت اونکار ناتھ کا نام سن کر میرا چہرہ سوخ ہو گیا۔میں سرتاپا غصے میں کانپنے لگا۔ڈی ایس پی نے مجھے اس کیفیت سے دوچار دیکھا تو اس خیال سے کہیں اس کیفیت میں میری زبان سے اس کے لئے کوئی بددعا نہ نکل جائے' بڑھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے اور گڑگڑانے لگا۔میں نے اسے مطمئن کر کے رخصت کیا پھر اٹھ کر اپنے حجرے میں واپس آ گیا۔

یہ ڈی ایس پی چلا گیا تو دوسرا آئے گا۔اب یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔راشد حسین کی رپورٹ میں کوئی جان نہیں اور شمشیر علی کے قتل کے سینکڑوں چشم دید گواہ موجود ہیں۔میں نے ان واقعات کے قانونی پہلوؤں پر غور کیا۔مگر پولیس مجھے کسی بھی طرح پریشان کر سکتی ہے۔اونکار ناتھ اس واقعے سے پورا پورا فائدہ اٹھائے گا۔میں حجرے میں آ کر یہی سوچتا رہا مجھے کیا کرنا چاہئے۔یہ میں کن لوگوں میں پھنس گیا ہوں۔میاں صاحب کے زمانے میں تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔یقیناً یہ سب میرے ذہن کی غتربود کے سبب سے ممکن ہوا ہے۔باہر لوگوں کا شور بڑھ گیا تھا۔میں نے باہر آ کر دیکھا تو ڈی ایس پی سے لوگ گتھے ہوئے تھے۔وہ اپنے کسی کاغذ کی خانہ پری نہ کر سکا تھا۔لوگوں نے پولیس کے خلاف نعرے لگائے۔میں نے اشارہ کیا کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ایک لمحے میں وہاں سناٹا ہو گیا۔ڈی ایس پی ظفر علی' رحیم خان سے کل کے واقعات کی تفتیش میں مصروف تھا اور میں نے لوگوں سے معذرت کی کہ آج میں ان سے نہ مل سکوں گا۔تھوڑی دیر میں ویرانی کا تسلط ہو گیا اور میں حجرے میں آ کر اپنی سوچوں میں گم ہو گیا۔

میں نے اس وظیفے کو پڑھنا شروع کیا۔جس کی فضیلت سے میں اپنی بصیرت کو اس حجرے کی دیواروں سے باہر لے جا سکتا تھا اور تھوڑی

دیر بعد میں نے جو دیکھا وہ مجھے اور مشتعل کر دینے کے لئے بہت تھا۔ راشد حسین اور ثمینہ اونکار ناتھ کے ہمراہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ راشد حسین بہت سراسیمہ تھا مگر اونکار ناتھ اسے کچھ اس طرح کی تسلی دے رہا تھا کہ اب یہ فیصلہ ہو کر رہے گا کہ اس علاقے میں کون زیادہ افضل ہے۔ وہ جادوگر شاہد علی یا پنڈت اونکار ناتھ۔

وہ راشد حسین کو تسلی دے رہا تھا۔ ''تم کیوں گھبراتے ہو' تم میری پناہ میں ہو' جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں کوئی تمہیں نقصان پہنچانے کی جرات نہیں کر سکتا۔''

''اب نقصان پہنچنے میں کیا رہ گیا ہے۔'' راشد حسین بولا۔ ''شہر میں میری رسوائی ہوئی۔ میرے ابا و اجداد کی کوٹھی جل گئی۔ پنڈت جی۔ بس کسی طرح اس کمبخت شاہد علی کو ٹھکانے لگا دو۔ مجھے کچھ اور نہیں چاہئے۔''

''دیکھتے جاؤ راشد حسین آگے کیا ہوتا ہے۔ ممکن ہے تمہیں اس سے برے حالات کا سامنا کرنا پڑے مگر یاد رکھو کہ شاہد علی کا مقابلہ اونکار ناتھ سے ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آگ کے شعلوں سے میرے بیر تمہیں کیسے بچا کر لے آئے۔'' پنڈت اونکار غصے میں واہی تباہی بک رہا تھا۔

''مگر سنا ہے شاہد علی کو پہاڑی والے میاں صاحب نے بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک پہنچا ہوا بزرگ ہے۔ پنڈت جی آپ نے اچھی طرح سوچ لیا ہے کہ آپ کا واسطہ کس بلا سے ہے۔'' راشد حسین نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''راشد حسین۔'' پنڈت اس پر گرجنے لگا۔ ''وہ بچہ ہے میاں صاحب بھی میرے سامنے خاموش رہتے تھے۔ اس کی حیثیت کیا ہے۔ پولیس میں رپورٹ کے بعد اس کی شخصیت مشکوک ہو گئی ہے کچھ دنوں بعد وہ رسوا ہو جائے گا۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ وہ نادانی میں الٹے سیدھے قدم اٹھائے اور میں اسے پہاڑی سے بے دخل کر سکوں.....'' پنڈت کی اس جرأت و جسارت پر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے اور بہت کچھ دیکھا اور میں برداشت نہ کر سکا۔ میں نے اپنی بصارت کو وہاں سے واپس بلا لیا۔

درشہوار اور ابوالحسن میرے پاس آئے تو میں بہت سنبھلا ہوا تھا۔ اتنے بڑے واقعے کے بعد میری حالت اطمینان بخش دیکھنے کے بعد ابوالحسن نے خدا کا شکر ادا کیا اور مجھے وہی صبر و ضبط کی تلقین کی کہ ان معاملوں میں پڑنا ہمارا منصب نہیں۔ اب یہی مناسب ہے کہ موجودہ نزاع کو کسی طرح نمٹایا جائے اور اس پہاڑی کی حرمت برقرار رکھی جائے۔ میں ابوالحسن کی باتیں نہایت تحمل سے سنتا رہا اگر میں اس وقت خود کوئی مشورہ دیتا تو وہ یہی ہوتا۔ درشہوار اپنے باپ کے سامنے نہیں بولتی تھی۔ مگر اس نے نظروں نظروں میں اپنے باپ کے مشوروں کی توثیق ضرور کر دی تھی۔

میں رات کہیں نہیں گیا اور خود کو سمجھاتا رہا کہ خدا کو بیرسٹر راشد حسین کی تباہی منظور نہیں۔ وہ میرے ہر عتاب سے بچ جاتا ہے۔ اس نے اونکار ناتھ کو اس کا محافظ بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ میرا کام کچھ اور ہے مجھے اپنے خدا کے اور قریب ہونا ہے۔ مجھے معاف کر دینا چاہئے۔ یقیناً میری خاموشی کا غلط مطلب اخذ کیا جائے گا مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ سخت ذہنی کشمکش کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ بیرسٹر راشد حسین اور اونکار ناتھ دونوں کو معاف کر دیا جائے۔ قابل صد احترام ہیں وہ جو دوسروں کو معاف کر دیتے ہیں۔ اس فیصلے سے میرے دل و دماغ کا سارا بوجھ چھٹ گیا' ذہن کی

ساری کثافت دور ہوگئی۔ میں نے بارگاہ ایزدی میں سربہ سجود ہو کر معافی طلب کی۔ میں نے کہا۔ ''خدا مجھے معاف کر۔ میں راستے سے بھٹک گیا تھا۔ میری رہنمائی کر۔''

رات کو میں نے کسی روح کو طلب نہیں کیا۔ میں پوری نیند سے سویا رہا۔ دوسری صبح طوطوں نے شور وغل کر کے مجھے بیدار کیا۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر فجر کی نماز ادا کی۔ ایک بار پھر اپنے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور رات والے عہد کی تجدید کی۔

میں نماز سے فارغ ہوا تھا کہ درشہوار کے بجائے ابوالحسن میرا ناشتہ لے کر آئے۔ درشہوار کے نہ آنے سے مجھے ایک کمی سی محسوس ہوئی۔ میں ابوالحسن سے اس کے متعلق پوچھنے والا تھا کہ کسی نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوالحسن نے دروازے کے باہر جا کر دیکھا تو اکبر وہاں موجود تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے گہرے تاثرات دیکھ کر میں مضطرب ہوگیا۔ یقیناً وہ کسی اہم ضرورت کے تحت ہی میرے پاس اس وقت آیا تھا۔ اپنے محسن اور سچے دوست کو پریشان دیکھ کر میں تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کی پریشانی کا احوال پوچھا تو اکبر آبدیدہ ہو کر بولا۔ ''شاہد میاں! میں تباہ ہوگیا ہوں۔ میرا سب کچھ چھین لیا گیا ہے۔''

''اکبر۔ میرے دوست خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ تم پر کیا افتاد آ پڑی ہے۔ کس نے تمہیں پریشان کرنے کی جرأت کی ہے۔ میں نے اکبر کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے پوچھا تو وہ بے اختیار ہچکیاں لے کر رو پڑا۔ اس کے آنسو کسی طرح تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔ میں نے اسے رونے دیا۔ جب اس کے آنسو خشک ہوئے تو وہ بسورتے ہوئے بولا۔ ,, شاہد میاں رات نجانے کس دشمن نے میرے گھر کو آگ لگا دی۔ میری بوڑھی ماں میرا بھائی اور تمہاری بھابی سب جل کر مر گئے۔ ایک میں بدنصیب تھا جو آنسو بہانے کے لئے بچ گیا۔ کاش میں بھی مر گیا ہوتا۔''

اکبر کی زبانی صورت حال معلوم ہوئی تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے اسی وقت چند لمحوں کے لئے ارتکاز توجہ کی تو سیاہ سپید سے آگاہ ہوگیا۔ اونکار ناتھ نے میرے بے قصور دوست اور محسن کا گھر اس کے خاندان سمیت برباد کر دیا تھا۔ رات میں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ آن واحد میں میرے ذہن سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا۔ میں اسی وقت جلالی کیفیت میں اٹھا اور اکبر کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''اکبر میرے ساتھ چلو۔ میں جانتا ہوں۔ تمہاری بربادی میں کس بدبخت اور بدکردار کا ہاتھ ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ وہ اس دنیا میں بدترین انجام سے دوچار ہوگا۔ آؤ میرے ساتھ۔ اب بات دوسرے انداز سے ہوگی۔''

اکبر نے مجھے غصے کی حالت میں دیکھا تو اپنا غم بھول کر بولا۔ ''شاہد میاں۔ تمہیں اطلاع دینے آیا تھا۔ میں ابھی واپس جا رہا ہوں مجھے ابھی تجہیز وتکفین کرنی ہے۔ بس دعا کرو کے خدا مجھے صبر عطا کرے۔''

''نہیں۔ نہیں اکبر..... پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ اب یہ چپقلش جنگ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ ایسی صورت میں' میں خاموش رہا تو خدا بھی مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔''

ابوالحسن جو خاموش کھڑے یہ تمام باتیں سن رہے تھے۔ درمیان میں بولے۔

''آپ کے جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں آپ کے بہت سے خدام ہیں۔ ویسے آپ مرحومین کی تجہیز وتکفین کے سلسلے میں جانا چاہیں تو

دوسری بات ہے۔آپ کی ضرورت اس پہاڑی کو زیادہ ہے۔"

"ہاں مجھ سے زیادہ تمہاری ضرورت تمہارے عقیدت مندوں کو ہے۔" اکبر مجھے سمجھاتے ہوئے بولا۔"جو کچھ میرے ساتھ ہوا قدرت کو شاید اس میں بھی میری کوئی بہتری منظور تھی۔ مجھے صرف تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔اس کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہئے۔"

"نہیں اب حالات حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔عبادت و ریاضت کا کام ایسے پراگندہ ماحول میں خوش دلی سے جاری نہیں رہ سکتا۔ برے لوگوں کو راہ راست پر لانا بھی ایک عبادت ہے۔اب مجھے اس وقت تک سکون نہیں مل سکتا جب تک میں ان بدکردار لوگوں کی اصلاح نہ کروں۔"

اکبر اور ابوالحسن نے مل کر مجھے بہت سمجھایا۔میری منت سماجت کی لیکن میں کسی آہنی چٹان کی طرح اپنے فیصلے پر اڑا رہا۔چنانچہ وہ دونوں میرے عزم کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ابوالحسن نے میرے ساتھ چلنے کی درخواست کی لیکن میں نے پہاڑی پر عقیدت مندوں کی پرسش کے لئے انہیں مامور کر دیا۔دن خاصا نکل آیا تھا۔پہاڑی پر عقیدت مند بڑھ رہے تھے۔ابوالحسن نے میرے مشورے پر عقیدت مندوں کے ہجوم کو میری بیماری کا عذر کر کے بہ حسن و خوبی رخصت کر دیا۔جب پہاڑی خالی ہو گئی تو میں اکبر کے ساتھ باہر آیا لیکن پھر میں نے اپنی روانگی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔مجھے خیال آیا کہ اگر میں دن کے وقت پہاڑی سے نیچے اترا تو میرے عقیدت مند مجھے گھیر لیں گے چنانچہ میں نے اکبر کو رخصت کیا اور رات کو آنے کا وعدہ کر کے بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگا۔

دن میں نے کس کرب سے گزارا۔اس کا ذکر بے کار ہے۔ظہر' عصر اور مغرب کی نماز میں نے حجرے میں ادا کی۔رات کا کھانا درشہوار لے کر آئی تو میں نے اس سے کوئی خاص بات نہیں کی۔خاموشی سے کھانا کھایا۔

"میں صرف اس سے اتنا ہی کہہ سکا۔"دری۔میں جلد واپس آؤں گا۔"

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔وہ خاموش خاموش واپس چلی گئی۔عشاء کی نماز کے بعد ابوالحسن مجھے چھوڑنے آئے۔میں تاریکی میں باہر نکلا۔ایک طویل عرصے بعد میں اس راستے پر جا رہا تھا' جہاں سے گزر کر میں میاں صاحب کے قدموں تک آیا تھا۔میرے سامنے تاریکی تھی۔میں صرف اپنی آنکھیں روشن محسوس کر رہا تھا۔میرا دل سلگ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

دل پھولوں کی بستی

خواتین کی مقبول مصنفہ **نگہت عبداللہ** کا انتہائی خوبصورت اور طویل ناول، **دل پھولوں کی بستی** ، جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے، جلد کتاب گھر پر آ رہا ہے۔اسے کتاب گھر پر **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

گھنے درخت سامنے تھے اندھیرا تھا اور میں متضاد کیفیتوں میں الجھا نیچے اتر رہا تھا۔ اس وقت مجھے اپنے اجنہ دوست اور عقیدت مندوں کا خیال آیا۔ یکبارگی مجھے احساس ہوا کہیں میں کوئی غلط قدم تو نہیں اٹھا رہا۔ مجھے اپنے حجرے کی طرف واپس ہو جانا چاہئے۔ یہ میرا مقام نہیں کہ سادھو پجاری اور کمینہ فطرت لوگوں سے الجھوں لیکن اسی لمحے اپنی مرحوم بہن' والدین' اونکار ناتھ کی طنزیہ مسکراہٹ اور بیرسٹر راشد حسین کا پُرغرور چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ غرضیکہ میں مختلف خیالوں میں الجھا پہاڑی عبور کر کے نیچے اتر آیا۔ ایک نظر پلٹ کر میں نے اوپر کی سمت دیکھا۔ پہاڑی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نہ جانے مجھے کیوں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا وزن بھاری ہو گیا ہو۔ مجھے تھکاوٹ کا احساس ہوا مگر میں نے اس طرف توجہ کئے بغیر تیزی سے قدم بڑھانے شروع کر دیئے۔ جب میں اکبر کے جلے ہوئے گھر کے قریب پہنچا تو وہ کھنڈرات کے ملبے پر اداس بیٹھا میری راہ تک رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بھاگا ہوا میرے قریب آیا۔ اس وقت میں نے ایک سیاہ چادر سے اپنے جسم کو چھپا رکھا تھا۔ اکبر رقت انگیز لہجے میں کہنے لگا۔

''شاہد میاں! مجھے امید تھی کہ تم آؤ گے مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے لیکن میرے بزرگ دوست صرف تمہاری دعائیں بہت ہیں۔ جو کچھ مجھ پر گزری ہے اسے بھول جاؤ۔ مرنے والے دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ خدا کو جو منظور تھا پورا ہو گیا۔ اب شر و فساد سے کیا حاصل؟ میری خوشی اسی میں ہے کہ تم واپس اپنے حجرے کی طرف لوٹ جاؤ، مجھ سے زیادہ تمہارے بے شمار عقیدت مندوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ تم میرے حق میں دعا کرتے رہو۔ میرے لئے یہی بہت ہے۔''

میں نے اکبر کے سوگوار چہرے پر نظر ڈالی۔ اس کے لہجے میں ہزاروں غم نہاں تھے۔ جو مشورہ مجھے اکبر دے رہا تھا وہی مشورہ مجھے ابوالحسن، درشہوار اور میرے دوست اجنہ نے دیا تھا لیکن ایک بار قدم آگے بڑھا کر پیچھے لوٹ جانا نہ مجھے اچھا لگتا تھا اور نہ یہ بات مناسب معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے میں نے اکبر کی بات تسلی سے سن کر اعتماد سے کہا۔

''اکبر..... میرے دوست خدا تمہیں سکون قلب سے نوازتا رہے اور مرنے والوں کو غریق رحمت کرے، میری جان تم نے جن جذبوں کا اظہار کیا ہے وہ میرے دل کو لگتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ بات اتنی آسان نہیں ہے جس قدر تم سمجھ رہے ہو۔ اونکار ناتھ کی سرکوبی اگر نہ کی گئی تو اس کے غرور و تکبر میں مزید اضافہ ہو گا اور کچھ عجب نہیں کہ وہ تمہاری طرح اور بھی بے گناہ انسانوں کو اپنے گندے علم اور وجود کے ذریعے پریشان کرے۔ ایسی صورت میں کیا یہ فرض مجھ پر عائد نہیں ہوتا کہ میں مظلوموں کو ایک جابر کے شر سے نجات دلاؤں۔ بتاؤ کیا میں راستی پر نہیں۔ کیا یہ کوئی خدمت نہیں؟''

''شاہد میاں' خدا تمہاری بزرگی دراز کرے، تم جو کچھ کہتے ہو' ٹھیک کہتے ہو۔ میں تمہارے علم و فضل اور فہم و بصیرت کا دل سے قائل ہوں لیکن کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حالات ابھی تمہارے حق میں سازگار نہیں۔ راشد حسین کی درخواست اور شمشیر علی کے قتل نے تمہاری راہ میں رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ پولیس کے محکمے میں جو ہندو افسران موجود ہیں وہ ان عناصر کی پشت پناہی کر رہے ہیں جو تمہاری بدنامی کے درپے ہیں۔ اونکار ناتھ کی ہمدردی میں وہ تمہاری شخصیت کو یکسر فراموش کر کے تعصب کا شکار ہو چکے ہیں۔ ایسے غیر متوازن حالات میں تمہارا کھل کر سامنے آنا دانشمندی کے

منافی ہے۔اگر تمہارے اور اونکار ناتھ کے مقابلے نے ہندو مسلم فساد کی صورت اختیار کر لی تو شہر کا پُرسکون ماحول مکدر ہو جائے گا۔کیا عجب کہ رفع شر کی آڑ لے کر پولیس کے ہندو افسر تمہارے درپے آزار ہو جائیں اور تمہیں نظر بند کر دیا جائے۔بہت کچھ ہو سکتا ہے۔تم نے اس کے متعلق کچھ سوچا۔''

''بس کرو اکبر بس کرو۔'' میں جلالی کیفیت میں بولا۔''اب پولیس کی یہ مجال بھی نہیں کہ وہ میاں صاحب کے عزیز ترین شاگرد کی سمت آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ان کے پاس اگر قانون کی طاقت ہے تو میرے پاس ایمان کی قوت موجود ہے۔خدا مجھے برے حالات سے محفوظ رکھے لیکن اب ایسا بھی نہیں کہ پلک جھپکتے میں دشمن اپنی سزا کو پہنچ جائیں۔سچائی کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے۔میں نے بہت غور و خوض کے بعد قدم آگے بڑھایا ہے۔حالات سے ڈر کر واپس ہو جانا اور بدی کے خوف سے نیکیوں سے منہ موڑ لینا مجھے نہیں سکھایا گیا۔شر کو بڑھنے سے پہلے اس کا قلع قمع کیا جانا بہتر ہے۔اب اس بات کا فیصلہ ہو جانا چاہئے اور اونکار ناتھ کے شر سے اس علاقے کو پاک کر دینا چاہئے۔''

اکبر نے مجھے غصے کی حالت میں دیکھا تو خاموش ہو گیا۔میں نے اس کے ساتھ اسی وقت قبرستان جا کر مرنے والوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھی اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کی۔قبرستان پہنچ کر اکبر کے زخم دوبارہ ہرے ہو گئے۔وہ اپنی ماں کی قبر کے پاس کھڑا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔میں نے اپنے دوست کو تسلی دی اور سمجھا بجھا کر قبرستان سے باہر آ گیا۔اکبر چپ چپ میرے ساتھ چل رہا تھا۔میں اس کے چہرے سے اس کے دل کی حالت کا اندازہ لگا رہا تھا۔میرے لئے سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ میں اکبر کی رہائش کا بندوبست کروں۔چند لمحوں کے خورو غوض کے بعد میں نے اکبر کو مخاطب کر کے کہا۔

''اکبر.....تم نے اپنی رہائش کا کیا حل تلاش کیا ہے؟ میری معلومات کے مطابق اس شہر میں تمہارا کوئی دوست عزیز ایسا نہیں جو اس وقت تمہارے ساتھ محبت اور اپنائیت کا اظہار کرے۔''

''خدا کی بستی بہت وسیع ہے شاہد میاں!'' اکبر گلوگیر آواز میں بولا۔''چالیس روز تک میں اسی شہر میں رہوں گا۔جہاں تک رہائش کا مسئلہ ہے تو میں رات اپنے دفتر میں بھی بسر کر سکتا ہوں لیکن اب میرا دل اس شہر سے اچاٹ ہو چکا ہے۔چالیسویں کے بعد میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔''

''نہیں' وعدہ کرو کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔'' میں نے اپنے دوست کا ہاتھ تھام کر ٹھوس لہجے میں کہا۔''میں تمہارے ساتھ ہوں اور یہ رفاقت تمہارے لئے باعث اطمینان ہونی چاہئے۔ہاں تمہارے اوپر جو گزری ہے اس کا سبب میں ہوں۔میں مرنے والوں کو زندہ کرنے کی طاقت تو نہیں رکھتا لیکن اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ تمہارے دوسرے نقصان کی تلافی ہو جائے۔میری خواہش ہے کہ تم اسی شہر میں قیام کرو' اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو میرا مشن ادھورا رہ جائے گا' تمہارے چلے جانے سے ظالم لوگوں کو ہنسنے کا موقع مل جائے گا۔بولو اکبر میرے دوست کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے چھوڑ کر اکیلے کہیں چلے جاؤ اور کیا میں تمہیں جانے کی اجازت دے دوں۔تم مجھ سے بہت کم ملتے ہو لیکن بخدا میرے لئے ہمیشہ یہ احساس سکون و فرحت کا باعث رہا ہے کہ تم اسی شہر میں رہتے ہو۔''

''شاہد میاں' یہ میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ اتنا عالی مرتبت بزرگ میرا دوست ہے۔تمہاری خاطر میں اپنی حقیر جان کا نذرانہ ہر وقت پیش کر سکتا ہوں لیکن.....''

''آگے کچھ نہ کہو اکبر۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے' مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔ خدا نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے میرے دوست۔ یوں بھی پریشانیوں سے گھبرا جانا نیک لوگوں کا شیوہ نہیں' تمہیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ ایسی نہ جانے کتنی آزمائشیں زندگی میں اور آئیں گی۔''

اکبر نے میرے اصرار کے آگے سر جھکا دیا۔ وہ رات میں نے اکبر کے ساتھ اس کے دفتر کے ایک مختصر سے کمرے میں گزاری۔ دوسری صبح جب میں بیدار ہوا تو باہر سے شور وغل کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اکبر صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے گھبرایا ہوا باہر نکلا۔ کچھ دیر بعد اس نے واپس آ کر مجھے بتایا کہ باہر میرے عقیدت مندوں کا جم غفیر موجود ہے۔ لوگوں کو میری وہاں موجودگی کا علم کس طرح ہوا' میں یہ راز نہ جان سکا۔ بہر حال میں نے از خود باہر جا کر دیکھا مجھ پر ایک عالم حیرت طاری ہو گیا۔ میرے ہزاروں عقیدت مند سڑک پر جمع تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ابھی یہ صورت حال جاری تھی کہ پولیس کی بھاری جمعیت وہاں آ گئی۔ غالباً اونکار ناتھ یا پھر کسی دوسرے ہندو نے پولیس کو اس ہنگامے کی اطلاع کر دی تھی۔ میرے عقیدت مندوں کو پولیس کی آمد اور میرے گرد گھیرا ڈالنے کی حرکت سخت گراں گزری۔ قریب تھا کہ صورت حال سنگین ہو جاتی مگر میں نے بروقت آگے بڑھتے ہوئے ہجوم کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور بلند آواز میں کہا۔

''اے لوگو! خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے' میری درخواست سنو' تم سب اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔ میں یہ کشیدگی پسند نہیں کرتا۔ جو ہو رہا ہے وہ صلح و آشتی سے دور ہو جائے تو بہتر ہے اس کے لئے ہنگامہ قطعی غیر مناسب ہے۔''

ہجوم میری ہدایت پر واپسی کے ارادے سے چھٹنے لگا مگر کچھ شر پسند ہندوؤں نے چھیڑ خانی شروع کی تو ہنگامہ شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں میدان کارزار جم گیا۔ دس بارہ افراد خون میں نہا گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی تو پولیس کے چند سپاہی اپنے ہندو افسر کے اشارے پر میرے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ باقی پولیس والوں نے ہجوم پر ڈنڈے برسانے شروع کر دیئے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ تاک تاک کر میرے عقیدت مندوں کو زدوکوب کر رہے تھے۔ میرا دل چاہا کہ میں ان سب کے سینے میں خنجر گھونپ دوں یا کوئی ایسا عمل شروع کر دوں کہ ان کے ہاتھ قلم ہو جائیں لیکن میں نے خود کو قابو میں کیا۔ میرا ذرا سا اشتعال صورت حال کو اور سنگین کر دیتا۔

پولیس والے بدستور میرے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اکبر اس اچانک افتاد سے بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے بات زیادہ آگے نہیں بڑھی اور پولیس نے جلدی ہجوم کو منتشر کر دیا۔ خون میں لت پت زخمیوں کے سوا باقی افراد بھاگ چکے تھے' میں پھر خاموشی سے اندر آ گیا۔ اکبر نے میرے ساتھ آنے کی کوشش کی تو پولیس کے چند سپاہیوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ میں نے پلٹ کر ایک نظر پولیس والوں پر ڈالی پھر مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔ اندر آ کر پولیس کے ایک افسر نے جو ایس پی کے عہدے پر فائز تھا مجھے مخاطب کرتے ہوئے بڑے کرخت لہجے میں کہا۔

''مسٹر شاہد کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم پہاڑی پر سے نیچے کس غرض سے آئے ہو اور اس ہنگامے کی کیا وجہ ہے؟''

''میں اپنے دوست کو اس کی بربادی کا پرسہ دینے کی خاطر آیا تھا۔'' میں نے بڑے صبر سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ رہا ہنگامے کا سوال تو مجھے حیرت ہے کہ یہ صورت کس طرح پیدا ہو گئی؟''

''سنو مسٹر شاہد میں کوئی کچا عقیدہ رکھنے والا مسلمان نہیں ہوں جو تمہاری شعبدہ بازی سے مرعوب ہو کر دھرماتمایا اوتار سمجھ کر تمہاری پوجا شروع کر دوں۔'' ایس پی نے جو ہندو تھا' تلخ لہجے میں کہا۔ ''مجھے اپنے مخبروں کے ذریعے معلوم ہو چکا ہے تم کس کارن پہاڑی سے نیچے اترے ہو۔ میں تمہارے دھرم کے معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتا لیکن تمہیں متنبہ کروں گا کہ تم پہلی فرصت میں اپنے ڈیرے کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔ شہر میں امن برقرار رکھنا میرے فرائض میں داخل ہے۔ اس کے لئے میں دنگا فساد کرنے والوں پر سختی بھی کر سکتا ہوں؟''

ایس پی کا لہجہ تلخ اور اشتعال انگیز تھا۔ میرے لئے اس کا یہ تضحیک آمیز سلوک ناقابل برداشت تھا پھر بھی میں نے بڑے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''ایس پی صاحب کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ کچھ لوگوں نے تمہیں میرے ضمن میں ورغلایا ہو اور یہ ہنگامہ جو ہوا ہے حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش ہو۔''

''اصلیت کیا ہے یہ جاننا تمہارا نہیں بلکہ ہمارا کام ہے۔'' ایس پی نے مجھے لال پیلی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے لئے میرا یہی حکم ہے کہ تم واپس پہاڑی پر چلے جاؤ ورنہ میں سختی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا کیا سمجھے؟''

میرے لئے اب ایس پی کے اس گستاخانہ رویے کو مزید برداشت کرنا ناممکن ہو گیا تھا پھر بھی میں نے قدرے نرمی سے کام لیتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''راستی پر کون ہے' کون حق کا امین ہے' یہ وقت تمہیں بتا دے گا لیکن کیا میں دریافت کر سکتا ہوں جب دشمنوں نے میرے دوست کے گھر کو آگ لگائی تھی اور اس کے بیوی بچے دور سے چلا رہے تھے' اس وقت تم کہاں تھے؟''

''مسٹر شاہد۔'' ایس پی نے اپنا بید اپنے دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے غصے سے کہا۔ ''تم مجھے سختی کرنے پر مجبور کر رہے ہو۔''

''حق کی راہ میں سختیاں برداشت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تو کیا تم پہاڑی پر واپس جانے کے لئے تیار نہیں ہو؟''

ایس پی کے لہجے میں میرے لئے کھلا چیلنج تھا۔

''خدا کے بتائے ہوئے قوانین کے آگے دنیوی قانون میرے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔'' میں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''میں دیکھوں گا کہ تم کتنے دنوں شہر میں رہ سکتے ہو۔'' ایس پی کرخت آواز میں بولا۔ ''میں تمہاری شکایت آئی جی سے کروں گا اس کے بعد کیا ہو گا تم دیکھو گے۔''

''میری دعا ہے کہ خدا تمہیں نیک ہدایت دے۔''

''شٹ اپ۔'' ایس پی تلملا اٹھا پھر باہر جاتے ہوئے بولا۔ ''بحیثیت ایس پی سٹی کے میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری اجازت کے بغیر اس عمارت سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ دوسرا حکم تم کو براہ راست آئی جی کی طرف سے ملے گا۔''

ایس پی اتنا کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا اس کے جانے کے کچھ دیر بعد اکبر بوکھلایا ہوا اندر داخل ہوا اور مجھ سے گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''شاہد میاں ایس پی نے باہر اپنے آدمی تعینات کر دیئے ہیں اور مجھے ہدایت کی ہے کہ میں باہر جانے کی کوشش نہ کروں۔ میں نے اسی وجہ سے تمہیں مشورہ دیا تھا کہ حالات ابھی سازگار نہیں ہیں۔ اب بھی وقت ہے شاہد میاں تم نے اگر اپنی ضد نہ چھوڑی اور پہاڑی پر واپس نہ گئے تو صورت حال زیادہ سنگین ہو جائے گی۔''

''صورت حال سنگین ہو چکی ہے اکبر اور مزید سنگین ہو گی' دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔''

اکبر نے ہر چند مجھے سمجھانے کی کوشش کی لیکن پھر تھک ہار کر خاموش ہو گیا۔ حالات کے دھارے نے جو رخ اختیار کیا تھا اس نے میری طبیعت میں اور جوش پیدا کر دیا۔ میں پنڈت اونکار ناتھ کو یہ بات بتانا چاہتا تھا کہ وہ کس طاقت سے نبرد آزما ہے۔ اس نابکار نے نہ صرف یہ کہ میری عبادت اور ریاضت کو چیلنج کیا تھا بلکہ میاں صاحب کی بزرگی کی شان میں بھی گستاخانہ الفاظ استعمال کئے تھے۔ میں اس کی آنکھوں پر پڑی ہوئی اس پٹی کو ہٹانا چاہتا تھا جس نے اسے تکبر کا شکار بنا رکھا تھا۔ چنانچہ میں نے اسی وقت وضو کیا اور ایک وظیفہ پڑھنے بیٹھ گیا۔ اکبر نے کوئی مداخلت کرنی مناسب نہیں سمجھی اور خاموش ہو کر بیٹھ رہا۔

میں وظیفے میں منہمک رہا۔ تصور میں پنڈت اونکار ناتھ کی حویلی میرے سامنے تھی۔ میری کیفیت اس وقت کچھ عجیب سی تھی۔ جوں جوں وظیفہ مکمل ہوتا جاتا تھا میرے اوپر غنودگی اور نشے کی سی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے وظیفہ ختم کر کے انگشت شہادت اونکار ناتھ کی حویلی کی سمت اٹھائی۔

پھر میں نے کشف کیا اور اپنی نظریں بند کر درمیانی رکاوٹوں کو دور کرنے کا عمل پڑھا تو اونکار ناتھ کی حویلی جس سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے میری نظروں کے سامنے تھی۔ میں نے اونکار ناتھ کو بڑے غیظ و غضب کی حالت میں دیکھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے قیمتی مال و اسباب کو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے بچانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا لیکن ہر چیز خس و خاشاک کے مانند جل رہی تھی۔ بیرسٹر راشد حسین ثمینہ کا ہاتھ تھامے آگ کے شعلوں سے بچتا بچاتا باہر کی طرف بھاگتا نظر آیا۔ مجھے اس وقت جو روحانی خوشی حاصل ہوئی اس کا اندازہ میرے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ میں نے کشف کی حالت کو ختم کیا۔ نظریں کھول کر اکبر کی طرف دیکھا تو وہ حیران پریشان کھڑا میری طرف پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں جائے نماز سے اٹھا اور اکبر کو مخاطب کر کے بولا۔

''اکبر میرے دوست اونکار ناتھ نے تمہارے ساتھ جو جارحانہ سلوک کیا تھا اس کے انتقام کا پہلا مرحلہ میں نے پورا کر دیا ابھی کچھ دیر میں تم سنو گے کہ اس نابکار پنڈت کی شاندار حویلی کا کیا حشر ہوا۔''

''شاہد میاں تم پر خدا کی رحمتیں ہوں' خدا کے لئے تم ان باتوں سے پرہیز کرو۔'' اکبر نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ ''اس طور پر دوسروں سے انتقام لینا اور نقصان پہنچانا تمہارے شایان شان نہیں۔ جو کچھ اونکار ناتھ نے میرے ساتھ کیا ہے اس کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دو اس کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔''

''نہیں اکبر ان نصائح سے میں تنگ آ چکا ہوں اب اس کمینہ صفت شخص کو بتانا ہی ہوگا کہ دل آزاری کی سزا کیا ہوتی ہے' بزرگوں کی شان میں گستاخانہ کلمے استعمال کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ میں اگر چاہتا تو وہ شیطان پنڈت مع راشد حسین اور ثمینہ کے اس آگ میں بھسم ہوسکتا تھا لیکن میں نے انہیں ایک اور موقع دیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ بہت ہے۔ انہیں یقیناً عبرت ہوگی۔''

''شاہد میاں۔ بڑے میاں صاحب کی دعاؤں سے تم نے بہت کچھ پالیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس مؤکلوں کی ایک پوری فوج موجود ہے۔ تم جسے چاہو نقصان پہنچا سکتے ہو مگر ان باتوں سے اول تو تمہاری بزرگی پر حرف آئے گا پھر تمہارے عقیدت مند بھی تم سے کترانے لگیں گے۔''

''ممکن ہے تمہارا اندازہ درست ہو مگر اب ان باتوں کو سوچنے سمجھنے کا وقت گزر چکا ہے۔'' میں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میں مانے لیتا ہوں شاہد میاں لیکن پولیس افسران کو تم کس طرح مطمئن کرسکو گے؟ وہ تمہارے خلاف سخت کارروائی بھی کرسکتے ہیں؟''

''پولیس!'' میں نے قدرے نفرت سے کہا۔ ''ہاں وہ میرے خلاف بہت کچھ کرسکتے ہیں لیکن یاد رکھو اگر انہوں نے زیادتی سے کام لیا تو مجھے انہیں کوئی معقول سبق دینا پڑے گا۔ میرا خدا اس بات کا شاہد ہے کہ میں نے ابھی تک کسی کو جانی نقصان نہیں پہنچایا۔ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں میری کسی ذاتی غرض کو دخل ہو۔''

ابھی میرے اور اکبر کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ وہی ایس پی غصے سے بھرا ہوا اندر داخل ہوا اور مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ بڑے تذبذب کی حالت میں ہے۔ میں مطمئن انداز میں بیٹھا رہا کچھ توقف کے بعد وہ مجھے مخاطب کر کے بولا۔

''کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ کسی نے پنڈت اونکار ناتھ جی کی حویلی کو آگ لگا دی ہے؟''

میں نے مسکراتے ہوئے طنزاً جواب دیا۔ ''جب تم نے مجھے یہاں نظر بند کر رکھا ہے تو بھلا مجھے کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟''

''تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے مسٹر شاہد۔ ایس پی ماتھر نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ پنڈت جی کی حویلی میں آتشزدگی کیونکر ہوئی۔ اس میں بھی تمہارے کسی سیوک کا ہاتھ ضرور شامل ہے۔'' ایس پی کے لہجے میں گھن گرج ضرور تھی لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ مرعوب بھی ہے چنانچہ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ماتھر جی تم مجھ سے کچھ پوچھنے کی بجائے اپنے پنڈت اونکار ناتھ سے کیوں نہیں دریافت کرتے کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اپنے کالے علم کے ذریعے تمہیں حقیقت سے آگاہ کردے۔''

''مسٹر شاہد تم زیادتی کر رہے ہو۔ تم ہمارے پنڈت اور پجاریوں پر کیچڑ نہیں اچھال سکتے۔ تمہیں اس حرکت پر پچھتانا ہوگا۔''

''میرا ایمان ہے ماتھر جی کہ خداوند کریم کو جو منظور ہوتا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔'' میں نے ایس پی کی بوکھلاہٹ سے قدرے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ ''انسان کی کیا مجال کہ وہ قانون قدرت میں رخنہ اندازی کرسکے۔''

''بکواس بند کرو ملا۔'' ماتھر آپے سے باہر ہو کر بولا۔ ''میں تمہیں حوالات میں بند کر کے سڑوا بھی سکتا ہوں۔''

ماتھر کے منہ سے بیہودہ کلمات سن کر مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے زبان بندی کا عمل پڑھ کر اس کی جانب دم کیا تو وہ بولتے بولتے یک لخت خاموش ہو گیا۔ اس کی حالت مضحکہ خیز ہو گئی۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن آواز ندارد تھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے بے بسی جھانک رہی تھی۔ اس نے واپس جانے کے ارادے سے گھومنے کی کوشش کی لیکن اس کے قدم جیسے زمین سے جکڑ کر رہ گئے تھے۔ اس کیفیت نے اس کی رہی سہی عقل بھی خبط کر دی اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں ان دو سپاہیوں کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا جو اس کے ساتھ آئے تھے اور اس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ سپاہی باہر نکل گئے تو اس نے میری طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا اور ہاتھ جوڑ دیئے۔ ماتھر سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ میں اسے صرف اس کی بدکلامی پر تھوڑی سی سرزنش کرنا چاہتا تھا چنانچہ جب اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑے تو میں نے بڑی نرمی سے کہا۔

''جاؤ ماتھر جی آئندہ اس بات کا دھیان رکھنا کہ اللہ والوں کو چھیڑنے اور ان سے بدکلامی کرنے کا انجام اچھا نہیں ہوتا تمہارے لئے اتنی ہی نصیحت کافی ہے۔''

میرا یہ کہنا تھا کہ ماتھر کی قوت گویائی دوبارہ واپس آ گئی۔ اس نے سہمے ہوئے لہجے میں بوکھلا کر میرا شکریہ ادا کیا پھر الٹے قدموں دروازے سے باہر نکل گیا۔ اکبر ابھی تک پیدا ہونے والی صورت حال سے بڑا متاثر نظر آ رہا تھا۔ میں نے اکبر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تم پریشان مت ہوا کبر اب ماتھر جی دوبارہ میرے خلاف ایک لفظ کہنے کی ہمت نہیں کریں گے۔''

اکبر نے اثبات میں گردن کو جنبش دی پھر برابر والے کمرے میں چلا گیا۔ میں کمر سیدھی کرنے کی غرض سے اسی کوچ پر نیم دراز ہو گیا جس پر میں نے رات گزاری تھی۔ میرا ذہن پنڈت اونکار ناتھ میں الجھا ہوا تھا میری خواہش تھی کہ وہ اپنی حماقتوں کو محسوس کرے اور میرے پاس آ کر غلطیوں اور غلط فہمیوں کا اعتراف کرے۔ اسی وجہ سے میں نے ابھی تک اسے کچھ طرح دے رکھی تھی۔ البتہ راشد حسین اور ثمینہ کے لئے میرے دل میں رعایت کی کوئی گنجائش نہیں تھی مگر مجھے رشیدہ کی واپسی کا انتظار تھا۔ میں چاہتا تھا کہ ان پر مصائب کا سلسلہ اتنا ہی طویل ہو جتنا اس خاندان کی وجہ سے مجھ پر ہوا تھا۔ میں لاکھ کوشش کے باوجود بیرسٹر راشد حسین کے مظالم کو نہ بھلا سکا تھا۔ مجھے اکبر کا خیال بھی تھا میری ہی وجہ سے بے چارہ راندہ درگاہ ہوا تھا میں چاہتا تھا کہ اس کی آسودہ حالی کے لئے بھی کچھ کروں۔

ابھی مجھے نیم دراز ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اچانک ابوالحسن (جن) میرے سامنے نمودار ہوئے ان کے چہرے پر مجھے الجھن اور پریشانی کے تاثرات نظر آئے تو میں نے دریافت کیا۔

''کیا بات ہے ابوالحسن' آپ مجھے خلاف توقع آزردہ نظر آ رہے ہیں۔''

''میاں صاحب!'' ابوالحسن نے عجز سے کہنا شروع کیا۔ ''میں ایک بار پھر آپ کی خدمت میں یہ درخواست کرنے حاضر ہوا ہوں کہ آپ پہاڑی پر چل کر رشد و ہدایت اور فیض عام کا سلسلہ جاری کریں اور اپنے خادموں کو موقع دیں کہ وہ آپ کے کسی کام آ سکیں۔'' ابوالحسن نے بڑی لجاجت سے کہا۔ ''صرف آپ کے اشارے کی دیر ہے میاں صاحب میرے قبیلے کے ہزاروں افراد آپ کے دشمنوں کو منٹوں میں صفحہ ہستی سے حرف

غلط کی طرح مٹادیں گے۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں ابوالحسن کہ آپ اور آپ کے قبیلے کے احباب مجھے اتنی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ میرے عزیز ہیں۔ آپ نے قدم قدم پر میری رہبری کی ہے لیکن میں نے بارہا آپ سے گزارش کی ہے کہ ان معاملوں میں آپ نہ الجھئے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں اس معاملے میں اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکا۔ مجھے اپنی شکست تسلیم ہے لیکن ابوالحسن یقین کیجئے یہ سب میں اس بابرکت پہاڑی کی آبرو کے لئے کر رہا ہوں اور اس لئے بھی کہ میں کامل سکون سے آئندہ اپنے مشاغل دینی میں مصروف رہ سکوں۔"

"باہر ایک ہنگامہ برپا ہے میاں صاحب!" ابوالحسن تیزی سے بولے۔ "آپ کے عقیدت مندوں نے آپ کی عدم موجودگی کو مختلف اور عجیب معانی پہنانے شروع کر دیئے ہیں۔"

"یہ آپ نے کیا کہا ابوالحسن؟" میں چونک کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "مجھے بتایئے ابوالحسن کہ میرے عقیدت مند میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں۔ یہ کس قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔"

"لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے خدانخواستہ پولیس سے متاثر ہو کر پہاڑی چھوڑ دی ہے۔" ابوالحسن نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "کچھ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ ہی کے حکم پر شمشیر علی نے پولیس انسپکٹر پر حملہ کیا تھا۔ بعض افراد نے دشمنوں کو بہکائے میں آ کر آپ پر بے بنیاد اور گھناؤنے الزامات تراشنے بھی شروع کر دیئے ہیں۔"

"اللہ اکبر اللہ اکبر!" میں نے حیرت سے کہا۔ "ابوالحسن کیا میرے عقیدت مند میری گزشتہ خدمات بھول گئے؟ کیا انہیں یہ یاد نہیں رہا کہ میاں صاحب نے اپنی جانشینی کی سعادت مجھے سونپی تھی؟ کیا میں نے اس سلسلے میں کبھی کوئی کوتاہی کی؟ خیر۔" میں نے خود کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "کہنے دو اگر وہ کچھ کہتے ہیں' اللہ بڑا ہے اسے جو منظور ہوگا..... وہی ہوگا۔"

"میں ہاتھ باندھ کر عرض کرتا ہوں میاں صاحب کہ آپ اپنے حجرے میں واپس چلیں ساری باتیں از خود ختم ہو جائیں گی۔ آپ کے حریف راہ راست پر آ جائیں گے اور عقیدت مندوں کے شبہات بھی دور ہو جائیں گے۔"

"نہیں' ابوالحسن نہیں' اب یہ ناممکن ہے۔" میں نے اٹھ کر ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا دل دیکھو کیا تمہیں اس میں برائیاں نظر آتی ہیں؟ خدا شاہد ہے ابوالحسن میں نے بلاوجہ کسی کو پریشان کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے مجھے کسی بات کا خوف نہیں۔ میرے عقیدت مند جو کہتے ہیں انہیں کہنے دو۔ میں دعا کروں گا کہ خدا ان کو سیاہ و سپید کا فرق سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔"

ابوالحسن نے مجھے سمجھانے اور پہاڑی پر واپس جانے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن میں اپنی جگہ اٹل رہا۔ اس نے میرے دشمنوں سے نپٹنے کے لئے مجھ سے اجازت چاہی لیکن میں نے منع کر دیا۔ ابوالحسن مایوس ہو کر واپس چلے گئے تو میں نے سکون قلب کی خاطر میاں صاحب کا ودیعت کیا ہوا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں خود کو مزید مشتعل نہیں کرنا چاہتا تھا مبادا کہ اشتعال کی حالت میں مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جاتی جو خدا کے حضور ناگوار گزرتی۔ میرے وظیفے کا ورد ابھی جاری تھا کہ اکبر ناشتہ لے کر آ گیا۔ میں نے وظیفہ ختم کر کے ناشتہ کیا۔ ناشتے کے

دوران اکبر نے میرے استفسار پر بتایا کہ ماتھر نے ان پولیس والوں کو واپس بلا لیا ہے جو میری نگرانی پر مامور کئے گئے تھے۔

ظہر اور عصر کی نماز میں نے اکبر کے دفتر میں ہی ادا کی۔ مغرب کی نماز کے بعد میں باہر جانے کا قصد کر رہا تھا کہ ڈی ایس پی ظفر علی آ گئے انہوں نے مجھے بڑے ادب سے سلام کیا۔ میں نے آنے کی وجہ دریافت کی تو بولے۔

''میاں صاحب میں آپ کو شہر کی حالت سے باخبر کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔''

''ظفر علی میاں' میں جانتا ہوں کہ باہر کیا ہو رہا ہے لیکن ان باتوں سے میرا کوئی سروکار نہیں۔ رہا پنڈت اونکار ناتھ کا مسئلہ تو تم کو بلا خوف و خطر بتاتا ہوں کہ اس کی حویلی میرے موکلوں نے جلائی تھی لیکن پولیس میرے خلاف کوئی فرد جرم عائد نہیں کر سکتی۔ جس وقت حویلی جلی تھی اس وقت تمہارے ایس پی ماتھر جی کے سپاہی میری نگرانی کے لئے موجود تھے۔ وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ میں ایک لمحے کے لئے بھی باہر نہیں گیا۔''

''آپ کا کہنا بجا ہے میاں صاحب لیکن میں اس وقت ایک خاص درخواست لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔'' ظفر علی نے دبی زبان سے کہا۔ ''اگر آپ کچھ دنوں کے لئے پہاڑی پر واپس چلے جائیں تو شہر کے حالات سدھر سکتے ہیں۔ رہا پنڈت اونکار ناتھ کا مسئلہ تو میں آپ کو ایک سچے عقیدت مند کی حیثیت سے یقین دلاتا ہوں کہ میں اس کے خلاف کارروائی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔''

''میں خدا کے سوا کسی کا پابند نہیں ہوں ظفر علی میاں۔'' میں نے چڑ کر کہا۔ ''شہر میں پھیلی ہوئی کشیدگی کو دور کرنا پولیس کا کام ہے۔ یقین رکھو میں تم لوگوں کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔''

ظفر علی بھی مایوس ہو کر واپس چلے گئے تو میں نے اس کشیدہ اور ناگفتہ صورت حال کا از سر نو جائزہ لیا۔ پولیس کے دباؤ میں آ کر اپنے تمام اقدام واپس لینے کا مطلب تھا کہ پولیس مسلمانوں کے معاملے میں ہمیشہ یہ وتیرہ اختیار کرتی۔ میں سوچنے لگا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ معاً مجھے اکبر کا خیال آ گیا۔ وہ صبح مجھ سے اجازت لے کر دوسرے کمرے میں گیا تھا لیکن ابھی تک واپس نہیں آیا۔ دوپہر کا کھانا اس کے ایک چپراسی نے مجھے کھلایا تھا۔ اکبر کی عدم موجودگی سے میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے اٹھ کر دوسرے کمرے میں جھانکا تو وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ دفتر بند پڑا تھا۔

''اکبر کہاں جا سکتا ہے؟'' میں نے سوچا۔ پھر میرے ذہن میں مختلف شبہات سر ابھارنے لگے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا میری بے چینی اور الجھن میں اضافہ ہوتا گیا۔ عشا کا وقت آیا تو میں نے اضطراب کے عالم میں نماز ادا کی۔ چپراسی کے ذریعے میں نے روحوں کو بلانے کے لئے مختلف قسم کے لوازم آگ اور خوشبو منگوائی اور پھر الماس کی روح کو طلب کرنے والا وظیفہ شروع کر دیا۔ الماس کی روح جلد ہی میری طلبی پر حاضر ہو گئی۔ میں نے اس سے اکبر کے بارے میں دریافت کیا تو وہ باادب بولی۔

''اے نیک بزرگ آپ کے دوست کو اونکار ناتھ کے کالے علم کے بیروں نے اغوا کر لیا ہے۔''

''الماس۔'' اس کا نام میرے ہونٹوں سے نکل نہیں رہا تھا۔ ''مجھے بتاؤ کہ اکبر اس وقت کہاں ہے اور وہ مردود نابکار پنڈت مجھے کہاں مل سکتا ہے؟''

''اونکار ناتھ بیرسٹر راشد حسین اور ثمینہ کو ساتھ لے کر ایک مقامی مندر میں مقیم ہے جہاں پولیس کا کڑا پہرہ لگا ہوا ہے۔ پجاریوں کو بھی

مندر میں جانے کی اجازت نہیں مل رہی۔''

الماس اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی تو میں اس پر اور مشتعل ہوگیا۔اس کا جواب ادھورا تھا۔میں نے اسے شدید غصے کی حالت میں مخاطب کر کے کہا۔

''الماس تم نے اکبر کے بارے میں مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس مقام پر قید کیا گیا ہے۔یہ تم غیر واضح جوابات کیوں دے رہی ہو' مجھے حالات سے پوری طرح باخبر کرو۔''

''حضرت میں آپ کی تابع ہوں۔''الماس نے یہ کہہ کر سر جھکایا۔

میں نے خود کو سنبھالا اور اس سے کہا۔''الماس جاؤ اور اکبر کو رہا کر کے میرے پاس حاضر کرو۔''

الماس نے نظریں نیچی کر کے کہا۔''اے عالی مرتبہ بزرگ میں آپ کے احکام کی تابع ہوں لیکن اکبر کی رہائی کے سلسلے میں معذور ہوں۔''

''وجہ.....الماس وجہ؟''

''اے بزرگ اونکار ناتھ کالے علم اور سفلی جیسے ناپاک علم میں دور دور تک مشہور ہے۔اس نے اپنی دیوی دیوتاؤں سے پراتھنا کی ہے کہ وہ اس کی سہائتا کریں' کالی نے اس کی درخواست قبول کر لی ہے اور اب۔''

''میں ان بے ہودہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا الماس مجھے اکبر کا پتا درکار ہے۔''

''میں معذور ہوں حضرت جہاں کالے علم کے ناپاک پیر ہوں اس علاقے میں میرا گزر ناممکن ہے۔میں خود کو آلودہ نہیں کرنا چاہتی۔''

الماس نے نظریں جھکا کر اپنی مجبوری کا اظہار کیا تو میں غصے سے لرزنے لگا چنانچہ میں نے اسے غضب ناک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''الماس کیا میں یہ سمجھوں کہ تم نے میرے احکام سے انکار کی جرأت کی ہے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ پہاڑی سے نیچے آنے میں میرا مقصد کیا ہے؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ انکار کرنے کے بعد تم کس سزا کی مستوجب ہو رہی ہو؟ جاؤ تم نے میرے حکم سے انکار کی جرأت کیسے کی؟ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس علاقے میں جاؤ جہاں اکبر موجود ہے۔میرے دوست کی بازیابی کا کام تمہیں سرانجام دینا ہوگا۔انکار کا لفظ اب تمہاری زبان پر نہیں آنا چاہئے۔''

الماس نے سہمی ہوئی نظروں سے میری سمت دیکھا پھر خاموشی سے گردن جھکا لی۔میں کچھ دیر تک اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا لیکن جب الماس نے کوئی کلام نہ کیا تو میں نے اسی لہجے میں مخاطب کیا۔

''الماس میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔''

''اے نیک بزرگ میں اکبر کی بازیابی کے سلسلے میں مجبور اور بے بس ہوں۔''

''تم گستاخی کر رہی ہو میں تمہیں اس کی سزا ضرور دوں گا۔کیا تم نے ان طوطوں کو نہیں دیکھا جو میرے حجرے میں موجود ہیں؟''

''نہیں نہیں بزرگ میں معافی چاہتی ہوں لیکن میں مجبور ہوں۔''

میں نے اس کی بات نہیں سنی اور طیش میں آ کر ایک عمل پڑھا۔ الماس کی روح ایک لمحے میں غائب ہوگئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جلد ہی میرے پاس کسی اور صورت میں اپنی گستاخی کی معافی مانگنے آئے گی۔ اس وقت میرا عالم عجیب تھا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی میرے حواس معطل ہو چکے تھے اور میں ایک بزرگ سے ایک عام شخص بن گیا تھا۔ مجھے اکبر کے اغوا نے چڑچڑا کر دیا تھا۔ میں غصے میں پھنکا جا رہا تھا کچھ دیر تک میں اسی کیفیت سے دوچار رہا۔ پھر میں نے ایک اور وظیفہ پڑھا اور اس مندر کو نذر آتش کر دیا جہاں اونکار ناتھ، راشد حسین اور ثمینہ کے ساتھ چھپا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے کشف کیا تو درمیانی رکاوٹیں چھٹ گئیں۔ میری نظریں جلے ہوئے مندر پر تھیں لیکن مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ اونکار ناتھ اس بار بھی راشد حسین اور ثمینہ کو ساتھ لے کر مندر سے نکل گیا تھا۔ راشد حسین بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ اس نے خوف زدہ لہجے میں اونکار ناتھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''پنڈت جی بھگوان کے لئے اس شاہد علی کے لئے کچھ کرو ورنہ ہم کب تک آگ کے شعلوں سے یوں جان بچاتے پھریں گے۔''

''دھیرج! راشد حسین دھیرج۔'' اونکار ناتھ نے غصے سے تلملا کر جواب دیا۔ ''میں دیکھوں گا کہ وہ مجھ پر کتنے وار اور کر سکتا ہے۔ میرے بیرا سے بہت جلد موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ یہ بچوں کا کھیل جلد ہی ختم ہو جائے گا۔''

اونکار ناتھ اور راشد حسین مندر کے باہر کھڑے ان باتوں میں مصروف تھے کہ میں نے دیکھا ہندو اور مسلم کے دو گروہ نمودار ہو کر آپس میں برسر پیکار ہو گئے۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ مقدس عمارت کو مسلمانوں نے آگ لگائی ہے لہٰذا کشیدگی کا پیدا ہونا لازم تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گروہ جنگلی درندوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ کئی خنجر مختلف سمت سے لہرائے اور متعدد بے گناہ افراد خون میں نہا کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر میں چونکا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں میرے ذہن میں اب بھی زخمیوں کی چیخ و پکار گونج رہی تھی، میں محسوس کر رہا تھا کہ مرنے والوں کا خون میری گردن پر ہے لیکن میں مجبور تھا۔ اکبر کے اغوا کی واردات نے مجھے دیوانگی کی سرحدوں پر لا کھڑا کیا تھا۔ میں یہ بتانا بھول گیا کہ میں نے اکبر کی حالت اور اس کی قید کے مقام کے تعین کے لئے بھی کشف کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ یہی وجہ تھی کہ میں ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ میں نے مندر کو نذر آتش کر دیا اور اس کے نتیجے میں یہ ہولناک فساد واقع ہوا۔ حالات تیزی سے بگڑ رہے تھے اور میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں انتہا پسندانہ اقدام کروں۔

میں اسی شش و پنج میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میں ہر قیمت پر اکبر کو اونکار ناتھ کے بیروں کے چنگل سے بچانا چاہتا تھا۔ ابھی میں اپنے اگلے اقدام کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ معاً میری نظر درشہوار پر پڑی جو میری نظروں کے سامنے موجود تھی۔ اس کے معصوم چہرے پر ان گنت سوال تھے۔ اس وقت درشہوار کو اپنے قریب دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے تقویت محسوس ہوئی۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''دری تم! تم یہاں کیسے آ گئیں؟''

''میں کبھی نہ آتی لیکن آپ کے اضطراب نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کر دیا۔ میں آپ کو اس کیفیت میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی۔ آپ کو اس وقت میری ضرورت ہے۔ میں نے یہاں آنے کے لئے بابا جان اور قبیلے والوں کی ناراضگی بھی گوارا کر لی۔''

''میں سمجھا نہیں دری۔'' میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''کیا ابوالحسن نے تمہیں میرے پاس آنے سے منع کیا تھا؟''

''ہاں!'' درشہوار نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بابا جان اور قبیلے والے آپ کی بے حد عزت کرتے ہیں لیکن۔''

''لیکن کیا دری خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ ابوالحسن اور میرے رفیق اجنہ کس بات پر ناراض ہیں؟'' میں نے درشہوار کو جملہ نامکمل چھوڑتے دیکھ کر بے چینی سے دریافت کیا۔

''بابا جان اور قبیلے والوں کا خیال ہے کہ آپ ان راستوں سے بھٹک گئے ہیں جن پر میاں صاحب نے آپ کو چلنے کی تلقین کی تھی۔'' درشہوار نے دبی زبان میں جواب دیا تو میں تڑپ اٹھا میں نے کہا۔

''دری، اکبر کے اغوا نے مجھے جارحانہ اقدام کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ میری وجہ سے بے گناہ انسانوں کا خون ہوا ہے لیکن میں مجبور تھا دری۔ اکبر میری وجہ سے حادثات کا شکار ہوا ہے۔ میں اس کی مدد سے منہ کیسے موڑ لوں؟ تم میری رہنمائی کرو دری۔''

''میں جانتی ہوں کہ اس وقت آپ کے دل کی حالت کیا ہے۔'' درشہوار نے میرے قریب آتے ہوئے کہا پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بڑی اپنائیت سے بولی۔ ''میں آپ کے ساتھ ہوں مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں دری کی جان بھی نذر ہے۔''

''مجھے یقین ہے 'دری مجھے یقین ہے۔'' میں نے درشہوار کے ہاتھ کو جوش سے تھامتے ہوئے کہا۔

''دری میں اکبر کی بازیابی کے لئے بے چین ہوں۔ میں نے روح الماس سے مدد چاہی تھی لیکن اس نے اپنی معذوری کا اظہار کر دیا چنانچہ میں غصے کی حالت میں بھڑک اٹھا۔ خدا مجھے معاف کرے'' پھر میں نے اسے پوری تفصیل کے ساتھ صورت حال سے آگاہ کیا۔

''آپ میری مانیں گے۔'' درشہوار نے بے پناہ لگاؤ سے کہا۔

''دری یہ تم کیا کہہ رہی ہو میں نے کب کسی کی بات نہیں مانی ہے لیکن پے در پے حادثات نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔ تم سمجھتی کیوں نہیں کہ آخر کار میرے اس اقدام کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن آپ مان لیجئے کہ آپ کو میری رفاقت کی ضرورت ہے۔'' درشہوار نے اعتماد سے کہا۔ ''میں اسی لئے آئی ہوں۔ اب آپ خاموش رہیں آپ کی فضیلت اپنی جگہ ہے تاہم بعض معاملوں میں آپ کا ہاتھ ڈالنا مناسب نہیں۔ یہ کام آپ اپنے رفقا کے اوپر چھوڑ دیجئے' وہ بھی تو آپ کے ساتھ آپ کے بلند مرتبے کے سبب سے ہیں۔''

''دری تم بہت ذہین اور معاملہ فہم دوشیزہ ہو۔ ہاں میں اپنے عزیز دوست کی بازیابی کے سلسلے میں تمہاری معاونت چاہتا ہوں۔ فی الحال یہ معلوم کرنا ہے کہ اونکار ناتھ کے بیروں نے اسے کہاں مقید کیا ہے باقی کام میں خود کر لوں گا۔''

درشہوار نے جواب میں تامل کا مظاہرہ کیا تو میں نے بڑی بے چینی سے کہا۔

''دری تم کیا سوچ رہی ہو؟''

درشہوار نے اپنے خیالوں سے چونکتے ہوئے کہا۔ ''میری حقیقت اس ہوا کے مانند ہے جس کا گزر ہر جگہ ممکن ہے میں اکبر حسین کو یقیناً

تلاش کرلوں گی لیکن۔''

''لیکن کیا۔'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''سنئے اگر آپ نے اپنے دوست کی بازیابی میں جلد بازی سے کام لیا تو حالات آپ کے حق میں اور خراب ہو جائیں گے۔ اونکارناتھ کے چیلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے' اس کے گرگے فساد پر آمادہ ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ پہلے اونکارناتھ سے دوبدو بات کریں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کی کرامتوں کے کرشمے دیکھ کر متاثر ہو جائے۔ دوسری صورت میں' میں حضرت سلیمان کی قسم کھا کر وعدہ کرتی ہوں کہ آپ مجھ سے جو کہیں گے وہی ہوگا۔'' درشہوار نے مجھے سمجھایا تو بات میری سمجھ میں آ گئی۔ میں خود بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ میرے اور اونکارناتھ کے مقابلے میں بے گناہوں کا خون اور بہے۔ میں نے سوچ کر کہا۔

''دری اگر تم کہتی ہو تو میں اونکارناتھ سے دوبدو گفتگو کرنے کو بھی تیار ہوں لیکن کیا میرا اور اس کا آمنا سامنا مناسب ہوگا۔ کیا یہ بات قرین قیاس نہیں کہ اس نابکار کے گرگے مجھے سامنے دیکھ کر مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں گے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اگر ایسا ہوا تو پھر میں بھی ہوش کا دامن کھو بیٹھوں گا۔''

''آپ ایسے جا سکتے ہیں کہ آپ کو کوئی نہ دیکھے آپ نظر بندی کا عمل پڑھ سکتے ہیں۔'' درشہوار نے مجھے آمادہ پا کر جلدی سے بولی۔ ''میں بھی آپ پر اس طرح سایہ کئے رہوں گی کہ صرف اونکارناتھ آپ کو دیکھ سکے دوسرے افراد کی آنکھوں پر پردہ پڑا رہے۔''

''کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ پنڈت اونکارناتھ اس وقت کہاں ہے؟''

''میں نے اس واقعے سے خود کو پوری طرح باخبر رکھا ہے۔'' درشہوار نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔ پھر میرا ہاتھ تھام کر باہر کی سمت بڑھنے لگی۔

سڑک عبور کرتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ پولیس کی تین گاڑیاں اکبر کے آفس کے سامنے پہنچ کر رک گئیں۔ چالیس پچاس پولیس والوں میں تین چار افسر بھی تھے اور ان کی قیادت ڈی آئی جی کر رہا تھا۔ میں بگڑے ہوئے تیور سے پلٹا ہی تھا کہ درشہوار نے کہا۔

''نہیں آپ کوئی مداخلت نہیں کیجئے گا۔''

''دری۔ یہ بدبخت لوگ اکبر کے کاروبار کو بھی تہس نہس کر دیں گے۔'' میں نے غصے سے کہا تو درشہوار تیزی سے بولی۔

''مجھے معلوم ہے وہ کیوں آئے ہیں۔ یہ یہاں محض آپ کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ آپ کو موجود نہ پا کر خاموشی سے کسی اور طرف نکل جائیں گے۔ اکبر حسین یا ان کے کاروبار سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔''

''ایسی صورت میں کیا میرا اس طرح غائب ہو جانا مناسب ہوگا دری یہ تم کس طرح سوچ رہی ہو؟''

''میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ آپ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔'' درشہوار مجھے سمجھاتے ہوئے بولی۔ ''حالات کا تقاضا یہی ہے کہ آپ صبر و تحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔''

درشہوار کے کہنے پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگا۔ لوگوں کا ہجوم ہمارے دائیں بائیں سے گزر رہا تھا لیکن کسی نے بھی ہماری طرف توجہ نہ دی تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ درشہوار نے بدستور میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ وہ ایک عالم و فاضل جن کی لڑکی تھی اس کے پاس خود بڑی فضیلتیں تھیں۔ میاں صاحب اس پر خاص شفقت فرماتے تھے۔ میں اس وقت اس کی رہبری میں تھا اور خود کو کسی قدر پُرسکون اور آسودہ محسوس کر رہا تھا۔ میں اس کے قرب دل نشین میں محو تھا۔

ہم مختلف سڑکوں سے گزرتے رہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ درشہوار مجھے کہاں لئے جا رہی ہے۔ کچھ دیر بعد جب ہم ایک پولیس اسٹیشن کے سامنے پہنچے تو میں چپ نہ رہ سکا میں نے درشہوار سے دریافت کیا۔

''دری ہم کہاں آ گئے ہیں؟''

''پنڈت اونکار ناتھ راشد حسین اور ثمینہ کے ساتھ اس وقت پولیس کے تحفظ میں ہے۔ پولیس نے ان کا بیان لینے کے بعد انہیں اسی تھانے کے ایک کمرے میں جگہ دے رکھی ہے۔''

''جی چاہتا ہے کہ اس پورے تھانے کو نذر آتش کر دیا جائے تاکہ بانس اور بانسری کا وجود نہ رہے۔''

درشہوار مسکرائی۔ ''مگر یہ اقدام آپ کو زیب نہیں دے گا۔ میں نہیں سمجھتی کہ اونکار ناتھ اور آپ کا کوئی مقابلہ ہے۔ یقیناً کوئی نہیں اگر آپ اونکار ناتھ کو سزا دینا چاہتے ہیں تو اسے ہوشیار کر کے یہ مرحلہ کیوں نہ سر کیا جائے آیئے میرے ساتھ میں آپ کو اس کمرے تک لیے چلتی ہوں جہاں اونکار ناتھ موجود ہے۔''

میں خاموشی سے درشہوار کے ساتھ آگے بڑھا اور پولیس والوں کے درمیان سے ہوتا ہوا تھانے کے اندر داخل ہو گیا جہاں ہر سمت بڑا سخت پہرا تھا۔ میں مختلف کمروں سے ہوتا ہوا ایک کمرے میں داخل ہوا تو میرا چہرہ غصے کی شدت سے تمتما اٹھا۔ میرے سامنے پنڈت اونکار ناتھ تھا جو سینہ تانے کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ایس پی ماتھر کچھ کاغذات لئے بیٹھا کسی مسئلے کے حل میں سرگرداں تھا۔ درشہوار نے میرے تیور خراب ہوتے دیکھے تو سرگوشی کی۔

''سنیے خدا کے لئے پُرسکون رہنے کی کوشش کریں ورنہ سب کام خراب ہو جائے گا۔''

میں نے درشہوار کی بات کا جواب سر کی معمولی جنبش سے دیا پھر غصے سے اونکار ناتھ اور ایس پی ماتھر کو گھورنے لگا۔ کمرے میں چند ساعت تک مکمل سکوت رہا پھر اونکار ناتھ ہونٹ چباتا ہوا ماتھر سے بولا۔

''مجھے صرف راشد حسین اور ثمینہ کی چنتا تھی ماتھر جی ورنہ اب تک میں اس تماشا باز شخص کا کریا کرم کر چکا ہوتا۔ پرنتو اب تم نے ان دونوں کی رکھشا کا وچن دیا ہے تو میں آرام کے ساتھ اس کا کریا کرم کر سکوں گا۔''

''مہاراج میں راشد حسین اور اس کی لڑکی کا پورا پورا دھیان رکھوں گا لیکن کیا آپ میاں جی سے تنہا۔''

''ماتھر جی!'' اونکار ناتھ ایس پی کا جملہ اچک کر غرایا۔ ''تم نے اس چھوکرے کو میرے سامنے میاں جی کہہ کر میرا اپمان کیا ہے کیا تمہیں

اپنے سادھو پنڈتوں اور اپنے دھرم پر وشواس نہیں رہا۔''

ماتھر اونکار ناتھ کی بات سن کر گڑبڑا گیا۔ کرسی پر پہلو بدل کر بولا۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا مہاراج بلکہ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ جب پولیس میں آپ کے بے شمار سیوک موجود ہیں تو پھر آپ کیوں دشمنوں کے منہ لگتے ہیں۔''

''نہیں ماتھر۔'' اونکار ناتھ گرجتے ہوئے بولا۔ ''شاہد علی نے براہ راست مجھے نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا اپائے میرے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ایک بات اور بھی دھیان میں رکھو شاہد علی کوئی معمولی آدمی نہیں۔ بڑے میاں جی اسے دو چار گر سکھا گئے ہیں جن کے ذریعے وہ چمتکار دکھاتا رہتا ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ بھگوان اور دیوی دیوتاؤں کی طرف سے دیے ہوئے میرے علم کو زیر کر سکے۔ یہ بہت مشکل ہے میں نے اپنے پورے جیون کی تپسیا کے بعد کچھ حاصل کیا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسے کسی بڑے مقام پر پہنچنے کے لئے ابھی اور تپسیا کرنا ہوگی پھر بھی وہ اونکار ناتھ سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔''

''جیسی آپ کی مرضی مہاراج۔'' ماتھر نے مجبور ہو کر جواب دیا پھر اس نے اٹھ کر بڑے ادب سے اس مردم آزار پنڈت کو پرنام کیا اور اس کا آشیرواد لے کر کمرے سے نکل گیا۔

ماتھر کے جانے کے بعد اونکار ناتھ کچھ دیر تک کمرے میں بے چینی سے ادھر ادھر گھومتا رہا پھر وہ ایک کرسی پر براجمان ہو گیا۔ اس کی نظروں میں تشویش اور الجھن کے تاثرات عیاں تھے۔ میں اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا لیکن وہ مجھے دیکھنے سے قاصر تھا پھر جیسے ہی درشہوار نے میرا ہاتھ چھوڑا اونکار ناتھ نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہوا جیسے کسی زہریلے بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ حیرت زدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کی حیرتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''گھبرا گئے ہیں اونکار ناتھ جی۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اس وقت یہاں میری آمد پر یقیناً ششدر ہوں گے لیکن اگر آپ نے اس متبرک پہاڑی کی عظمت و حرمت کو محسوس کر لیا ہوتا تو شاید آپ کی یہ حالت نہ ہوتی۔''

اونکار ناتھ نے بڑی جلدی خود پر قابو پا لیا۔ اس کی آنکھوں سے اب حیرت کے بجائے نفرت ٹپک رہی تھی۔ وہ اسی مغرور لہجے میں مخاطب ہوا جو اس کا طرہ امتیاز تھا۔

''شاہد علی میں تمہارا سواگت کرتا ہوں تم یہ سوچ رہے ہو کہ میں تمہارے آنے سے حیرت زدہ ہوا ہوں تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میرا خیال ہے یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ یہ کیوں نہیں سوچا کہ تم موت کے منہ میں چھلانگ لگا رہے ہو۔''

''کیا اب بھی ان باتوں کی کوئی اہمیت رہ گئی ہے اونکار ناتھ۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ ہم دونوں کو آپس میں نمٹ لینا چاہئے اگرچہ بظاہر اس کی ضرورت نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ بہتر ہے یہ فیصلہ میرے اور تمہارے درمیان ہو جائے۔ بے گناہ انسانوں کو درمیان میں مت لاؤ تم نے اکبر حسین پر وار کر کے کسی بلند ہمتی کا ثبوت نہیں دیا۔

''کیا تم مجھے یہاں دھرم وید کا کوئی پاٹھ پڑھانے آئے ہو۔'' اونکار ناتھ نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''سنو میاں شاہد! اکبر کو میں نے کیوں اس کارن اپنے بیروں کے ذریعے اٹھوایا ہے کہ تم اس بات پر ٹھنڈے دل سے وچار کر سکو کہ میرے منتر میں کتنی شکتی ہے۔ اس کے بعد تم اس نتیجے پر پہنچ سکو گے کہ تم نے کس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا ہے۔''

''تم بڑی باتیں کر رہے ہو وقت کا انتظار کرو اونکار ناتھ۔ وقت تمہیں بتائے گا کہ تکبر اور غرور کا انجام کیا ہوتا ہے۔'' میں نے پنڈت کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اکبر کی بازیابی میرے لئے ناممکن نہیں مگر میں پہلے تم سے دو دو باتیں کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ میرے مذہب نے دوسروں پر ظلم کرنا نہیں سکھایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم راہ راست پر آ جاؤ نیک و بد کی تمیز کر سکو اور بلاوجہ اللہ کے بندوں سے الجھنے کی حماقت سے توبہ کر لو۔ اگر تم میری ہدایتوں پر عمل کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو مجھے اپنا بہترین رفیق پاؤ گے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہمارے تمہارے درمیان کبھی روابط رہ چکے ہیں۔''

''میاں صاحب نے اچھی شکھشا دی ہے تمہیں۔'' اونکار ناتھ زہر خند سے بولا۔ ''اگر تم شعبدے بازی چھوڑ کر بازاروں میں مجمع لگانا شروع کر دو تو خاصی دولت سمیٹ سکتے ہو جو کچھ سہائتا مجھ سے ہو سکے گی میں بھی کرتا رہوں گا۔''

''تم صرف بے ہودہ نہیں بلکہ بدزبان اور گستاخ بھی ہو اونکار ناتھ۔'' میں نے قدرے برہمی سے کہا۔ ''ظالم کی جب رسی دراز ہو جائے تو پھر اس کا علاج فرض ہو جاتا ہے۔''

''تم شاید بھول رہے ہو شاہد علی کہ اس سے تم کس کے سامنے کھڑے باتیں کر رہے ہو۔'' اونکار ناتھ کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔ ''میں تم جیسے نادانوں پر توجہ نہیں دیتا لیکن بچہ اگر بگڑ جائے تو اسے سیدھا کرنا ضروری ہوتا ہے۔''

''تم بڑی غلط فہمیوں کا شکار ہو پنڈت جی۔'' میں نے اونکار ناتھ کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے پھر درخواست کرتا ہوں' اسے آخری موقع سمجھو اگر سدھر سکو تو ٹھیک ہے ورنہ کیا ہو سکتا ہے یہ تم نہیں جانتے۔''

''اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کیا تمہیں وشواس ہے کہ تم یہاں سے زندہ بچ کر جا سکو گے۔''

''مومن موت سے کبھی نہیں ڈرتا اونکار ناتھ۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میری موت کم از کم تمہارے جیسے پاپی کے ہاتھوں کبھی نہ ہو گی۔'' میں نے اس بار سرد لہجہ اختیار کیا۔ ''البتہ میں یہ ضرور سوچ رہا ہوں کہ کہیں تمہاری گستاخی اور چرب زبانی مجھے تمہیں کچھ سمجھانے پر مجبور نہ کر دے۔''

''تم بہت بڑھ کر باتیں کر رہے ہو شاہد علی۔'' اونکار ناتھ تیوری پر بل ڈال کر بولا۔ ''کیا دنیا سے تمہارا دل بالکل ہی اچاٹ ہو گیا ہے چھوٹے میاں صاحب۔''

''مہمل باتوں میں وقت مت ضائع کرو اونکار ناتھ۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اکبر کو میرے حوالے کر دو اور مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ تم کبھی بھی میرے معاملات میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''اگر میں تمہاری باتیں ماننے سے انکار کر دوں تو؟'' اونکار ناتھ نے مسکراتے ہوئے کہا تو مجھے غصہ آ گیا۔ قریب تھا کہ میں اس پر کوئی وار کر بیٹھتا کہ درشہوار نے جو میرے ساتھ ہی موجود تھی جلدی سے کہا۔

''نہیں نہیں خدا کے لئے صبر سے کام لیجئے اس تھانے پر کچھ مسلمان افسر بھی تعینات ہیں اگر آپ نے اونکارناتھ کے ساتھ کچھ کیا تو اس کا الزام ان بے چاروں پر عائد کیا جائے گا۔ حالات قابو میں آنے کی بجائے اور خطرناک صورت اختیار کر لیں گے۔ پولیس کے درمیان بھی فرقہ وارانہ فساد شروع ہو جائے گا۔''

درشہوار کے مشورے نے میرے غصے کو نرم کر دیا میں نے خون کا گھونٹ پیتے ہوئے اونکارناتھ کو مخاطب کیا۔

''سنو اونکارناتھ، میں اس وقت یہاں سے جا رہا ہوں لیکن تمہیں اتنا باور کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اب پہاڑی والے میاں صاحب سے کسی رواداری کی توقع مت رکھنا۔ تم دیکھو گے کہ سکون کا ایک لمحہ تمہارے لئے کس قدر محال ہو جائے گا۔''

''مورکھ اس سمے کے آنے سے پہلے ہی میں تجھے جلا کر بھسم کئے دیتا ہوں۔'' اونکارناتھ نے غصے میں آ کر کہا۔

اونکارناتھ نے اتنا کہہ کر اپنے گلے میں پڑی ہوئی مالا اتار کر تیزی سے میری طرف پھینکی لیکن ٹھیک اسی وقت درشہوار لپک کر درمیان میں آ گئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا مجھے اس پر حیرت تھی مالا نے درشہوار کے جسم سے ٹکرا کر بڑی سرعت کے ساتھ اس کے جسم کے گرد زنجیر کی صورت میں پھیلنا شروع کر دیا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے درشہوار ان زنجیروں میں جکڑ گئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ اونکارناتھ حیرت بھری نظروں سے اس انجام کو دیکھ رہا تھا۔ درشہوار اسے نظر نہیں آ رہی تھی لیکن زنجیروں کے ٹوٹنے نے اسے ضرور بوکھلا دیا تھا۔ اسے یقیناً اپنے منتر کے اس عجیب و غریب توڑ کی امید نہ تھی۔

میں کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ درشہوار نے لپک کر میرا ہاتھ تھام لیا اور بڑی لجاجت سے بولی۔ ''اس وقت کسی جوابی کارروائی سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔''

درشہوار کا میرا ہاتھ تھامنا تھا کہ میں پھر اونکارناتھ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ اس بات پر اور بوکھلا اٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ میں درشہوار کے مجبور کرنے پر اس کے ساتھ قدم اٹھاتا تھانے سے باہر آ گیا جہاں سنگین بردار پولیس والے تعینات تھے۔ بہت دیر تک میرے اور درشہوار کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی پھر جب ہم تھانے سے خاصی دور ایک غیر آباد علاقے کی طرف نکل آئے تو میں نے درشہوار سے کہا۔

''دری تم نے مجھے بڑے سخت امتحان میں مبتلا کیا ہے تم نے مجھے منع کر کے اچھا نہیں کیا۔ اونکارناتھ کے طرز عمل پر مجھے اس کی سرزنش ضرور کرنا چاہئے تھی۔''

''مجھے اس کا احساس ہے۔'' درشہوار نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ پھر وہ بڑے سلجھے ہوئے انداز میں بولی۔ ''آیئے اس وقت آپ میرے ساتھ شہر سے دور ایک ویرانے میں چلئے آپ کو سکون کی ضرورت ہے۔ وہاں برسوں سے ایک غیر آباد مسجد آپ کی منتظر ہے۔ وہاں آپ اطمینان سے آئندہ اقدام اور اکبر کی بازیابی کے متعلق سوچ سکتے ہیں۔''

اس نے مجھ سے ویرانے میں چلنے کی درخواست کی تو میں نے سوچے سمجھے بغیر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں اپنے خیالات میں مستغرق اس کے

ہمراہ قدم بڑھاتا رہا۔ میں اب کچھ ایسا کھویا ہوا تھا کہ راستے کی دوری اور ماحول سے بالکل بے نیاز تھا۔ درشہوار کے دوبارہ ہمکلام ہونے پر جب میں چونکا تو دیکھا کہ میں اس وقت ایک ویرانے میں ایک بوسیدہ مسجد کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوں۔ دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا۔ یہ جگہ مجھے بے حد پسند آئی۔ میں تنہائیوں اور ویرانیوں کا عادی تھا وہاں جا کر میں نے خدا کا نام لیا اور درشہوار کے ساتھ مسجد کے اندر داخل ہو گیا جہاں ہر سو تاریکی مسلط تھی۔ معاً اس اندھیرے میں اجالا پھیلا تو میں نے دیکھا کہ درشہوار ایک طاق کے قریب کھڑی مومی شمع روشن کر رہی ہے۔ وہ شمع وہاں پہلے سے موجود تھی یا ممکن ہے درشہوار نے اس کا بندوبست کیا ہو۔ روشنی میں مسجد کا اندرونی حصہ نظر آیا تو مجھے بڑا تعجب ہوا۔ وہ جگہ صاف ستھری تھی اور فرش پر ایک اجلی دری اور گاؤ تکیہ موجود تھا میں نے درشہوار کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''لیجئے اب آپ اطمینان سے بیٹھئے، میں نے پہلے ہی سے ان تمام چیزوں کا بندوبست کر رکھا تھا۔ آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ جس چیز کی خواہش کریں گے وہ پیش کر دی جائے گی۔''

''میں جانتا ہوں دری کہ تم کیا کچھ کر سکتی ہو لیکن ہمیں سکون سے بیٹھنے کے بجائے اکبر کی طرف توجہ دینا چاہئے۔ کیا تم جانتی ہو کہ اکبر حسین کو اونکار ناتھ کے بیروں نے کہاں مقید کیا ہے؟ میں اپنی پہلی فرصت میں اپنے عزیز دوست کو اس اذیت سے نجات دلانے کا خواہش مند ہوں۔''

درشہوار میری بات سن کر سنجیدہ ہو گئی پھر کوئی جواب دیے بغیر ہی وہ آن واحد میں میری نظروں سے غائب ہو گئی۔ اس خیال سے کہ وہ اکبر کا پتا لگانے کی غرض سے گئی ہے میں آگے بڑھ کر دری پر بیٹھ گیا جس پر ایک اجلی چاندی کا فرش تھا اور میں نے سجدے کی حالت میں خود کو زمین پر گرا دیا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا درشہوار جلد ہی واپس آ گئی پھر قبل اس کے کہ میں اس سے سوال کرتا اس نے خود ہی پہل کر دی۔

''آپ کا دوست اس وقت بھوٹان کی پہاڑیوں پر ایک غار میں قید ہے جہاں اونکار ناتھ کے بیر اس کی نگرانی کر رہے ہیں اونکار ناتھ نے وہاں بڑی سخت ناکہ بندی کر دی ہے۔ اس غار کے اردگرد حصار کھینچ دیا گیا ہے تاکہ دوسری طاقتیں اس کی مدد نہ کر سکیں۔''

''مجھے خدا کی ذات پر کامل بھروسا ہے دری، میں اپنے اکبر کو ضرور ان پریشانیوں سے نجات دلاؤں گا۔''

درشہوار کی زبانی اکبر کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جانے کے بعد میں نے اٹھ کر تیمم کیا پھر اس مصلے پر آ بیٹھا جو فرش پر ایک جانب موجود تھا۔ قبل اس کے کہ میں اپنا وظیفہ شروع کرتا درشہوار نے قریب آ کر کہا۔

''خدا آپ کو آپ کے ارادوں میں کامیاب کرے لیکن اگر میری ضرورت محسوس ہو تو مجھے آواز دے لیجئے گا۔''

میں نے درشہوار کے چہرے کو دیکھا تو اس کی آنکھوں سے اضطراب جھلک رہا تھا۔ وہ مجھے کچھ پریشان نظر آ رہی تھی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے یہ بتانا چاہتی ہو کہ اکبر کی بازیابی کے سلسلے میں میرا ٹکراؤ سفلی علم کے گندے اور خطرناک بیروں سے ہونے والا ہے۔ ایک لمحے تک میں درشہوار کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی کو پڑھتا رہا پھر میں نے اپنا منہ قبلے کی سمت کیا اور میاں صاحب کا ودیعت کیا ہوا ایک جلالی وظیفہ شروع کر دیا۔ میں خود سے بے نیاز ہو گیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا تعلق کسی دوسری دنیا سے ہو۔

تین روز تک متواتر شب و روز میں اس وظیفے کو پڑھتا رہا۔

چوتھے روز میں اپنے وظیفے میں مشغول تھا کہ اچانک میری نظروں کے سامنے سے درمیانی رکاوٹیں ہٹنے لگیں اور پھر میں نے اس مقام کو پالیا جہاں اکبر قید تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک تنگ و تاریک غار میں وہ بڑی بے بسی کی حالت سے دوچار پڑا ہے اس کے ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ غار کے دہانے پر مکروہ صورت اور ہیبت ناک دیوصفت افراد موجود تھے یہی وہ مکروہ اور گندے بیر تھے جنہیں اونکار ناتھ نے تعینات کیا تھا۔ اکبر کو اس بے چارگی کے عالم میں دیکھ کر مجھ پر عالم وحشت طاری ہو گیا میں نے بہت آہستہ سے آواز دی۔

''میرے دوست میں تمہارے پاس موجود ہوں کیا تم سن رہے ہو؟''

لیکن اکبر نے میری آواز نہیں سنی۔ وہ غار کے اندر بندھا بیٹھا سہمی سہمی نگاہوں سے دہانے کی سمت دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسی عالم محویت میں آگے بڑھ کر اکبر کے قریب جانا چاہا تو اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرا بازو پکڑ کر مجھے روک لیا ہو۔ میں نے اس مداخلت پر غصے کی حالت میں گھوم کر دیکھا تو ایک سفید ریش بزرگ کو اپنے قریب پایا جو سرتاپا سفید لباس میں ملبوس تھے اور ان کے چہرے سے نور برس رہا تھا۔ میں نے ان برگزیدہ بزرگ سے مداخلت کا سبب دریافت کرنا چاہا مگر پیشتر اس کے کہ میں کچھ کہتا بزرگ نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''شاہد میاں جلد بازی سے کام مت لو اگر تم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ایک پیچیدہ شیطانی جال میں پھنس جاؤ گے۔''

''لیکن میں اپنے دوست کو ہر قیمت پر نجات دلانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔'' میں نے اعتماد سے جواب دیا۔ ''یہ گندی اور ناپاک روحیں میری راہ میں حائل نہیں ہو سکتیں۔''

''مقابلے اور جنگ و جدل کے معاملات میں طاقت کے ساتھ عقل اور دانش کا استعمال بھی ضروری ہے۔'' بزرگ نے بڑی نرم آواز میں سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''تم یہیں رکو میں آگے جا کر تمہارے دوست کو اس قید سے رہائی دلاتا ہوں۔''

''کیوں؟ کیا میں بذات خود یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ کیا میں نے چوڑیاں پہن رکھی ہے۔'' اس بار میں نے قدرے برہمی سے بزرگ کو مخاطب کیا تو ان کی کشادہ اور نورانی پیشانی ایک ثانئے کے لئے شکن آلود ہو گئی۔ ان کی نگاہوں سے جلال ٹپکنے لگا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پُرسکون نظر آنے لگے۔ انہوں نے اپنا نرم و نازک ہاتھ جو روئی کے گالے کی طرح تھا، میرے شانے پر رکھا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔

''شاہد میاں بڑے میاں صاحب نے تمہیں علم و فضیلت کے جو ہروں سے آراستہ کیا ہے تمہیں خدائے بزرگ و برتر کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ میاں صاحب نے دنیا سے پردہ کرنے کے باوجود ابھی تک تمہارے اوپر اپنے التفات کا سایہ کیا ہوا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو.....''

بزرگ نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا تو میں نے اصرار کیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ بزرگ کے لہجے نے مجھے خاصا متاثر کر دیا تھا میں نے کہا۔ ''حضرت آپ کچھ کہتے کہتے رک کیوں گئے؟''

''ظلمت و نور کو پہچاننے کی قدرت پیدا کرو شاہد میاں۔ جو باتیں بین السطور میں ہیں انہیں سمجھنے کی کوشش کرو تفصیلات میں نہ جاؤ۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں مجھے اس سے زیادہ بتانے کا حکم نہیں۔''

''کیا میں دریافت کر سکتا ہوں قبلہ کہ آپ کون ہیں؟'' میں نے تمام تر انکسار سے پوچھا تو سفید ریش بزرگ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''یوں سمجھو کہ میں بھی اس آستانے کا ایک خادم ہوں جو بڑے میاں صاحب کی فضیلت سے موسوم ہے اور یوں سمجھو کہ مجھے تمہاری رہبری اور مدد کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ اکبر حسین اس تمام معاملے میں بے قصور ہے اس لئے اس کی مدد کرنا میرے اوپر فرض ہے۔''

بزرگ نے اتنا کہہ کر ایک بار پھر میرے شانے کو بڑی شفقت کے ساتھ تھپتھپایا پھر اس غار کی طرف دبدبے کے ساتھ قدم بڑھانے لگے۔ جس میں میرا عزیز دوست قید تھا۔ بزرگ کے تعاقب میں' میں نے بھی قدم اٹھانا چاہا لیکن میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں من من بھر کے ہو گئے ہیں اور مجھ میں اتنی طاقت نہیں جو میں انہیں جنبش دے سکوں۔ مجھے شدید گھٹن کا احساس ستانے لگا۔

میری نگاہیں بدستور بزرگ کے متحرک جسم پر جمی ہوئی تھیں جو ہر لمحے غار کے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ دہانے کے منہ پر تعینات سفلی علم کے گندے بیروں نے اچھل کود شروع کر دی تھی اور بھیانک آوازیں نکال کر بزرگ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب وہ ناپاک طاقتیں اپنا منہ کھولتیں تو آگ کے شعلے لپک اٹھتے تھے لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ بزرگ برابر آگے قدم اٹھا رہے تھے۔

غار کے قریب پہنچ کر بزرگ نے بلند آواز میں سورہ یٰسین پڑھنی شروع کر دی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میرے لئے بہت حیرت انگیز تھا۔ غار میں عجیب و غریب قسم کی آوازیں نمودار ہوئیں جیسے کوئی بین کر رہا ہو۔ جیسے ایک خونیں معرکہ برپا ہو اور چیخوں سے کان پڑی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔ یہ بے ہنگم اور بے ربط آوازیں بہت دردناک تھیں۔ میں نے دیکھا کہ بزرگ بلند آواز میں سورہ یٰسین پڑھتے ہوئے غار کے اندر اترے اور اکبر کو رسیوں کی قید سے آزاد کر کے اپنے ساتھ باہر نکال لائے اور میرے قریب آ کر بولے۔

''جو تم چاہتے تھے وہ پورا ہو گیا یہ دیکھو تمہارا دوست تمہارے پاس موجود ہے۔''

''اے بلند مرتبت بزرگ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔'' میں نے بزرگ کو بڑی عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر دبی زبان میں کہا۔ ''کیا اب بھی آپ اپنے تعارف سے مجھے سرفراز نہیں کریں گے۔''

''کیا ضرورت ہے اعمال صالح سے بصیرت پیدا ہوتی ہے شاہد میاں۔'' بزرگ نے آہستگی سے جواب دیا۔ ''جو حق کے امین ہیں وہ ان رسمی باتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں کہ کون کون ہے' کون کیا ہے؟ جو فیصلے خدا پر چھوڑ دیے جائیں وہ ان کا فیصلہ ضرور کرتا ہے جنہوں نے سچائیوں کو چھوڑ دیا اور جو حق کے راستے سے بھٹک گئے انہوں نے اپنے لئے کانٹے بوئے۔ کیا تم نے میری باتیں غور سے سنیں۔''

میں نے بزرگ کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''شاہد میاں میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ بڑے میاں صاحب کے حکم پر میں تمہاری مدد کے لئے آیا تھا جو تم چاہتے تھے وہ ہو گیا۔ اب میں جا رہا ہوں لیکن جاتے جاتے تم سے ایک بات کہنے کو جی چاہتا ہے جو درخت آندھیوں سے گر جاتے ہیں ان کی جڑیں یا تو پائیدار نہیں ہوتیں یا کھوکھلی ہوتی ہیں۔''

''قبلہ آپ کس سمت اشارہ فرما رہے ہیں میری سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا ہے کیا میں جو سمجھ رہا ہوں وہ صحیح ہے؟'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا تو بزرگ کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری ہو گئی عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''میری دعا ہے کہ خدا تمہیں نیک ہدایت دے۔''

میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ بزرگ کون تھے مگر مجھے یقین تھا کہ یہ اس وظیفے کا ثمر ہے جو میں نے تین دن پڑھا تھا اور قبل اس کے کہ میں کچھ اور کہتا بزرگ اچانک تاریکی کا ایک حصہ بن کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو خود کو اسی شکستہ در و دیوار کی مسجد کے اندر پایا جہاں چراغ کی مدھم روشنی سے اندھیرے کا وجود کانپ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی مجھے خیال آیا کہ میں کہاں کہاں گیا تھا۔ پھر یقیناً اکبر بھی میرے ساتھ ہوگا میرا گمان درست نکلا۔ اکبر میرے قریب ہی فرش پر بے ہوش پڑا تھا اور درشہوار اس کے بائیں طرف کھڑی مجھے حیرت انگیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں بے پناہ تجسس موجود تھا جیسے ان سب باتوں کا اسے یقین نہ آتا ہو۔ میں نے اس کی طرف ایک سرشار نگاہ سے دیکھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اکبر کی پُراسرار بازیابی پر انگشت بدنداں ہے۔ اسے حیرت ہے کہ یہ سب کیسے ممکن ہے۔ ہاں واقعی یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی۔ اگر وہ جلیل المرتبت بزرگ میری مدد کو نہ آتے تو میں خود اس شیطانی جال میں پھنس جاتا۔ میری نظروں میں رات کے واقعات گھومنے لگے اور میں سوچنے لگا۔ ''وہ فرشتہ خصلت اور برگزیدہ بزرگ کون تھے؟'' میری محویت کو دیکھ کر درشہوار نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ..... آپ حقیقتاً بڑے میاں کے سچے جانشین ہیں میں نے یہ کرشمہ آج سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا۔ خدا آپ کے علم و فضل میں اور اضافہ کرے یقین کیجئے میں نے صورت حال کا پوری طرح جائزہ لیا تھا اور میں بہت پریشان تھی۔''

میں نے درشہوار کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تو میں خود حیران تھا کہ اکبر کیونکر بھوٹان کی پہاڑیوں سے آزاد ہوا اور کس طرح میرے پاس پہنچ گیا۔ سوائے اس کے کہ میں اسے قدرت کا کرشمہ سمجھتا اور کیا سوچ سکتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدائے بزرگ و برتر کی اس عنایت کا شکر ادا کیا پھر جائے نماز سے اٹھ کر اکبر کے قریب آ گیا جو فرش پر بے ہوش پڑا لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ میں نے اس کی نبض دیکھی۔ ''دری کیا یہاں پانی دستیاب ہو سکتا ہے۔''

درشہوار میری بات سن کر تیزی سے ایک کونے میں گئی اور مٹی کے ایک پیالے میں پانی لے آئی۔ میں نے پانی پر کچھ دعائیں پڑھ کر دم کیں پھر پانی کے چھینٹے اکبر کے منہ پر مارے تو وہ ہوش میں آ گیا۔ اکبر کو ہوش و حواس میں آتا دیکھ کر درشہوار اور میں نے ایک دوسرے کو مسرت آمیز نظروں سے دیکھا۔

''اکبر میری وجہ سے تمہیں تکلیف اٹھانی پڑی مگر اب تم محفوظ ہو۔ ہوش میں آؤ۔''

اکبر نے میری آواز سنی تو چونک کر میری طرف دیکھا پھر اس انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا کر مجھے گھورنے لگا جیسے اسے اپنی بصارت پر شبہ ہو میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''تم میرے پاس ہو میرے دوست..... جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ اب تم میری امان میں ہو جو گزر چکا ہے اسے بھول جاؤ۔ تمہارے سامنے میں ہوں تمہارا دوست۔''

''شاہد!'' اکبر بے ساختہ میرا نام لے کر اٹھا اور مجھ سے چمٹ گیا بڑی دیر تک وہ وارفتگی کے عالم میں مجھ سے لپٹا رہا پھر علیحدہ ہو کر تعجب سے بولا۔ ''یہ کس طرح ممکن ہوا میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ اب میرے دن ختم ہوئے۔ اف! کس قدر بھیانک تھا وہ منظر۔ میرا اندازہ ہے کہ میں کسی پہاڑی غار میں قید تھا۔ مگر تم مجھے وہاں سے کیسے بچا لائے؟''

''ان باتوں میں مت الجھو میرے دوست.....'' میں نے اکبر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''پنڈت اونکار ناتھ نے تمہارے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے مجھے یاد ہے۔ اسے بہت کچھ بتایا جا چکا ہے اور مزید بتانا ہے کہ اس نے میرے راستے میں آ کر کس طرح اپنی بربادیوں کو دعوت دی ہے۔ تم دیکھو گے کہ اس کے گندے علم کے ناپاک بیر کب تک اس کا ساتھ دیتے ہیں' کب تک یہ آنکھ مچولی جاری رہتی ہے۔''

جتنی دیر میں اور اکبر گفتگو کرتے رہے اتنی دیر میں درشہوار نے کھانے کا بندوبست کر دیا پھر میرے قریب آ کر اس نے اشارہ کیا تو میں اکبر کو ساتھ لے کر دسترخوان پر آ گیا۔ درشہوار میرے برابر بیٹھی تھی لیکن اکبر اسے دیکھنے سے قاصر تھا۔ کھانے کے بعد اکبر سو گیا تو میں نے اٹھ کر وضو کیا اور عشاء کی نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے روح کی طلبی والا عمل کیا کچھ باتیں جاننا ضروری تھیں جس کے لئے الماس کو طلب کرنا تھا۔

الماس کو میں نے گزشتہ مرتبہ سخت سرزنش کی تھی لیکن آج جب کہ بہت سے مسئلے خود بخود طے ہو گئے میں الماس کو بلانا چاہتا تھا۔ دور دراز کے واقعات دیکھنے کے لئے اور غیر معمولی کام انجام دینے کے لئے روحوں کو طلب کرنے کا وظیفہ میں نے بڑی مشکل سے سیکھا تھا۔ ہر چند کہ میں اپنی بصارت کو ہر رکاوٹ کے پار لے جانے پر قادر تھا تاہم وہ وظیفہ خاصا وقت طلب اور مشکل تھا۔ اس لئے کبھی میں اپنی بصارت کو وسیع کرنے کا وظیفہ پڑھتا اور کبھی الماس کو طلب کر کے اس سے یہ کام انجام دیتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ مجھے الماس سے ایک خاص انس تھا۔ میں نے اشتعال میں اسے برا بھلا کہا تھا مگر اس دلکش اور حسین و جمیل روح کو دوبارہ بلانے اور اسے معاف کرنے کے لئے کئی بار میرا دل مضطرب ہوا چنانچہ جیسے ہی موقع ملا میں نے الماس کو طلب کیا۔

الماس میرے سامنے آئی تو بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اس کی حسین آنکھیں بوجھل تھیں۔ اکبر کی بازیابی کے سلسلے میں اس نے اپنی معذوری کا اظہار کر کے مجھے طیش دلا دیا تھا۔ حزن و ملال کے تاثرات اس کے چہرے پر نمایاں تھے وہ سوگوار نظر آ رہی تھی۔ میں الماس کو چند ثانئے تک اس عالم میں دیکھتا رہا پھر خشک آواز میں اسے مخاطب کیا۔

''الماس! تم نے اپنی پچھلی جسارت پر یقیناً نظر ثانی کی ہو گی۔''

''اے نیک بزرگ! مجھے معاف کر دیجئے۔ یقین کیجئے میں آپ کے ہر حکم کو بجالانا اپنا فرض سمجھتی ہوں لیکن میں ایک روح ہوں جس کا مادی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ہر وہ کام کر سکتی ہوں جو میری گزشتہ زندگی کے اعمال سے انحراف نہ کرے۔ کسی غلیظ جگہ جانا یا کسی ناپاک چیز کو ہاتھ لگانا میرے بس میں نہیں۔ میں یہ کام کر ہی نہیں سکتی۔ روحوں کی کچھ صفات ہوتی ہیں' اے نیک بزرگ آپ تو سب کچھ جانتے ہیں۔

''مجھے معلوم ہے الماس میں نے اس وقت تمہیں ایک اشد ضروری کام سے طلب کیا ہے۔''

الماس کی روح نے بڑی سعادت مندی سے سر جھکا لیا۔

''پنڈت اونکار ناتھ' راشد حسین اور ثمینہ کے بارے میں بتاؤ۔ اس وقت وہ تینوں بد بخت کہاں اور کس حال میں ہیں؟''

الماس نے میرا حکم سن کر چاروں طرف دیکھنا شروع کیا اور پھر میری طرف دیکھ کر با ادب بولی۔

''اے عالی مرتبت بزرگ پنڈت اونکار ناتھ' راشد حسین اور ثمینہ اس وقت ایس پی ماتھر کے بنگلے میں موجود ہیں جہاں پولیس کا سخت پہرہ ہے۔ اونکار ناتھ کو اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ آپ نے اکبر کو اس کے گندے بیروں کی قید سے آزاد کرا لیا ہے۔ وہ یہ جان کر سخت تشویش میں ہے اور آپ سے مؤثر انتقام لینے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ راشد حسین اور ثمینہ کو بھی ان پیچیدہ حالات کا علم ہو گیا ہے۔ وہ دونوں اس خبر کو سن کر بے حد خائف نظر آتے ہیں۔''

''الماس، اکبر کے اغوا کا ردعمل شدید ہونا چاہئے۔ اونکار ناتھ اور راشد حسین کو یہ باور کرانا ضروری ہے کہ انہوں نے کس شعلے کو ہوا دی ہے ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچنا چاہئے۔ ابھی تک وہ باز نہیں آئے۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے اے حضرت!'' روح الماس نے پوچھا۔

''الماس کیا ایسا ممکن ہے کہ تم اسی وقت ایس پی ماتھر کے گھر جا کر ثمینہ کو یہاں پیش کرو۔''

الماس میرا حکم سن کر چونک اٹھی۔ اس نے تعجب خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو میں نے کسی قدر برہم ہو کر کہا۔

''سن رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میں ثمینہ کو یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

الماس کے وجود میں لرزش ہوئی' وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

''میں ثمینہ کو آپ کے قدموں میں لا کر ڈال سکتی ہوں لیکن کیا یہ.....؟''

''باقی سوچنا میرا کام ہے۔ میرا خیال ہے تم پھر بے ادبی کی مرتکب ہو رہی ہو الماس۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

الماس کی ہچکچاہٹ پر مجھے بے حد غصہ آیا۔ اس موقع پر میں اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اعصابی طور پر میں بہت چڑچڑا جلد باز اور تنک مزاج ہو گیا تھا۔ یہ خامیاں ایک اعلیٰ درجے کی بزرگ کے اوصاف جمیلہ کی نفی کرتی تھیں۔ مجھے یہ بات معلوم تھی تاہم حالات کچھ اس طور پر پیش آئے تھے کہ خود پر قابو پانا میرے بس سے باہر ہو گیا تھا۔

الماس نے ایک بار پھر پریشان نظروں سے دیکھا پھر اچانک میرے سامنے سے اوجھل ہو گئی اور میں ایس پی ماتھر کے بارے میں سوچنے لگا۔ میرے لئے یہ موقع بڑا اچھا تھا ثمینہ کی گمشدگی سے اونکار ناتھ اور راشد حسین کے علاوہ ماتھر اور پولیس کے عملے کا بوکھلا جانا بھی یقینی تھا۔ میں ثمینہ کو اوجھل کر کے یہ بھی جتلانا چاہتا تھا کہ وہ مزید ہرزہ سرائیوں سے باز آ جائے ورنہ حالات کتنا ہولناک رخ اختیار کر سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں رشیدہ بھی تھی مگر اس نابکار عورت کے لئے کوئی سزا میرے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ ویسے میں نے یہ ضرور طے کر رکھا تھا کہ اسے اس کے کرتوتوں کی کوئی مثالی سزا ضرور دی جائے گی اس لئے کہ ان تمام جھگڑوں کی اصل جڑ وہی تھی اسے فراموش کر دینا میرے لئے ناممکن تھا۔

ابھی میں ان باتوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ بیرونی دروازے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی میں نے پلٹ کر دیکھا تو ثمینہ میرے سامنے کھڑی

مجھے یوں حیران و پریشان نظروں سے تک رہی تھی جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اس کی آنکھوں سے خوف اور دہشت عیاں تھی۔ سرتاپا وہ بید مجنوں کے درخت کی مانند لرز رہی تھی۔ اسی لمحے روح الماس دوبارہ ظاہر ہوئی اور نہایت ادب سے بولی۔ ''اے عالی مرتبت بزرگ کیا مجھے اجازت ہے؟''

''تم اب جاسکتی ہو الماس ضرورت ہوئی تو تمہیں دوبارہ طلب کرلیا جائے گا۔''

الماس نے میرا جواب سن کر سر جھکایا اور غائب ہوگئی میں نے دوبارہ ثمینہ کی جانب دیکھا تو وہ بدستور حیرت بنی کھڑی مجھے خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں جائے نماز سے اٹھ کر اس کے قریب گیا اور نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''لڑکی کیا تجھے علم ہے کہ تجھے یہاں کون لایا ہے؟''

''نہیں..... لیکن تم کون ہو؟'' ثمینہ نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میں..... وہی ہوں جس سے بچانے کے لئے اونکارناتھ نے تجھے اور تیرے باپ کو اپنے ناپاک دامن میں پناہ دے رکھی تھی۔ وہ اونکارناتھ جس نے میرے مظلوم دوست کو اغوا کیا لیکن اب وہ مہان پنڈت تجھے یہاں سے نہیں لے جاسکتا۔''

میں ثمینہ پر گرجتا رہا اور طیش کے عالم میں جو منہ میں آیا اسے سناتا رہا۔ غیظ و غضب نے مجھے پھر ایک عام انسان بنا دیا تھا۔ میرے دشمن راشد حسین کی لڑکی اور رشیدہ کی بہن اس وقت میرے سامنے موجود تھی۔ میرے دل کے زخم از سر نو ہرے ہوگئے تھے۔ مجھے اپنے والدین کی دردناک موت یاد آرہی تھی، مجھے اپنی وہ مظلوم اور معصوم بہن یاد آرہی تھی جس کے دامن عصمت کو بلا کسی قصور کے محض اس وجہ سے تار تار کیا گیا تھا کہ وہ میری بہن تھی۔ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں نے رشیدہ کی بے ہودہ خواہشوں کی تکمیل سے انکار کردیا تھا جس کا کتنا بڑا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑا تھا۔

گزری ہوئی باتیں ایک ایک کرکے مجھے یاد آرہی تھیں۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور اب صبر و ضبط کا یارا نہیں رہا تھا قریب تھا کہ میں اس طیش کی حالت میں ثمینہ سے اس طرح کا بدلہ لیتا جس طرح میری معصوم بہن کی عصمت کا مذاق اڑایا گیا تھا کہ اسی لمحے درشہوار درمیان میں آگئی اور گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

فاصلوں کا زہر

طاہر جاوید مغل کا خوبصورت ناول۔ محبت جیسے لازوال جذبے کا بیان۔ دیار غیر میں رہنے والوں کا اپنے دیس اور وطن سے تعلق اور اٹوٹ رشتوں پر مشتمل ایک خوبصورت تحریر۔ ان لوگوں کا احوال جو کہیں بھی جائیں، اپنا وطن اور اپنا اصل ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ ناول فاصلوں کا زہر کتاب گھر پر موجود ہے، جسے **رومانی معاشرتی ناول** سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

''آپ اپنی عظمت کی خود توہین کر رہے ہیں۔ یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ.....''

''دری خدا کے لئے خاموش رہو۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں مجھ پر ترس کیوں نہیں آتا؟''

''اپنے آپ کو قابو میں رکھئے۔'' درشہوار نے تند و ترش لہجے میں کہا۔ ''جو کچھ آپ سوچ رہے ہیں وہ آپ کی تمام ریاضت اور عبادت کو برباد کر دے گا۔ آپ ایک بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ آپ بہک رہے ہیں ہوش میں آیئے۔''

درشہوار کے لہجے میں بڑا تاثر تھا مجھے کچھ احساس نہیں تھا کہ میں کیا کرنے والا تھا ہوش میں آیا تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ اگر درشہوار اس وقت نہ ہوتی تو..... میں ایک ناقابل معافی گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوتا۔ ثمینہ بدستور لرزہ اندام تھی اور مجھے خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ آخر میں کس سے گفتگو کر رہا ہوں۔ جب درشہوار نے مجھے چونکایا تو میں نے ایک بار پھر ثمینہ کی سمت نظر اٹھائی اور جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے بے غیرت باپ نے میری بہن کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا تم جانتی ہو ثمینہ اس کے باوجود تمہارے ساتھ یہاں کوئی ظلم نہیں کیا جا رہا۔''

''مم..... مم میرا قصور؟'' ثمینہ نے کانپتی ہوئی آواز میں میں پوچھا۔

''تمہارا یہ قصور کیا کم ہے کہ تم ایک بدطینت باپ کی بیٹی اور ایک آبرو باختہ عورت کی بہن ہو۔ تم نے غلاظتوں میں پرورش پائی ہے۔ میں تمہیں بتاؤں کہ پنڈت اونکار ناتھ نے تم لوگوں کی پشت پناہی کر کے بڑی حماقت کی ہے جو کچھ تم نے اب تک دیکھا ہے وہ بہت کم ہے۔ اگر یہاں مناسب نامناسب' جائز ناجائز کا خیال نہ ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔'' بہرحال میں نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

درشہوار میرے پہلو میں کھڑی تھی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا اور اس طرح مجھے صبر و ضبط کی تلقین کر رہی تھی۔

مجھے احساس ہوا کہ ثمینہ میری زبانی اصل واقعات سن کر بہت حیرت زدہ ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میری باتوں کا کیا جواب دے وہ گنگ سی کھڑی حیرت اور خوف بھری نظروں سے مجھے دیکھتی رہی میری کیفیت اس بجھتی ہوئی آگ کے مانند تھی جو بجھتے بجھتے بھی بھڑک اٹھتی ہے۔ درشہوار میرے قریب کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ میں ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

''آپ ثمینہ کو یہاں دیکھنا چاہتے تھے لیکن اب آپ اسے میری نگرانی میں دے دیں میں وعدہ کرتی ہوں کہ جب تک آپ نہ چاہیں گے دنیا کی کوئی طاقت اسے آزادی نہ دلا سکے گی۔''

میں نے درشہوار کی اس درخواست پر ثمینہ کی طرف پہلی بار توجہ سے دیکھا۔ وہ بہت معصوم نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اداسی کا راج تھا۔ وہ ایک معاملہ فہم لڑکی نظر آتی تھی۔ وہ خاصی حسین تھی۔ اسے دیکھ کر پہلی بار میرے دل میں ہمدردی کے جذبات امڈ آئے۔

میں نے درشہوار سے انکار نہیں کیا اور ثمینہ کو لے جا کر مسجد کے ایک دوسرے بوسیدہ حجرے میں چھوڑ آیا۔ درشہوار نے اس کی نگرانی کا وعدہ کیا تھا اس لئے مجھے یقین تھا کہ ثمینہ کہیں فرار نہیں ہو سکے گی۔ اس رات درشہوار مجھے ایک پل کے لئے بھی چھوڑ کر کہیں نہیں گئی۔ تمام رات وہ میرے

سرہانے بیٹھی میرا سر دباتی رہی۔ میں اس کی شیریں بیانی سے لطف اندوز ہوتا رہا اور نہ جانے کب نیند کی آغوش میں پہنچ کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

دوسری صبح اکبر نے ثمینہ کو دیکھا تو اسے بھی تعجب ہوا۔ وہ ایک نیک دل اور شریف انسان تھا۔ اس نے حالات کا علم ہونے کے بعد مجھے سمجھایا اور مشورہ دیا کہ میں ثمینہ کو واپس اس کے والد کے پاس بھیج دوں لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اکبر نے جب مجھے اپنے ارادے میں ٹھوس اور اٹل پایا تو زیادہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

دو روز تک کوئی ایسا قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا جسے میں تحریر میں لاؤں۔ مجھے اس عرصے میں برابر اس بات کا انتظار رہا کہ اونکار ناتھ کی طرف سے کوئی جوابی کارروائی ہو اور میں اس کا جواب دوں۔ تیسرے روز عصر کی نماز کے بعد میں اکبر سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ درشہوار سامنے سے آتی نظر آئی۔ میں اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی دیکھ کر بھانپ گیا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ ابھی تک میں نے اکبر کو درشہوار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اس لئے میں درشہوار کو دیکھ کر اکبر کو نظر انداز کر کے اٹھا اور مسجد سے باہر کھلے میدان میں نکل آیا۔ درشہوار بھی میرے ساتھ تھی۔ باہر آ کر میں نے کہا۔

''کیا بات ہے دری۔ تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو۔''

''آپ کا اقبال بلند ہو۔ میں آج آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں کیا آپ میری خاطر اس پر عمل کریں گے؟''

جواب میں' میں نے شکایت کی نظروں سے درشہوار کو دیکھا۔ ''دری بعض اوقات تم بہت دور سے بولتی ہو۔ میرے لئے سب کچھ تم ہو۔ جب تم میرے اس قدر قریب ہو تو فاصلوں کا یہ انداز کیوں اختیار کرتی ہو۔ دری! اکثر یہ جی چاہتا ہے کہ ہمارے درمیان عظمت و بزرگی' فضیلت و حرمت کی دیوار گر جائے۔ میں سوچتا ہوں میں ایک عام شخص بھی تو ہوں' تم ایک دوشیزہ بھی تو ہو۔ جب تم یہ لہجہ اختیار کرتی ہو' تو تم مجھے میری کوئی عقیدتمند نظر آتی ہو۔ درشہوار نہیں۔''

درشہوار نے میرے اس طویل اور تاثر انگیز بیان پر ایک خاص ادا سے اپنی گردن کو جھکا دیا۔ ''مگر سچ مچ آپ کی عقیدتمند ہوں میں تہہ دل سے آپ کی بزرگی اور آپ کے اعلیٰ منصب کی قائل ہوں۔'' ''مگر میں کیا کروں' آپ کا قد بہت اونچا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک عقیدتمند ہی صحیح طور پر آپ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔'' درشہوار نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔ ''آپ بہت بلند ہیں۔''

''دری۔ یقین کرو..... یہ میرے دل کی بات ہے۔ یہ میرے اندر کی بات ہے کہ تمہارے سامنے اکثر میں اپنے قد کو چھوٹا محسوس کرتا ہوں۔ مجھے کچھ احساس کم مائیگی سا ہوتا ہے۔ میں سوچتا ہوں' تم وہ ثمر نایاب ہو' میرا دہن جس کی شیرینی کا متحمل نہیں ہے۔'' میں نے جذبات انگیز لہجے میں کہا۔ ''تم بہت دلکش باتیں کرتی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان پر نفس کے مختلف غلبے ہوتے ہیں۔ نفس کی کوئی ایک واضح سمت نہیں ہے۔ مگر دری یہ وقت اس گفتگو کا نہیں۔ تم مجھے کوئی مشورہ دینے کو کہہ رہی تھیں۔ ہاں مجھے تمہارا انداز پسند نہیں آیا تھا۔ تم حکم بھی دیا کرو۔ یقین کرو مجھے وہ تیور دیکھنے کی بڑی شدید خواہش ہے جب تم حکم دے رہی ہو۔'' میں نے درشہوار کا نرم و گداز ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''میں تو بھول ہی گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں اونکار ناتھ کے سلسلے میں بڑی محتاط رہتی ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے پے در پے شکستوں کے بعد اپنے نامی گرامی پنڈتوں اور پجاریوں سے مشورے لئے ہیں اور بنارس کے ایک پنڈت نے اسے ایک ایسا عمل یاد دلایا ہے جو

اونکارناتھ کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ ہر چند کہ وہ خود ویدوں اور منتروں کا بڑا عالم اور ماہر ہے۔ چنانچہ اس نے وہ مہلک عمل شروع کر دیا ہے اور وہ ایک ہفتے کے اندر ختم ہو جائے گا۔'' درشہوار نے مجھے رازداری سے بتایا۔

''اچھا..... تم تو اس سے خوفزدہ ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں..... مگر میں احتیاط کا مشورہ دے رہی ہوں۔'' درشہوار نے جواب دیا۔

''کیا خوب..... کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں..... مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ ثمینہ اور اکبر کو لے کر کہیں اور منتقل ہو جائیں۔''

مگر کیوں دری..... آخر اس میں کیا مصلحت ہے؟''

''یہ جگہ اس اعتبار سے مشکوک ہے کہ اونکارناتھ کے علم میں آ چکی ہے حالانکہ میں یہاں دربانی کے فرائض انجام دیتی ہوں۔ جب تک میں یہاں موجود ہوں آپ پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی لیکن احتیاطاً آپ ہٹ جائیں تو مناسب ہے۔''

مجھے درشہوار کی اس ہدایت پر ہنسی آ گئی۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی غالباً وہ اونکارناتھ سے کچھ زیادہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ لہٰذا میں نے اسے سمجھاتے ہوئے بڑی لاپرواہی سے کہا۔ ''دری۔ تم اس ضمن میں پریشان نہ ہو۔ اونکارناتھ کے بارے میں تم نے جو اطلاع پہنچائی ہے۔ وہی بہت ہے۔ وہ احمق مجھ سے بار بار الجھ کر اپنے رہے سہے اعتماد کو بھی کھونا چاہتا ہے۔ تمہاری اطلاع کے مطابق اس عمل یا جاپ کی معیاد ایک ہفتے میں ختم ہو جائے گی لیکن میں اس سے پہلے کوئی انتظام کر دوں گا۔''

''آپ میری بات نہیں سمجھ رہے۔ میں آپ کو ان باتوں سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ آپ کو پہاڑی نہیں چھوڑنی چاہئے تھی۔ باوا جان نے جو کہا تھا کہ کاش آپ نے اسے مان لیا ہوتا۔ وہ اونکارناتھ کو عبرتناک سزا دیتے۔''

''ابوالحسن میرے محسن ہیں' انہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی ہے لیکن اگر وہ آسانی سے ختم ہو گیا تو میرا دل مطمئن نہ ہو گا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اونکارناتھ کو ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔''

''آپ تاویلیں پیش کر رہے ہیں حالانکہ آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ میرے حکم کے خواہاں رہتے ہیں۔ میری اس درخواست کے اور بھی کئی پہلو ہیں۔ آپ نے اس پر غور کیوں نہیں کیا کہ پولیس نے آپ کے خلاف ایک باقاعدہ مقدمہ تیار کر لیا ہے۔ وہ جلد اس جگہ پہنچ جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے چلا جائے۔ اسے آپ میرا حکم سمجھئے۔''

''خوب!'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''اگر یہ حکم ہے تو۔ پر دری! پولیس سے ایک آخری معرکہ تو ہونا ہی ہے۔ یہ شعبدہ بازی کب تک جاری رہے گی۔''

''پولیس اونکارناتھ کو ناکام دیکھ کر خود بخود مایوس ہو جائے گی لیکن اس ایک ہفتے کے اندر اندر وہ کسی وقت بھی ادھر کا رخ کر سکتی ہے۔''

''مجھے تمہاری زیرکی پر بہت خوشی ہے دری۔ پر ہم جائیں گے کہاں؟''

''پہاڑی پر چلئے۔''

''اس کا وقت نہیں آیا۔''

''آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ان معاملات میں الجھ کر آپ اپنے مقام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ کے عقیدت مند بھی کنارہ کش ہوتے جا رہے ہیں۔ باوا جان اور ان کے رفقاء اجنہ بھی آپ سے کبیدہ خاطر ہیں۔ آپ نے ایک راشد حسین کے لئے کتنے لوگوں کی دوریاں مول لی ہیں۔ جب آپ پہاڑی پر چلے جائیں گے تو سب باتیں ٹھیک ہو جائیں گی۔ ابھی موقع ہاتھ سے نہیں گیا ہے۔''

''دری! پہاڑی پر جانے کے لئے اصرار مت کرو۔ چاہے کہیں اور لے چلو۔ میں سرفراز ہو کر پہاڑی پر واپس جانا چاہتا ہوں۔ میرے رفیق عقیدتمند اور اجنہ کی ناراضگی عارضی ہے۔ میں ان سب کو راضی کرلوں گا کیونکہ میں خیر کی طرف مائل ہوں اور یہ تمام معاملات و واقعات عارضی ہیں۔'' میں نے درشہوار کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

درشہوار کی آنکھیں شدت جذبات سے نمناک ہوگئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میری ضد پر تلملا رہی ہے۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے کہا۔

''دری..... کہیں ایسا تو نہیں کہ تم ابوالحسن سے دور رہ کر پریشان ہو میری طرف سے اجازت ہے تم جا سکتی ہو۔''

اس جملے کا اس پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ روتے ہوئی بولی ''آپ مجھے نہیں سمجھے۔''

مجھ سے اس کی یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ ''میں شرمندہ ہوں دری۔ میں کچھ زیادہ کہہ گیا۔'' میں نے خجالت سے کہا۔ ''تمہاری رفاقت ان دنوں میرے لئے بڑا سہارا ہے۔ مجھے اس سہارے سے محروم نہ کرنا۔''

اور پہلی بار ایسا ہوا۔ نہ جانے یہ کیسے ہوگیا۔ میں نے بے اختیار ہو کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی دبی دبی سسکیاں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ میرے رویے سے سخت آزردہ ہے۔ اسے سینے سے لگا کر میرے اندر زندگی کا عجب احساس پیدا ہوا۔ اس کا لمس' اس کی وارفتگی' مجھے پُر سکون کر رہے تھے اور اطمینان کے دروازے ایک عرصے بعد وا ہوئے۔ میں ایک لذت بے کنار سے آشنا ہوا۔ میرا جی چاہا کہ یہ لمحے جاوداں ہو جائیں۔ بس یہی سکون و راحت کی معراج ہے۔ بس یہی گداز ہے جہاں جسم و جاں کی آزمائش کا حل موجود ہے۔ میں نے یہ چند لمحے اس دنیا میں نہیں گزارے لیکن جلد ہی میں نے اسے خود سے علیحدہ کر دیا۔ اور نہ جانے کیوں میں نے اسے علیحدہ کرنے پر چند آیتیں پڑھیں.....

درشہوار کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ میری اس اچانک کیفیت پر یقیناً حیران ہوئی ہوگی۔ ہم دونوں دیر تک خاموش ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ میں نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

''تو تم نے کہاں جانے کے بارے میں سوچا ہے؟''

''میری رائے ہے یہاں سے دو دن کی مسافت کے بعد ایک ویران قلعہ ہے جو ایک کھنڈر کی شکل میں موجود ہے۔ کسی زمانے میں وہاں

آبادی تھی۔ مگر گردش وقت نے اس شہر کی آبادی کو ختم کر دیا۔ اب صرف ایک قلعہ اور اس سے ملحق ٹوٹے پھوٹے مکانات ہیں۔ قلعے کے قریب ایک دریا رواں ہے۔ عرصہ ہوا یہاں خانہ بدوش قبائل آ کر بس جاتے تھے۔ مگر اب پورا علاقہ خالی ہے۔ اس لئے کہ لوگوں میں اب عجیب قسم کے توہمات مشہور ہیں۔ سنا ہے وہ روحوں کا مسکن ہے۔'' درشہوار نے کہا۔

''یہ جگہ تو خاصی دلچسپ ہوگی۔ بہتر ہے وہیں چلا جائے۔''

کچھ دیر بعد میں اکبر اور ثمینہ کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اکبر نے اس تبدیلی کے متعلق جاننا چاہا تو میں نے اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ''اب یہ جگہ محفوظ نہیں رہی۔'' ہم چلتے رہے۔ رات ہوئی تو ہم نے کچھ دیر آرام کیا۔ ثمینہ کو حیرت تھی کہ کھانا اچانک کیسے فراہم ہو جاتا ہے۔ میں چلتے چلتے کس سے باتیں کرتا ہوں۔ وہ خوف اور حیرت کے ساتھ اس مختصر قافلے کے ساتھ چل رہی تھی۔ اس کی چال میں ایک عزم تھا۔ اکبر اس کی خبر گیری کرتا رہتا تھا۔ راستے میں ثمینہ سے میری کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ اس نے کئی بار مجھ سے گفتگو کرنا چاہی۔ دوسرے دن بھی ہم اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے۔ اکبر کی داڑھی بڑھ گئی تین آدمیوں کا یہ شکستہ قافلہ جس کے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا ویران گزرگاہوں کو عبور کرتا رہا۔ ہم نے درمیان کی آبادیوں کے بجائے ویرانوں سے گزرنا پسند کیا۔ راستے میں ثمینہ کی وجہ سے خاصی دقت پیش آئی۔ اس کے پیر میں چھالے پڑ گئے مگر وہ چلتی رہی۔ درشہوار کی فراہم کی ہوئی اعلیٰ قسم کی غذا' مشروبات اور پھل اسے سنبھالے ہوئے تھے۔ ثمینہ ناز و نعم میں پروان چڑھی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ کبھی اتنا طویل سفر پیدل بھی کرنا پڑے گا۔

ہم دو دن اور دو راتیں سفر کر کے اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ سامنے ایک دریا رواں تھا' چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں' گھنا سبزہ تھا' آبادی یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ سامنے وہ رفیع الشان کھنڈر تھے' کسی زمانے میں جہاں بڑی رونق ہوگی۔ اب وہاں ہو کا عالم طاری تھا۔ قلعے کے شکستہ در و دیوار اپنی عظمت و شوکت کی المناک داستانیں دہرا رہے تھے۔ مختلف قسم کے پرندوں کا وہاں راج تھا۔ قلعے میں داخل ہونے میں ہم نے کچھ دیر نہیں لگائی۔ ثمینہ نے سب سے پہلے میرے لئے ایک جگہ کو اپنے دوپٹے سے صاف کیا۔ اکبر دریا کے کنارے چلا گیا جہاں اس نے غسل کیا۔ تھوڑی دیر میں درشہوار نے ضروریات کی چیزیں مہیا کر دیں۔ ایک گھڑا' تین چار لوٹے' مٹی کے برتن' چٹائیاں اور چادریں۔ گرمی کا موسم تھا ایسی خاص گرمی بھی نہیں۔ اکبر کے آجانے کے بعد میں نے بھی دریا کے کنارے غسل کیا اور قلعے میں نماز پڑھی۔ اکبر میرے ساتھ جماعت میں شریک تھا۔ غالباً بہت عرصے کے بعد اس قلعے میں انسانی آوازیں گونج اٹھیں۔ ثمینہ پر وجد کی کیفیت طاری تھی۔ پھر درشہوار کھانا لے آئی۔ ثمینہ نے ایک خانہ دار عورت کی طرح کھانے کو سلیقے سے رکھا پلیٹیں دھوئیں اور نماز پڑھی۔

دریا کے کنارے رات گئے میں' اکبر' ثمینہ اور درشہوار کے ساتھ گھومتا رہا۔ یہ جگہ بڑی پُر فضا تھی۔ درشہوار، اکبر اور ثمینہ سے روپوش ہی رہی۔ رات گزر گئی تو ہم اپنے ٹھکانے پر آ گئے۔ اکبر مجھ سے کچھ دور اور ثمینہ خاصی دور سو گئے۔ جب وہ دونوں سو گئے تو میں نے آنے والے حالات کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک وظیفہ آیا۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا اور جائے نماز پر بیٹھ کر وظیفہ شروع کر دیا۔ میرے اس وظیفے سے چند مؤکل حاضر ہوئے۔ میں نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایس پی ماتھر کے گھر جا کر اونکار ناتھ کو گھیر لیں اور میرے دوسرے حکم کا انتظار

کریں۔اس عمل سے فارغ ہو کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔کچھ دیر بعد میری بصارت نے میلوں کا سفر طے کر لیا۔درمیانی رکاوٹیں دور ہوتی چلی گئیں۔میں قلعے میں بیٹھا ایس پی ماتھر کے مکان کے اس حصے کو بخوبی دیکھ رہا تھا جہاں اونکار ناتھ اپنے کسی بھگوان کی مورتی کے سامنے ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھے بیٹھا مالا جپ رہا تھا۔اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔اسی کمرے کے ایک کونے میں مجھے بیرسٹر راشد حسین نظر آیا۔اس کی آنکھوں میں وحشت اور بے بسی جھلک رہی تھی۔بھگوان کی مورتی کے سر پر جلتے ہوئے دیئے کی روشنی میں کمرے کا ماحول بڑا پُراسرار نظر آ رہا تھا۔میرے مؤکل اونا کارناتھ کے سر پر سوار تھے۔مگر راشد حسین کی نظریں انہیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔میں کچھ دیر تک اونکار ناتھ کی محویت کو غور سے دیکھتا رہا۔جب اس کی محویت ختم نہیں ہوئی تو میں نے اپنے مؤکلوں کو حکم دیا۔

''وہ جو کونے میں دبکا بیٹھا ہے اس کی سمت جاؤ۔''

میرے مؤکل تیزی سے پلٹے اور راشد حسین کو پکڑ کر اسے زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔راشد حسین جو مؤکلوں کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔اس اچانک افتاد پر بوکھلا گیا اور ہذیانی انداز میں چیخنے چلانے لگا۔اس کی خوفزدہ آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں لیکن میرے مؤکل برابر اسے تنگ کرنے میں مصروف تھے۔راشد حسین کی چیخ وپکار بڑھتی جا رہی تھی وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر مدد مدد چلا رہا تھا۔دوسری طرف اونکار ناتھ کے عمل میں خلل پڑا تو اس کے چہرے پر ناخوشگوار تاثرات ابھر آئے۔ایک دو بار اس نے ہاتھ کے اشارے اور ہوں' ہوں کر کے راشد حسین کو شور وغل بند کرنے کو کہا لیکن راشد حسین کو بھلا اتنا ہوش کہاں تھا جو وہ اس کی ہدایت پر عمل کر سکتا۔وہ اس انداز میں اچھل کود کر رہا تھا جیسے اس کے جسم پر شہید کی مکھیوں نے یلغار کر دی ہو۔

اونکار ناتھ کے چہرے پر غصے' تشویش اور کرب کے تاثرات نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔اسے اپنے ورد میں دشواری پیش آ رہی تھی اور یہی میں چاہتا تھا۔اکثر وظائف اور جاپ میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ عامل کامل سکون سے رہے' کوئی مداخلت نہ ہو' اسے درمیان میں گفتگو نہ کرنا پڑے۔اگر درمیان میں کوئی مداخلت ہو جاتی ہے تو ساری محنت پر پانی پھر جاتا ہے۔یہ عمل ٹوٹ بھی سکتا ہے۔اور پھر اسے نئے سرے سے شروع کرنے کے لئے فضا ہموار کرنا پڑتی ہے۔اونکار ناتھ کے لئے جب شور وغل ناقابل برداشت ہو گیا تو وہ آنکھیں کھول کر دھاڑا۔

''پاپی..... بند کر اپنی یہ بکواس!''

لیکن راشد حسین برابر چیخے جا رہا تھا۔اونکار ناتھ کو میں نے بڑے جھلائے ہوئے انداز میں مرگ چھالا سے اٹھ کر راشد حسین کی طرف بڑھتے دیکھا۔ٹھیک اسی وقت ایس پی ماتھر شب خوابی کے لباس میں ملبوس بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔اس نے پہلے سہمی ہوئی نگاہوں سے راشد حسین کو دیکھا' پھر اونکار ناتھ سے پوچھا۔

''مہاراج..... یہ اسے کیا ہو رہا ہے۔کیا آپ نے اسے کوئی کشٹ دیا ہے؟''

''اس کی چیخ وپکار نے میرا سارا کھیل بگاڑ دیا ہے ماتھر جی۔''

اونکار ناتھ نے بدستور راشد حسین پر نظر جمائے ہوئے ماتھر کو جواب دیا۔''میں بھی یہی وچار کر رہا ہوں کہ اسے بیٹھے بٹھائے اچانک کیا ہو گیا ہے۔''

''کک.....کہیں یہ اسی میاں جی کی شرارت تو نہیں مہاراج۔''

ایس پی ماتھر جو ایک بار پہلے بھی میری طاقت کا حیرت انگیز کرشمہ اپنی زبان بندی کی صورت میں دیکھ چکا تھا۔لکنت سے بولا اس کے چہرے پر اچانک زردی پھیلنے لگی۔

''ہوسکتا ہے۔سب کچھ سنبھو (ممکن) ہے۔میں ابھی اپنے بیروں سے پتا کرتا ہوں۔''

اونکارناتھ نے'ایس پی کی بات سن کر چونکتے ہوئے کہا پھر اس کے ہونٹ دوبارہ متحرک ہوگئے۔غالباً وہ کسی منتر کا جاپ شروع کر چکا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا میں نے اپنے مؤکلوں کو دوسرا حکم دیا۔

''اس مردود پنڈت کو اس وقت تک تنگ کرتے رہو'جب تک یہ بے ہوش نہ ہوجائے۔''

میرے حکم کی دیر تھی کہ میرے موکل راشد حسین کو چھوڑ کر پنڈت اونکارناتھ سے لپٹ گئے اور اس کے بے داغ سر پر انہوں نے ہاتھ مارنے شروع کردیئے۔اونکارناتھ بوکھلا کر بھاگا لیکن مؤکلوں نے اسے جکڑ لیا اور اپنا عمل اور تیز کردیا۔پنڈت اونکارناتھ کی چیخ وپکار سے کمرہ گونجنا شروع ہوا تو ماتھر گھبرا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔راشد حسین اب پھٹی پھٹی نظروں سے اونکارناتھ کو فضا میں تلملا کر ہاتھ پاؤں مارتے دیکھ رہا تھا۔

''مم.....مم.....مہاراج!'' راشد حسین نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔''یہ تمہیں کیا ہورہا ہے۔''

''یہ.....سب تیرے کارن ہوا ہے.....اپرادھی!'' اونکارناتھ نے چلاتے ہوئے جواب دیا۔''تو نے میری تپسیا برباد کردی۔''

اونکارناتھ کی حالت ہر لحظہ ابتر ہوتی جارہی تھی۔جب تک اس لحیم شحیم پنڈت کا بس چلا وہ سر پر پڑنے والی ضربوں کو برداشت کرتا رہا۔پھر نڈھال ہوکر فرش پر گر پڑا اور کراہتا ہوا بے ہوش ہوگیا۔راشد حسین کی حالت دگرگوں تھی۔اس کی نظروں میں سارے جہاں کا خوف سمایا ہوا تھا۔وہ بار بار آوازیں دے رہا تھا لیکن اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔میرے لئے اب اس کھیل میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی تھی اس لئے میں نے اپنے مؤکلوں کو رخصت کیا اور آنکھیں کھول کر جائے نماز سے اٹھ کر اپنے بستر پر آگیا اس رات مجھے بڑی پُرسکون نیند آئی۔

☆.....☆.....☆

رشتوں کے ریشم

رفعت سراج کے بہترین اور خوبصورت افسانوں کا مجموعہ.....رشتوں کے ریشم.....جس کی سطر سطر محبت خلوص یگانگت،اور بھائی چارہ کا درس دیتی ہے۔انسانی زندگی میں سب رشتے خوبصورت ہیں،ہر رشتہ ریشم سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط ہے۔ افسانوں کا یہ مجموعہ کتاب گھر پر دستیاب ہے،جسے **افسانے** سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

دوسرے روز ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

حسب معمول میں نے اٹھ کر فجر کی نماز ادا کی۔ پھر ٹہلنے کے لئے باہر چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اکبر میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ پریشانی میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ میں نے اسے بے تابی اور بے قراری کے عالم میں دیکھا تو پوچھا۔ ''کیا بات ہے اکبر خیریت تو ہے۔

''شاہد میاں! ثمینہ ہذیان بک رہی ہے۔ اس کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے۔ پھر کوئی چکر چل گیا ہے۔ یہ ہم لوگوں کی مصیبتیں کب ختم ہوں گی۔'' اکبر نے بے چینی سے کہا۔

''کدھر ہے ثمینہ..... تم حوصلہ کرو میں یہاں موجود ہوں۔ گھبراتے کیوں ہو۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اکبر مجھے ثمینہ کے پاس لے گیا' جو ایک ٹوٹی ہوئی چھت کے نیچے ایک چٹائی پر اول فول بک رہی تھی اس کی آنکھوں میں شعلے دہک رہے تھے۔ میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو میرے منہ سے بے ساختہ ایک قہقہہ نکل گیا۔ قلعے کے در و بام اس قہقہے کی بازگشت سے گونج اٹھے۔

''خوب.....'' میں نے اس شکستہ عمارت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہاں بہت اچھے دن گزریں گے۔ اے اجنہ! میرے دوستو! کیا تمہیں نہیں معلوم یہاں کون ٹھہرا ہوا ہے۔''

اکبر نے میری طرف حیرانی سے دیکھا کہ میں کس سے مخاطب ہوں۔ ''اکبر یہاں ہم اکیلے نہیں ہیں' ایک پورا قبیلہ یہاں موجود ہے اب خوب گزرے گی۔ تم دیکھ رہے ہو..... مگر تم نہیں دیکھ سکتے۔ انہیں نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا غلطی کی ہے۔'' میں نے اکبر سے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ اس موقعے کی ایک آیت پڑھنے کے بعد میرے سامنے اجنہ موجود تھے۔ ان کے چہروں پر ہم لوگوں کے لئے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' ان سبھوں نے بیک وقت جواب دیا۔

''میں پوچھتا ہوں اس لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟'' میں نے گرجدار آواز میں کہا۔

ہٹلر

ہٹلر جیسی متنازع شخصیت پر اس کتاب کی تالیف کا مقصد روایتی انداز میں لکھی تاریخ سے ہٹ کر تاریخ میں نئے اور تجزیاتی (Analytical) زاویے روشناس کروانا اور آج کے قاری کو تاریخ کے موضوع کی وسعت کے بارے میں باور کروانا ہے۔ ہٹلر کی زندگی، اسکے فلسفہ، قوم پرستی اور ظلم و بربریت جیسے موضوعات پر ایک مفصل کتاب جسکی تالیف میں کئی ایک دیگر کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔..... ہٹلر کی تاریخ آپ کتاب گھر کے **تاریخ عالم** سیکشن میں پڑھ سکتے ہیں۔

''اس نے ہمارے مرشد کی جائے استراحت پر قبضہ کیا۔'' ایک جن نے آگے بڑھ کر جواب دیا.....

''کیا اسے یہ بات معلوم تھی؟ ظاہر ہے اسے نہیں معلوم تھی۔'' میں نے کہا

''مگر اسے یہ بات معلوم ہونا چاہئے تھی۔ تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔'' اس جن نے نخوت سے پوچھا۔

''میں کون ہوں؟ میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھا مگر مجھے درشہوار نظر نہیں آئی۔ غالباً وہ ناشتے کی فراہمی میں کہیں گئی ہوئی تھی۔ میں نے اسے آواز دی۔ ''درشہوار تم فوراً آجاؤ۔''

اور چند لمحے گزرے کہ درشہوار حاضر ہوگئی۔ اجنہ نے اسے دیکھا تو حیران رہ گئے۔ میں نے اسی جن سے پوچھا۔ ''تم نے اسے دیکھا نہیں تھا۔''

''نہیں ہم نے اسے پہلی بار دیکھا ہے۔ ہم لوگ علی الصبح اجمیر سے حضرت خواجہ کی زیارت کر کے یہاں آئے ہیں، یہاں انسانوں میں کوئی نہیں ٹھہرتا۔ عرصے سے ہم لوگ یہاں مقیم ہیں مگر آپ کون ہیں؟'' اس بار اس نے قدرے نرمی سے پوچھا۔

دری بولنے کے لئے مضطرب نظر آرہی تھی، میں نے اس سے کہا۔ ''دری انہیں بتاؤ کہ ہم کون ہیں؟''

درشہوار نے اپنی شیریں آواز میں کہا۔ ''اے رفیقو! مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم لوگ یہاں مقیم ہو۔ نہیں تو میں اپنے بزرگ میاں شاہد علی کو ضرور بتادیتی اور ثمینہ کو بھی مطلع کردیتی۔ میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ تم ایک جلیل القدر بزرگ (چھوٹے میاں) صاحب سے ہمکلامی کی سعادت حاصل کررہے ہو۔ اجنہ جن کے خدمت گزار اور روحیں جن کی اطاعت گزار ہیں۔ تم نے یہاں سے شمال میں چار دن کی مسافت پر ایک واقع ایک پہاڑی کے بڑے میاں صاحب کا نام سنا ہوگا۔ یہ اسی آستانہ فیض کے سلسلے کے دوسرے بزرگ ہیں۔''

ان میں سے ایک بوڑھا جن آگے بڑھا جوان کا مرشد تھا اس کے انداز میں ایک جلال تھا۔ اس نے کہا۔

''مگر ہم یہ کس طرح یقین کرلیں کہ تم جو کچھ کہہ رہی ہو درست ہے..... صرف ایک بات درست ہے کہ تم ہم میں سے ایک ہو۔''

''اے مرشد! آپ کی بصیرت کہاں گئی۔ کیا اللہ والوں کو پہچاننے کے لئے کسی شناخت کی ضرورت پڑتی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ تلخی کیوں پیدا کررہے ہیں۔'' درشہوار نے خفگی سے کہا۔

''نہیں دری..... میں انہیں مطمئن کئے دیتا ہوں..... یہ جو ثمینہ پر ایک مسخرا قابض ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے سزا ضرور ملنی چاہئے۔'' میں نے ترشی سے کہا اور قبل اس کے درشہوار مجھے کوئی جواب دیتی۔ میرے ایک اشارے پر ثمینہ نے جھرجھری لی۔ اس پر قابض ایک نوجوان جو شکل وصورت سے عاشق مزاج معلوم ہوتا تھا اور بہت وجیہہ تھا، ثمینہ کے جسم سے نکل کر زمین پر لوٹنے لگا اور اس نے بے تحاشا چیخنا شروع کردیا۔

''اسے معاف کردیجئے۔'' بوڑھے جن نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ ''یہ بہت ہے اور ہم سب معذرت خواہ ہیں۔ یہ کرامت کوئی صاحب علم وفضل ہی کرسکتا ہے۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔''

آپ کا شکریہ..... مگر کیا یہ مناسب ہوگا کہ جب تک ہم لوگ یہاں موجود ہیں یہ مختصر سی جگہ ہمارے لئے وقف کردی جائے۔'' میں نے کہا۔

''کیوں نہیں اے نیک بزرگ..... میں ہدایت کئے دیتا ہوں' آپ اطمینان سے یہاں قیام فرمائیں۔ میری ایک گزارش ہے کہ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ قیام وطعام کا بندوبست ہماری طرف سے ہوگا۔'' بوڑھے جن نے التجا آمیز انداز میں کہا۔

میں نے درشہوار کی طرف دیکھا۔ اس نے آنکھوں کے اشارے سے اپنی منظوری کے لئے کہا اور میں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ میں نے بوڑھے جن سے کہا کہ وہ اس طرف جنوں کے غول کو آنے سے منع کر دیں اور ہمارے کسی معاملے میں کوئی دلچسپی نہ لیں۔

بوڑھے جن نے ہماری خاطر و مدارت میں کوئی کمی نہ کی۔ اس نے کئی بار شاندار ضیافتیں کیں۔ جنوں کا یہ قبیلہ پہاڑی والے قبیلے کی طرح زیادہ پڑھا لکھا اور مہذب نہ تھا وہ عام جن تھے ان میں ابوالحسن جیسا کوئی عالم موجود نہیں تھا۔ بوڑھے جن نے اس قلعے کے متعلق مجھے کئی دلچسپ داستانیں سنائیں۔ اس نے بتایا کہ قلعے کے سب سے شاندار وسیع ہال میں کوئی جن جانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہاں عجیب وغریب آوازیں سنائی دیتی ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی دربار منعقد ہو رہا ہو۔ میں نے اس بوڑھے کو نہیں بتایا کہ روحوں کو طلب کرنے میں مجھے کتنا ملکہ ہے۔ میں عموماً خاموش ہی رہا کرتا تھا۔

ہم لوگوں کو یہاں قیام کئے پندرہ دن سے زائد ہو گئے۔ صبح ہوتی تو خوان ہمارے سامنے سج جاتے۔ دوپہر کو انواع اقسام کے کھانے موجود ہوتے۔ شام کو مختلف اقسام کے ذائقے ہمارے منتظر رہتے۔ اس عرصے میں درشہوار کی مجھ سے رغبت دوچند ہو گئی۔ ہم رات گئے دریا کے کنارے سیر کرتے رہتے۔ بہت دنوں کے بعد میں نے اس طرح کے دن گزارے تھے' اس طرح فراغت کے دن۔ اونکار ناتھ کا کوئی پتا نہ تھا۔ راشد حسین اور اونکار ناتھ دونوں شہر سے کہیں جا چکے تھے۔ شہر میں بہت اضطراب تھا۔ میری گمشدگی کے عجیب معانی لئے جا رہے تھے۔ بستی کے مسلمان اس بات پر سخت برافروختہ تھے کہ پولیس نے چھوٹے میاں صاحب کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کیا ہے۔ انہیں یا تو نظر بند کر دیا گیا ہے یا وہ کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ مجھے یہ خبریں درشہوار سے ملتی رہتی تھیں۔ درشہوار کو یقین تھا کہ اونکار ناتھ دوبارہ ضرور کوئی وار کرے گا۔ خود مجھے بھی شبہ تھا اور اس لئے میں نے اپنے گرد حصار قائم کر رکھا تھا۔ اس قلعے کے نگہبان اجنہ تھے۔ اس لئے بظاہر کوئی خطرہ نظر نہیں آتا تھا۔ اونکار ناتھ کہاں چلا گیا تھا۔ یہ بات ہر چند کہ تشویش کی تھی لیکن میں ان پندرہ دنوں میں ان مسائل سے کم اور درشہوار سے قریب زیادہ رہا۔ یوں کہا جائے کہ یہ پندرہ دن میں نے اپنے مشاغل سے بے نیاز ہو کر گزارے تھے۔ میں نے باقاعدہ نماز ادا کی تھی لیکن عبادت و ریاضت کا وہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکا تھا جو برسوں سے میرے معمول میں تھا۔ میں کچھ تھک گیا تھا۔

ایک رات میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ مجھے قلعے کے اس گوشے کا خیال آیا جس کے بارے میں بوڑھے جن نے بتایا تھا کہ وہاں روحوں کا قیام ہے۔ میں نے خود پر دم کیا اور اس ویران گوشے کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کچھ ایسی زیادہ روشن نہ تھی۔ چاروں طرف خاموشی تھی مگر جیسے ہی میں نے بڑے ہال کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں پر قدم رکھا تو کئی چمگادڑیں اڑ کر گہری خاموشی کو توڑ گئیں۔ عام آدمی کا گزر یہاں ناممکن تھا۔ عام آدمی یہاں سے گزرتا تو خوف سے اس کا دم نکل جاتا۔ سارا منظر بہت دہشت ناک تھا' مگر میں پورے سکون کے ساتھ چمگادڑوں کے شور وغل سے بے پروا ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ راستہ میرا جانا پہچانا نہ تھا۔ اس لیے میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا۔ سیڑھیاں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی

تھیں۔ سیڑھیوں کے بعد ایک طویل راہداری تھی۔ جس سے گزر کر چھوٹے موٹے کمرے اور ان سے ملحق وسیع ہال تھا۔ جب میں نے سیڑھیوں کو عبور کر لیا تو ایک دربان مجھے پرانے وضع قطع کے لباس میں ملبوس نظر آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا راستہ روک لیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا نیزہ تھا۔ اپنے راستے میں اسے آتا دیکھ کر میں نے کسی قسم کا تاثر قبول نہیں کیا اور اپنے ہاتھ سے جگہ بناتا ہوا وہاں سے گزر گیا۔ وہ ایک دربان کی روح تھی جو میری جسارت پر غائب ہو گئی تھی۔ اس دربان کی موجودگی سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس گوشے کے متعلق جو باتیں منسوب ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ میرا اشتیاق بڑھ گیا اور میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ راہداری میں مجھے روحوں کا ایک عظیم اجتماع نظر آیا۔ وہاں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ دو تین کنیزیں راہداری میں مجھے آتا دیکھ کر دوڑنے لگی تھیں۔ وہاں مجھے کئی سپاہی بھی نظر آئے جنہوں نے میری جانب بھالے تان رکھے تھے لیکن میں بے خوف و خطر آگے بڑھتا گیا۔ راستہ مجھے صاف ملا۔ جب میں بڑے کمرے کے قریب پہنچا تو خوبصورت عورتیں جو کنیزیں اور باندیاں نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے میرا راستہ روک لیا۔ وہ تعداد میں کئی تھیں۔

انہوں نے میرے قریب آ کر کہا۔

''آگے مت جاؤ۔''

میں نے ایک لمحے کو توقف کیا اور پھر قدم آگے بڑھانے لگا مگر وہ میرے قدموں میں گر گئیں اور التجا آمیز انداز میں کہا۔ ''آگے مت جاؤ۔''

میں نے برہمی سے کہا۔ ''کیوں؟ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔''

''نہیں، نہیں۔'' وہ ایک ساتھ مترنم آوازوں میں بولیں۔ ''وہاں وہ ہیں۔''

''وہ کون؟'' میں نے پوچھا۔

''راج کمار..... وہاں راج کماری ہیں۔'' انہوں نے پھر ایک ساتھ کہا۔ ''ان کے لہجے دردناک تھے۔ وہ سب معصوم اور حسین تھیں۔

''راج کماری سے کہو کہ کوئی ان سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے بھاری بھرکم لہجے میں کہا۔

''انہوں نے ہر ایک سے ملنا بند کر دیا ہے۔ اب وہ کسی سے نہیں ملتیں۔''

''وہ کسی سے کیوں نہیں ملتیں؟''

''جب تک راجکمار نہیں آ جاتے۔ انہوں نے باہر نکلنا بند کر دیا ہے۔''

مجھے یہ باتیں بہت دلچسپ معلوم ہوئیں اس لئے میں نے پوچھا وہ کب سے منتظر ہیں؟

''وہ ایک زمانے سے راج کمار کا انتظار کر رہی ہیں۔ اپنی پہلی زندگی سے دوسری زندگی تک وہ وہیں ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''اور تم لوگ کون ہو؟''

''ہم ان کی باندیاں ہیں۔ جب راج کمار آ جائیں گے تو ہم سب سے پہلے انہیں مطلع کریں گے۔''

''اور راجکمار کہاں گئے ہیں؟''

''وہ راستے میں کہیں گم ہوگئے تھے۔اب تک نہیں آئے۔''

''راستے میں؟''میں نے حیرت سے پوچھا۔''کون سے راستے میں؟ مجھے بتاؤانہیں کیا ہوگیا۔''

''جب دیونگر سے ان کی بارات آرہی تھی اس وقت سراٹوں نے ان پر حملہ کردیا سب لوگ مارے گئے اور مہاراج کہیں غائب ہوگئے۔اس وقت سے اب تک ان کا کوئی پتا نہیں اس وقت راجکماری دلہن بنی ان کا انتظار کررہی تھیں۔وہ انتظار کرتی رہیں' کرتی رہیں جب راجکمار نہیں آئے اورانہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اورلوگوں کے ساتھ مارے گئے تو انہوں نے دوسری دنیا میں ان سے ملنے کے لئے اپنی پہلی زندگی ختم کرلی۔مگر دوسری زندگی میں بھی مہاراج کمار نہیں ملے۔وہ اس وقت سے ان کا انتظار کررہی ہیں اوراسی کمرے میں بند ہیں۔''

''میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''میں نے اشتیاق سے کہا۔

''نہیں.....تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔انہیں مت چھیڑو۔وہ بہت دکھی ہیں۔''لڑکیوں نے میری منتیں شروع کردیں۔

میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔اس دلچسپ اورافسوسناک داستان کو سننے کے بعد راجکماری کو دیکھنے کی شدید خواہش میرے اندر پیدا ہوچکی تھی' مگران باندیوں کی موجودگی میں یہ خواہش پوری ہوتی ممکن نظرنہیں آرہی تھی۔میں نے آگے جانا چاہا مگروہ میرے پیروں سے لپٹ گئیں۔انہوں نے کچھ اس طرح مجھے آگے جانے سے منع کردیا جیسے میرے اس اقدام سے ان پر کوئی عذاب نازل ہوجائے گا۔

میں یہ سوچ کر واپس ہوگیا کہ الماس کے ذریعے راجکماری کے بارے میں معلومات کروں گا واپسی میں سارے راستے راجکماری کے بارے میں سوچتا رہا جو شدت سے اپنے محبوب کا انتظار کررہی ہے' جسے صدیاں بیت گئیں۔یہ دنیا عجیب تھی.....میرے ذہن نے راجکماری کی شکلیں بنانا شروع کردیں۔وہ کیسی ہوگی؟ رات بھر میں اسی واقعے کے متعلق سوچتا رہا۔رات کے آخری پہر کہیں نیند آئی۔

صبح میں نے اس گوشے کی طرف دیکھا تو وہاں ویرانی چھائی ہوئی تھی۔اس واقعے کے بارے میں' میں نے درشہوار سے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔اس صبح میں الجھا الجھا رہا۔جب طبیعت بہت گھبرائی میں دریا کے کنارے چہل قدمی کے لئے چلا گیا۔صبح کا منظر بڑا دل آویز تھا۔جب میں واپس آیا تو اکبر میرے پاس آیا اور دبی زبان میں کہنے لگا۔''شاہد میاں میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''یقیناً پہاڑی پر واپس جانے کے لئے کہوگے؟''میں نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں کچھ اور بات ہے؟''

''کیا بات ہے؟''اس بار میں نے توجہ سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں آج ثمینہ کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''ثمینہ کا نام سن کر میری پیشانی شکن آلود ہوگئی''کہو کیا کہنا چاہتے ہو''

''کل میں نے ثمینہ سے تفصیلی بات کی تھی جو کچھ اس کی بہن اور باپ نے تمہارے ساتھ کیا ہے' اسے اس پر بے حد افسوس اور شرمندگی ہے۔''میں خاموش رہا تو اکبر نے کچھ توقف کے بعد کہا۔''ثمینہ کو اپنے باپ سے شدید نفرت ہے۔اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنے باپ کی صورت کبھی نہ

دیکھے گی۔''

''اکبر۔'' میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ راشد حسین جیسے کمینہ خصلت شخص کی بیٹی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے مگر یہ ضروری تو نہیں کہ اس کے باپ کے جراثیم اسے ورثے میں ملے ہوں۔'' اکبر نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''جو راشد حسین اور رشیدہ نے کیا ہے۔ اس کی سزا ثمینہ کو دینا سراسر ناانصافی ہے۔ شاہد میاں! وہ بڑی مظلوم اور لاچار ہے۔''

''رشیدہ!..... میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے رشیدہ کا نام لے کر مجھے یاد دلایا۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔'' میں نے اکبر سے قدرے ناراضگی سے کہا۔ ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ثمینہ کو آزاد کر دوں تاکہ اس نابکار پنڈت کو اپنی برتری جتانے کا ایک اور موقع مل جائے۔''

''تم اگر اسے آزاد کر دو گے تب بھی وہ راشد حسین کے پاس نہیں جائے گی۔ اس نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھائی ہے۔ مجھے اس کی باتوں پر پورا اعتماد ہے۔'' اکبر نے اکتا کر کہا۔

''آخر تم ثمینہ کے سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے جھلا کر دریافت کیا۔

''میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم میری خاطر ایک بار ثمینہ سے بات کر کے دیکھو مجھے یقین ہے تمہارا دل اس مظلوم کی طرف سے صاف ہو جائے گا۔''

میں نے اکبر کی بات کا جواب دینے کی بجائے اسے شکایت بھری نظروں سے دیکھا تو اکبر نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

''شاہد میاں..... میں ثمینہ کے بارے میں سنجیدہ ہوں۔ ان دنوں میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے۔''

''تمہیں بہت ہمدردی ہو گئی ہے ثمینہ سے۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ راشد حسین نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''شاہد میاں..... خداوند کریم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مظلوموں کی مدد سے گریز کرتا ہے اس پر رحمتوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جس نے درگزر کیا اس نے رب کو خوش کیا۔ جس نے زخم بھرے اس نے خدا کے دل میں گھر کیا۔ ثمینہ حالات کے ستم کی شکار ہے' اس کی کوئی خطا نہیں۔ سوچتا ہوں اگر میں ایک بے سہارا لڑکی کا سہارا بن جاؤں تو کیا تمہیں اس پر کوئی اعتراض ہو گا؟''

''اف فوہ! تو بات یہ ہے۔ پندرہ بیس دنوں کی رفاقت رنگ لائی۔ تم نے دوسرے انداز سے سوچنا شروع کر دیا۔'' میں نے طنزاً کہا۔

''شاہد۔ تمہارے اندر تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ تم بدگمان ہونے لگے ہو۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں' اس میں کوئی اور جذبہ نہیں۔'' اکبر نے ناراضگی سے کہا۔

اکبر کا آخری جملہ سن کر میرے اندر آگ سی لگ گئی۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ میرا عزیز دوست اس قسم کی باتیں کرنے لگے جائے گا اور وہ راشد حسین جیسے شخص کی لڑکی سے شادی کرنے کا تصور بھی ذہن میں لائے گا۔ میں نے اکبر کو ناگواری سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر چھائی سنجیدگی اس کے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہی تھی۔ جو کچھ اس نے کہا تھا' اسے کر گزرنے کی ہمت بھی اس کے اندر تھی۔ میرا دل چاہا کہ اکبر سے کہوں وہ اسی وقت

اٹھے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میری نظروں سے دور ہو جائے لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔ اکبر میرے جواب کا منتظر تھا۔ میں اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ درشہوار میرے سامنے آ گئی۔ غالباً اس نے میرے اور اکبر کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔ وہ میرے قریب آ کر بولی.....

''آخر اس میں حرج بھی کیا ہے؟ اکبر نے ثمینہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ حرف بحرف درست ہے۔ اس کا دل اپنے باپ کی طرف سے مکدر ہو چکا ہے۔ اسے آپ سے ہمدردی ہے۔ جب اکبر نے اسے یہ سب کچھ بتایا تو وہ اپنے باپ کے ظلم و ستم پر آنسو بہانے لگی۔ یوں بھی اگر وہ اکبر سے وابستہ ہو جائے تو راشد حسین کے لئے یہ خبر کسی تازیانے سے کم نہ ہو گی۔ اس کے عواقب پر آپ نے غور کیوں نہیں کیا۔ راشد حسین عمر بھر اس نقصان پر تلملاتا رہے گا۔ یہ ایک نیکی کا بھی تو کام ہے۔ آپ اجازت دے دیں' میں ثمینہ کو دلہن بناؤں گی۔ یہاں کے تمام میزبان اجنہ اس تقریب میں شریک ہوں گے۔''

درشہوار مجھے بڑی دیر تک سمجھاتی رہی اور میں نے اس کے اصرار پر اکبر کو اجازت دے دی۔ اس دن ہی اس تقریب کا اہتمام ہو گیا۔ درشہوار کو پہلی بار اکبر اور ثمینہ کے سامنے آنا پڑا۔ اسے دیکھ کر وہ دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔ اتنی حسین دوشیزہ انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ثمینہ تو اسے دیدے پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ ''تو وہ آپ تھیں۔'' اس نے بے اختیار کہا۔ ''جو ہمارے ساتھ سفر کر رہی تھیں جو ہمارے لئے لذیذ ترین غذائیں فراہم کرتی تھیں۔ اف! یہ کیسی دلچسپ اور حیرت انگیز حقیقت ہے آپ تو الف لیلہ کی کوئی شہزادی معلوم ہوتی ہیں۔ اب آپ ہم سے دور نہ رہیے گا۔'' ثمینہ بہت جلد درشہوار سے گھل مل گئی۔

درشہوار نے اسے دلہن بنایا' ایسی دلہن جو چاند ستاروں کو شرمائے۔ وہ دن اس ہنگامے میں گزر گیا۔ بوڑھے جن نے شاندار ضیافت کی۔ قلعے کا ایک کونا ثمینہ اور اکبر کے حجلہ عروسی کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ اس دن تمام اجنہ اکبر اور ثمینہ کے سامنے آ گئے۔ میں نے نکاح پڑھایا اور تقریب دل پذیر شام کو کہیں ختم ہوئی۔ اکبر کے چہرے پر عرصے بعد میں نے مسکراہٹ دیکھی۔ شام کو وہ دونوں میرے پاس آئے۔ ثمینہ نے جن الفاظ میں اپنے جذبات کی ترجمانی کی اس سے میرا دل صاف ہو گیا۔

حُسنہ اور حُسن آراء

حُسنہ اور حُسن آراء ادور حاضر کی مقبول ترین مصنفہ **عمیرہ احمد** کی 4 تحریروں کا مجموعہ ہے جس میں ایک کہانی حسنہ اور حُسن آراء پہلی بار آپ کے سامنے آ رہی ہے۔ عمیرہ احمد کا TV کے لئے یہ پہلا منی سیریل بھی تھا اور یہ TV کی تاریخ کے مہنگے ترین منی سیریلز میں سے ایک تھا..... اپنی تھیم کے لحاظ سے یہ آپ کو بہت متنازعہ لگے گا۔ مگر انسانی فطرت اس سے زیادہ حیران کُن اور متنازعہ ہے۔ **حُسنہ اور حُسن آراء** کتاب گھر پر دستیاب ہے جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

میں نے اسے دعائیں دے کر رخصت کیا۔ عشاء کے بعد مجھ پر شدید اداسی کا غلبہ ہوا۔ آج رات میں راج کماری کے ایوان میں جانے کے لئے صبح سے سوچ رہا تھا مگر ثمینہ نے جن لفظوں میں مجھے اپنی بہن کی یاد دلائی تھی اس سے میری طبیعت اور پریشان ہوگئی تھی۔ ابھی کچھ نہیں ہوا۔ میرا پہاڑی سے آنے کا مقصد ادھورا ہی ہے۔ میں کہاں جا رہا ہوں۔ ثمینہ رشیدہ کی بہن تھی۔ میں نے ثمینہ کو معاف کر دیا..... مگر رشیدہ..... بہت رات گزر گئی اور میں اسی طرح سوچتا رہا۔ پھر میں نے بیٹھے بیٹھے ایک وظیفہ پڑھا۔ درمیانی رکاوٹیں دور ہوگئیں۔ میری آنکھیں ایس پی ماتھر کے گھر میں تھیں مجھے اونکارناتھ وہاں نظر نہیں آیا۔ میں نے مندروں اور محلوں کا جائزہ لیا پھر میری آنکھوں نے ہزاروں میل کی مسافت طے کی۔ میں نے دیکھا کہ اونکارناتھ ایک پلنگ پر بے سدھ پڑا ہے اور راشد حسین اس کے قریب ہی اسے تشویش کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اونکارناتھ کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے یگ گونہ مسرت ہوئی لیکن ابھی میں مقام کا تعین اور اس منظر سے پوری طرح لطف اندوز نہ ہو پایا تھا کہ میری نظروں کے سامنے دھند سی چھانے لگی۔ میں نے جھلا کر اس دھند کو دور کرنے کی سعی کی لیکن دھند ہر لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک میں کچھ بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ایسا کیوں ہوا۔ میں نے تلملا کر آنکھیں کھول دیں ٹھیک اس وقت اکبر کے گوشہ عروس سے خوفزدہ انداز میں چیخنے چلانے کی آوازیں ابھرنی شروع ہوگئیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی ذبح کر رہا ہو۔ میں جلدی سے اٹھا اور لپکتا ہوا اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اکبر فرش پر ہاتھ پاؤں سمیٹے پڑا سسکیاں لے رہا ہے۔ ثمینہ اس کے پاس بیٹھی سہمے ہوئے لہجے میں اسے بار بار آواز دے رہی ہے۔ غالباً اکبر کسی ڈراؤنے خواب کے نتیجے میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر ثمینہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پریشان لہجے میں بولی۔

''خدا کے لئے کچھ کیجئے' نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے؟''

میں نے ثمینہ کی بات کا جواب دینے کی بجائے اکبر کو شانے سے پکڑ کر آواز دی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ چند ثانئے تک یوں آنکھیں پھاڑے حیرت سے مجھے دیکھا جیسے اسے اپنی قوت بینائی پر شبہ ہو رہا ہو پھر یکلخت اٹھا اور بڑے بے ساختگی سے مجھ سے لپٹ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''شاہد..... شاہد..... خدا کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت ہو۔''

''میرا خیال ہے کہ تم نے کوئی بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے درود شریف پڑھو۔ خوف وہراس اور گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔''

اکبر نے بلند آواز میں دو چار بار درود شریف پڑھا پھر کہا۔ ''خدا کرے جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ خواب ہی ہو۔''

اکبر کا جواب سن کر میرا جذبہ تجسس بڑھا۔ یقیناً اس نے خواب میں جو کچھ دیکھا تھا وہ میرے ہی بارے میں تھا۔ جس انداز میں وہ مجھ سے بغلگیر ہوا تھا اس سے بھی یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ مجھے زندہ سلامت دیکھ کر خوش ہوا ہے۔ میں نے ثمینہ کی موجودگی میں اس سے کچھ دریافت کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے اپنے ساتھ دوسری جانب لے آیا۔ بعد میں جب میں نے خواب کی بابت دریافت کیا تو اکبر بولا۔

''شاہد..... میں نے دیکھا کہ میں اور تم ایک لق ودق ویران اور سنسان صحرا میں بھٹکتے پھر رہے ہیں کہ اچانک طوفانی ہوائیں چلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ گرد وغبار میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے تمہیں آوازیں دینی شروع کیں لیکن تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر بعد جب طوفان کا زور تھما اور میں نے تمہیں دیکھنا چاہا تو تم کہیں نظر نہ آئے میں ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگا اور چلا چلا کر تمہیں پکارتا رہا۔ میری آواز صدا بہ

صحرا ہو رہی تھی کہ اچانک میں نے تمہیں پالیا' لیکن اس حالت میں کہ دہشت سے چیخ اٹھا۔ میں نے دیکھا کہ تم ایک ریت کے تودے پر اوندھے منہ بے حس و حرکت پڑے ہو اور آسمان پر گدھ منڈلا رہے ہیں اور ایک انتہائی بوڑھا اور خونی شکل کا گدھ تمہارے قریب بیٹھا اپنی ناپاک چونچ سے تمہارے جسم کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہا ہے۔ میں اس منظر کو دیکھ کر چیخنے لگا۔ گدھ کی صورت اتنی ڈراؤنی اور ہیبت ناک تھی کہ مجھے اس کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ابھی میں چیخ رہا تھا کہ میں نے میاں صاحب کو دیکھا جو اچانک کہیں سے نمودار ہوئے۔ میاں صاحب کو دیکھ کر میری ڈھارس ہوئی' لیکن جانتے ہو پھر میں نے کیا دیکھا۔ میاں صاحب کچھ دیر تک خاموش کھڑے رہے پھر ان کے چہرے پر جلالی کیفیتیں نمودار ہوئیں میرا خیال تھا کہ وہ تمہیں اس مصیبت سے نجات دلائیں گے لیکن میاں صاحب نے ایسا کرنے کے بجائے اپنا روئے مبارک دوسری طرف کر لیا اور کچھ دور آگے جا کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ہوائیں اور تیز ہو گئیں۔ میں نے میاں صاحب کو آواز دی' مگر طوفان میں میری آواز دب کر رہ گئی پھر میں نے ایک سائے کو گرد و غبار میں اٹے تمہاری طرف آتا دیکھ کر چیخنا چلانا شروع کر دیا پھر غالباً تم نے میرا شانہ پکڑ کر مجھے بیدار کر دیا تھا۔''

اکبر نے اپنا خواب بیان کرنے کے بعد ٹھنڈی سانس لی اور پھر کہا۔

''شاہد..... کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔''

''جو کچھ تم نے دیکھا اور محسوس کیا ہے' وہ محض تمہاری پریشان خیالی کا سبب ہے۔ جاؤ جا کر آرام کرو۔ ثمینہ تمہاری راہ تک رہی ہو گی۔''

اکبر کو میں نے مطمئن کر کے ثمینہ کے پاس بھیج دیا لیکن میں خود کو مطمئن نہ کر سکا۔ اکبر کا خواب میرے ذہن کو پریشان کر رہا تھا۔ میں اس خواب کی تعبیر کے لئے بے چین تھا۔ خوابوں کی تعبیر کے معاملے میں میری معلومات کچھ زیادہ نہ تھیں۔ میں نے اس میدان میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی تھی لیکن اس کے باوجود اکبر کا خواب ایسا نہیں تھا جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا۔ خاص طور پر اکبر کا یہ بیان کہ اس نے میاں صاحب کو موجود پایا اور وہ جلالی کیفیت میں منہ پھیر کر چلے گئے۔ تو کیا میاں صاحب مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے ہیں اور وہ گدھ کون تھا جو میرے جسم پر چمٹا ہوا تھا خواب میں علامتیں ہوتی ہیں اور یہ کیسی علامت تھیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ گدھ اونکار ناتھ ہو۔

اونکار ناتھ کا نام میرے ذہن میں ابھرا تو بہت سے اندیشے جاگزیں ہو گئے۔ بہت سے وسوسوں سے دل بھر گیا۔ میں نے اپنا محاسبہ کیا۔ اونکار ناتھ بڑے میاں صاحب کی پہاڑی کی عظمت و حرمت پر داغ لگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ نہیں اونکار ناتھ سے یہ کس طرح ممکن ہے؟ مگر اونکار ناتھ نے اب تک جو حرکتیں کی ہیں وہ اس کے اعتماد کا ثبوت ہیں۔ یہ اعتماد یقیناً کسی سبب سے ہو گا۔ کیا میں نے اونکار ناتھ کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہ غلط تھی۔ میاں صاحب کی بے چینی اور ناراضگی کا سبب کیا ہے۔ کوئی جواب میرے پاس نہیں تھا۔ میں اپنے ہی پیدا کردہ انتشار کی زد میں تھا۔ میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ کچھ دیر پیشتر میرے ساتھ کیا ہو چکا تھا۔ میں نے اس دھند کو کوئی اہمیت دینی مناسب نہیں سمجھا جس نے درمیان میں ہو کر میرے اور اونکار ناتھ کے درمیان پردہ کر دیا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو میں نے جائے نماز پر الماس کی طلبی کا وظیفہ شروع کر دیا۔

الماس لمحوں میں حاضر ہو گئی۔

''الماس.....'' میں نے جذباتی انداز میں اسے مخاطب کیا۔''میں اونکارناتھ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔وہ اب کس حال میں ہے۔'' الماس نے حسب معمول چاروں طرف نظر دوڑائی۔پھر ایک سمت کچھ دیر دیکھنے کے بعد بولی۔

''محترم بزرگ! اونکارناتھ کے ساتھ آپ کے مؤکلوں نے جو برتاؤ کیا تھا وہ اس کے زیر اثر ابھی تک بے ہوش ہے وہ کاشی میں اپنے گرو کے پاس ہے جو اسے ایس پی ماتھر کے ہاں سے لے گیا تھا۔راشد حسین بھی اس کے ساتھ ہے۔''

''اسے ہوش کب آئے گا؟'' میں نے دوسرا سوال کیا۔

''وہ کل تک ٹھیک ہو جائے گا۔کاشی کے بہت سے پنڈت اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں'' الماس نے ادب سے جواب دیا۔

''الماس..... تمہیں علم ہے کہ میں نے شمینہ کو معاف کر دیا ہے لیکن رشیدہ کو نہیں۔میں نے تم سے کہا تھا کہ رشیدہ کہ واپس بلایا جائے۔تم نے وعدہ بھی کیا تھا کہ اس کام کے لئے وقت درکار ہے۔''

میں تسلیم کرتی ہوں محترم بزرگ..... رشیدہ کا شوہر ایک حادثے میں مر چکا ہے۔وہ اپنے دو بچوں کے ساتھ کل شام تک آ جائے گی۔اپنے شوہر کی موت کی وجہ سے اسے آنے میں دیر ہوگئی'' الماس نے مختصر جواب دیا۔

''رشیدہ..... آ رہی ہے۔'' میں نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔''وہ نابکار فاحشہ عورت..... اب آ رہی ہے۔مجھے اسے سخت اذیت دینی ہے الماس..... میں رشیدہ کو معاف نہیں کروں گا۔''

الماس نے میرے غصے کو دیکھ کر جھرجھری لی پھر دبی زبان میں بولی۔

''میں مشورہ دینے کے لئے نہیں حکم دینے کے لئے ہوں' لیکن رشیدہ اپنے شوہر کے غم میں نڈھال یہاں آ رہی ہوگی۔شوہر کا غم ہی اس کے لئے کافی ہے۔''

''نہیں الماس..... نہیں، بخدا یہ غم اس غم سے زیادہ نہیں جو میں نے برداشت کئے ہیں۔تم دیکھو گی کہ میں اس کو کیسی ہولناک سزا دیتا ہوں..... میں اس کے بچوں.....'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔''میں اسے کربناک حالات سے دوچار کر دوں گا۔''

غصے کی شدت سے میں سرتاپا لرز رہا تھا۔الماس نظریں جھکائے میرے سامنے کھڑی تھی۔

''الماس اب بہت ہو چکا۔وقت بہت گزر چکا ہے۔یہ سب کھیل اب ختم ہو جانا چاہئے۔میں چاہتا ہوں کہ رشیدہ اپنے باپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ایک اور حادثے کا شکار ہو۔وہ اپنے بچوں کا غم بھی دیکھے۔اسے پتا چلنا چاہئے کہ خونی رشتوں کا غم کیسا ہوتا ہے۔میں اس فاحشہ کو تڑپتا اور بلکتا دیکھنا چاہتا ہوں۔اسے ایسی اذیتوں سے دوچار کرو کہ اس کی مثال روئے زمین پر نہ مل سکے۔سمجھیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' میں نے شدید اشتعال کے عالم میں کہا۔

الماس میری باتیں سن کر کانپنے لگی۔خوف اس کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔وہ بید مجنوں کی طرح لرز رہی تھی۔میرا حکم سن کر اسے سکتہ سا ہوگیا۔اسے اس حالت میں دیکھ کر میرے اشتعال میں اور شدت پیدا ہوگئی۔میں نے گرجتے ہوئے کہا۔''تم نے سنا۔میں کیا کہہ رہا ہوں۔میں

تمہیں حکم دے رہا ہوں۔"

"اے نیک بزرگ..... آپ کا حکم میرے لئے سعادت کا باعث ہے لیکن یہ احکام میرے بس کے نہیں۔ میں اس گناہ پر خود کو تیار نہیں کر سکتی اے عالی مرتبت بزرگ میری درخواست ہے کہ....."

"الماس!" میں الماس کا جواب سن کر حلق کے بل چلایا۔ "تم جانتی ہو کہ ایک بار تم انکار کر کے تم کیسی اذیت سے دوچار ہو چکی ہو۔ یہ میرا حکم ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں' اس کے کچھ معنی ہوتے ہیں۔ مجھے مشورہ مت دو۔ میرے حکم کی تعمیل کرو۔"

"میں۔ میں آپ سے رحم کی درخواست کرتی ہوں۔" میں نے اپنا جملہ مکمل کر کے ایک وظیفے کا ورد شروع کیا لیکن ٹھیک اسی وقت الماس میری نگاہوں کے سامنے سے غائب ہو گئی۔ الماس کی اس حرکت پر میرا غصہ اور بھڑک اٹھا۔ میں نے اسے طلب کرنے کا عمل دوبارہ شروع کیا لیکن وہ حاضر نہ ہوئی۔ میں نے تیسری بار عمل کیا لیکن مجھے ایک بار پھر مایوسی کا شکار ہونا پڑا۔ ناکامی نے میری جھنجھلاہٹ دو چند کر دی۔ میں شدید غیظ وغضب کی کیفیت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے اوسان بحال نہیں تھے۔ میں کسی زخمی شیر کی طرح دریا کے کنارے ٹہلتا رہا۔ مجھے حیرت تھی کہ میرا عمل تین بار خالی کیوں گیا۔

پھر معاً میرے ذہن میں اکبر کا خواب ابھر آیا۔ میں نے سوچا کیا اس خواب کی علامتوں میں واقعی کوئی حقیقت موجود ہے۔ میاں صاحب طوفان' گدھ' میں..... کیا کوئی طوفان آنے والا ہے؟

دریا کے کنارے مجھے پہلی بار سردی محسوس ہوئی۔ میرے قدم بوجھل ہو گئے..... اور میرا ذہن پریشان خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ میں نے قلعے کی طرف دیکھا۔ وہاں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ہر سمت تاریکی تھی۔ مجھے اس اندھیرے سے وحشت ہونے لگی۔

ان الجھنوں میں مجھے پتا ہی نہ چلا کہ میں کتنی دور نکل آیا ہوں۔ اکبر کا خواب' الماس کا نہ آنا' وہ اشارہ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میاں صاحب مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ دریا کے کنارے میں دیر تک ٹہلتا رہا۔ پھر اچانک پلٹ کر قلعے کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ اسی وقت مجھے بڑی شدت سے تنہائی محسوس ہو رہی تھی۔ میرے ذہن میں ان پریشان خیالات سے چھٹکارے کے لئے درشہوار ہی ابھری۔ درشہوار۔ میرے محسن ابوالحسن جن کی نوجوان بیٹی جو اپنے شفیق باپ کو چھوڑ کر میرے پاس چلی آئی تھی۔ وہ سرتاپا حسن و جمال کا شاہکار تھی۔ وہ نہ ہوتی تو حالات نہ جانے کیا رخ اختیار کر لیتے۔ وہ میرا سہارا تھی۔ وہ میری لاٹھی تھی۔ میں نے اس وقت اپنے دل میں اس کے لئے بے پناہ محبت محسوس کی۔

قلعے میں پہنچ کر میں نے درشہوار کو تلاش کیا مگر وہ یہاں موجود نہ تھی۔ چنانچہ میں اپنے بستر پر دراز ہو کر درشہوار کا انتظار کرنے لگا۔ عموماً وہ کچھ دیر کے لئے چلی جاتی تھی۔ اکبر اور ثمینہ دوسرے حصے میں تھے' میرا دل چاہا کہ ایک بار پھر روح الماس کو طلب کرنے کا عمل پڑھوں' ہو سکتا ہے کہ میں نے عمل پڑھنے میں کوئی غلطی کر دی ہو۔ میں اس خیال سے اٹھا اور دوبارہ جائے نماز پر بیٹھ کر وہی عمل پڑھنے لگا لیکن چوتھی بار بھی مجھے مایوسی ہوئی۔ جب کوئی صورت نہ بنی تو میں خود کو بہلانے کی خاطر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ لاتعداد وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ نہ جانے کیا ہونے والا تھا؟ ایسی مایوسی مجھے پہلے تو کبھی نہ ہوئی تھی۔

میں اپنے خیال میں محو تھا کہ قدموں کی آہٹ سن کر میرا شیرازہ خیال منتشر ہوگیا۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ اکبر میری طرف آرہا تھا۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ میں اکبر کو اپنی پریشانیوں میں شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس غریب نے میری خاطر پہلے ہی بہت دکھ جھیلے تھے۔ اکبر میرے قریب آکر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا پھر بولا۔

''شاہد میاں۔ میں اس وقت تم سے ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ تمہیں ناگوار نہ ہو۔''

''کہو اکبر۔ یہ کیسی اجنبیت کی باتیں کر رہے ہو، مجھے تمہاری کسی بات سے تکلیف بھی ہوسکتی ہے؟''

''بات دراصل یہ ہے شاہد علی کہ میں اور ثمینہ اس وقت مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے۔'' اکبر نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''ہم کب تک اس طرح زندگی گزارتے رہیں گے..... ہمیں شہر جا کر دوسرے لوگوں کی طرح گھر بنانا چاہیے لیکن ثمینہ اس بات پر رضامند نہیں ہو رہی ہے۔'' اکبر نے کہا۔ ''تم نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے وہ بہت متاثر ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہمیشہ تمہاری خدمت کرتی رہے۔ ایک بہن کی طرح، تمہاری بہن کی طرح۔''

''ثمینہ کی فکر نہ کرو میرے دوست میں اسے سمجھا دوں گا۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

ہر چند کہ اکبر اور ثمینہ کو جدا کرنے کو میرا جی نہ چاہتا تھا لیکن میں اکبر کی خوشیوں کی راہ میں حائل بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میری دلی آرزو بھی یہی تھی کہ اکبر اور ثمینہ اپنا گھر بنائیں۔ خوش و خرم رہیں۔ اس لئے میں نے اسی وقت ثمینہ کو بلا کر سمجھایا کہ وہ مجھے ساتھ لے جانے پر اصرار نہ کرے ثمینہ تھوڑی دیر تک تو اس بات پر بضد رہی کہ میں بھی اس کے ہمراہ چلوں لیکن جب میں نے اسے حالات کی اونچ نیچ سمجھائی تو وہ خاموش ہوگئی۔

دوسرے دن اکبر ثمینہ کو لے کر رخصت ہوگیا۔ میں نے قلعے میں مقیم اجنہ کو ہدایت کی کہ وہ اکبر کو کسی محفوظ شہر تک پہنچا دیں۔ اکبر اور ثمینہ کے جانے کے بعد میری طبیعت اداس ہوگئی۔ قلعے کی ویرانی مجھے کاٹنے کو دوڑ رہی تھی۔ گزشتہ رات میرے ساتھ جو کچھ ہوا تھا۔ اس کی ہر ہر بات دوبارہ مجھے بے چین کر رہی تھی۔ سارا دن میں نے بے چینی میں گزارا۔ رات آئی تو میں نے ایک بار پھر روح الماس کو طلب کرنے کا عمل پڑھا۔ مگر مایوسی ہوئی ان پے در پے ناکامیوں نے مجھے نڈھال کر دیا۔ ادھر درشہوار کی غیر موجودگی بھی بے حد شاق گزر رہی تھی۔ مجھے اس سے بہت ساری باتیں معلوم کرنی تھیں۔ رشیدہ کے بارے میں بھی دریافت کرنا تھا۔ الماس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ آج پہنچنے والی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ رشیدہ اپنے باپ تک پہنچنے سے پہلے ایک اور حادثے سے دوچار ہو۔ جتنے دن گزر رہے تھے راشد حسین اور رشیدہ سے میری نفرت اور شدید ہوتی جا رہی تھی۔ میرا سینہ جل رہا تھا۔ میں رشیدہ کو کسی قیمت پر معاف کرنے پر تیار نہیں تھا۔ میں اسے اذیت ناک حالات اور حادثات سے دوچار کر کے اپنی بہن کی روح کو سکون پہنچانے کا خواہش مند تھا۔ معاً مجھے خیال ہوا کہ کیوں نہ میں مؤکل کو بلانے کا عمل پڑھوں اور مؤکلوں کے ذریعے رشیدہ کی سرکوبی کروں لیکن نجانے کیوں میں نے اس عمل سے گریز کیا۔ میں خائف تھا کہ کہیں اس عمل میں بھی مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ درشہوار سے مشورہ کرنے سے پہلے کوئی عمل مناسب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ درشہوار کی واپسی میں اتنی دیر لگے گی تو میں ثمینہ اور اکبر کو ایک دن کے لیے اور روک لیتا۔ قلعے کے اجنہ بھی اکبر کو پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ گئے تھے سارا قلعہ ویران تھا۔ وہاں صرف میں تھا۔

نصف رات تک میں انہیں کیفیتوں سے دوچار رہا پھر جب ذہن معطل ہونے لگا اور پلکیں نیند کی وجہ سے بوجھل ہونے لگیں تو میں اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ جلد ہی میری آنکھ لگ گئی اور اس وقت میں ہڑبڑا کر اُٹھا جب میں نے آہٹ محسوس کی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ میرے قریب ایک عورت کھڑی ہے۔ میں اندھیرے کی وجہ سے یہی سمجھا کہ وہ درشہوار ہے لیکن جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک اجنبی عورت ہے۔ میں ابھی اسے شناخت ہی کر رہا تھا کہ وہ کون ہے اور اتنی رات گئے اس ویرانے میں کیسے آ گئی ہے عورت جو قدیم ہندو لباس میں تھی اس نے بڑی عقیدت سے ہاتھ جوڑ کر مجھے پرنام کیا۔ پھر بڑی مترنم آواز میں مجھ سے بولی۔

''چلئے سرکار۔ وہ آپ کو بلاتی ہیں۔ یہ باندی اسی لئے آئی ہے۔''

''مگر تم کون ہو؟ اور مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''سرکار'' عورت ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''میں انہی باندیوں میں سے ایک ہوں جنہوں نے کل رات آپ کو راجکماری تک جانے سے روکا تھا۔ ہمیں اس وقت آپ کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ آپ کون ہیں۔ ہم نے آپ کو نہیں پہچانا تھا۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتی ہوں سرکار۔''

میں عورت کا جواب سن کر سمجھ گیا کہ وہ مجھے اسی راجکماری کے پاس لے جانے کی متمنی ہے جس کو دیکھنے کی تمنا کئی بار میرے دل نے کی تھی۔ میرا اشتیاق بڑھنے لگا۔ میں باندی کا پیغام پا کر اپنی پریشانیوں کو یکسر فراموش کر بیٹھا۔ مجھے یہ سن کر تعجب ہوا کہ راجکماری کو میرا مرتبہ معلوم ہو چکا ہے۔ باندی نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ اب اسے میرے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ وہ مجھے پہچان گئی ہے۔ میں نے اسے یونہی کریدنے کی غرض سے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میں تم سے ناراض نہیں لیکن تمہاری راجکماری کا بلاوہ مجھے منظور نہیں۔ کل انہوں نے مجھے واپس کیوں کرا دیا تھا؟''

''مجھ پر رحم کیجئے سرکار!'' باندی آبدیدہ ہو کر بولی۔ ''اگر آپ نے میرے ساتھ جانے سے انکار کیا اور میں مایوس ہو کر راجکماری کے پاس گئی تو وہ ہم سب باندیوں اور کنیزوں پر برہم ہوں گی۔ وہ بہت اداس ہوں گی۔ انہیں آپ کے آنے کی اطلاع آپ کے جانے کے بعد ہوئی تھی۔''

''لیکن تمہاری راجکماری کو کیا معلوم کہ میں کون ہوں؟'' میں نے باندی کی پریشانی سے محظوظ ہوتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

''یہاں شتابدیوں (صدیوں) سے کوئی نہیں آتا۔ آپ ہی آئے تھے اور ہم نے آپ کا حلیہ راجکماری کو بتایا تھا۔ تب ہی وہ آپ سے ملنے کی آرزومند ہیں اور انہوں مجھے بلانے کے لئے بھیجا ہے۔''

یہ عجیب دلچسپ بات تھی۔ یہ تو کوئی الف لیلوی داستان معلوم ہوتی تھی۔ میرا اشتیاق روحوں کے اسرار جاننے اور راجکماری کو دیکھنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ میں باندی کے ہمراہ ہو لیا آج نہ تو میں نے اپنے اوپر حصار کیا نہ ہی رفع شر کا وظیفہ دم کیا۔ جب میں اس گوشے کی طرف گیا تو مجھے سخت حیرت ہوئی۔ پہلے جہاں ویرانی اور اداسی تھی آج وہاں ہر سمت خوشیاں نظر آ رہی تھیں۔ ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں طے کرتا ہوا آگے بڑھا تو وہاں کا سماں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ راہداری میں آج بھی دربان، سپاہی، باندیاں اور کنیزوں کا اجتماع تھا لیکن آج نہ تو مجھے دیکھ کر ان کے چہروں پر ناگواری کے

اثرات ابھرے نہ وہ سراسیمگی کی کیفیتوں سے دوچار ہوئیں۔اس کے برعکس وہ باوقار اجتماع مجھے دیکھ کر بڑے ادب سے راہداری میں دورویہ کھڑا نظر آیا۔ایک طرف مرد تھے اور دوسری طرف کنیزیں اور باندیاں۔ان کے چہروں پر بے پناہ خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔ان کی نگاہوں میں میرے لئے عقیدت تھی۔انہوں نے اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے تھال اٹھا رکھے تھے،جب میں ان کے درمیان سے گزرا تو دونوں طرف سے میرے اوپر پھولوں کی بارش ہوگئی مجھے یہ سب عجیب سا لگ رہا تھا۔راجکماری کا کمرہ میرے سامنے تھا میں تجسس،فخر اور تمکنت سے آگے قدم بڑھاتا رہا۔جب میں دروازے کے قریب پہنچا تو ایک حسین کنیز نے آگے بڑھ کر پھولوں کا مہکتا ہوا ہار میرے گلے میں ڈالا اور مسکراتے ہوئے ادب سے بولی۔

''اندر وہی ہیں،سرکار۔وہ صدیوں سے آپ کی راہ تک رہی ہیں۔''

قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ مسکراتی ہوئی پیچھے کی سمت بھاگی۔میں نے پلٹ کر دیکھا تو راہداری سنسان پڑی تھی۔غالباً وہاں ان کی موجودگی اب ضروری نہ تھی۔میں نے گھوم کر دروازے کو آہستہ سے اندر کی جانب دھکیلا اور اندر قدم رکھا ہی تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں غلطی سے کسی کے حجلہ عروسی میں چلا گیا ہوں۔پورا کمرہ سجا ہوا تھا۔سامنے مسہری پر کوئی عورت عروسی لباس میں گھونگھٹ نکالے سمٹائی سمٹائی دلہن بنی بیٹھی تھی۔پورا ماحول بھینی بھینی مست کر دینے والی خوشبوؤں سے معطر ہو رہا تھا۔مجھے یہ سب کچھ خواب کی باتیں لگ رہی تھیں۔

چند لمحے میں دروازے کے قریب کھڑا پھولوں کی سیج پر بیٹھی سرخ گٹھری کو دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مسہری کے قریب جا کر رک گیا۔میں اپنے دل کی کیفیت بیان کرنے پر قادر نہیں۔وہ ایک طلسم تھا مگر خوبصورت،سرخ لباس میں سمٹی ہوئی دلہن میرے قریب جاتے ہی کچھ اور سمٹ گئی۔اس کا یہ انداز مجھے بہت دلکش لگا۔اس کے لباس سے پھوٹتی ہوئی تیز خوشبو میرے دل دماغ پر نشہ طاری کر رہی تھی۔اب میں اس کا چہرہ دیکھنے کے لئے مضطرب تھا۔میں نے کچھ توقف کے بعد اسے آہستہ سے مخاطب کیا۔

''میں آ گیا ہوں راجکماری۔تم نے مجھے بلایا تھا۔''

جواب میں راجکماری کا سر اور جھک گیا۔اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔میں ہمت کر کے آگے بڑھا اور راجکماری کے سامنے مسہری پر آہستہ سے بیٹھ گیا اور اسے مخاطب کر کے بولا۔

''راجکماری میں آ گیا ہوں۔میں یہاں موجود ہوں تمہارے سامنے۔''

''اس بار بھی راجکماری نے کوئی جواب نہیں دیا۔اس کے جواب نہ دینے پر مجھے حیرت ہوئی اور ہاتھ بڑھا کر اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔راجکماری کے حسن جہاں سوز کو دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔میں نے دنیا میں لاکھوں حسین چہرے دیکھے تھے لیکن جو حسن اور معصومیت راجکماری کے چہرے پر دیکھی' اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔اس کی مانگ میں بھری ہوئی افشاں اور چہرے پر پسینے کے جھلملاتے ہوئے قطروں نے مجھے گنگ سا کر دیا۔میں دیر تک اس کے چہرے کو دیکھتا رہا اور قادر مطلق کی صناعی کی داد دیتا رہا۔وہ کوئی معمولی چہرہ نہیں تھا' ایسا چہرہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔وہ تو کوئی حور تھی۔میں اس کے بے مثال حسن میں کھو کر رہ گیا۔میں بھول گیا کہ میں کون ہوں۔مجھے بس یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے راجکماری میری دلہن ہے۔ماحول نے میرے دل و دماغ پر جادو کر دیا تھا۔میں نے ہاتھ بڑھا کر راجکماری کی ٹھوڑی پکڑی اور اس کا چہرہ اوپر

کرتے ہوئے کہا۔

''آنکھیں کھولو جب تم نے خود مجھے بلایا ہے تو پھر شرم مانع کیوں ہے؟''

راجکماری کی گھنیری پلکوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔ وہ چھوئی موئی کی طرح اپنے وجود میں سمٹ جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرا اصرار شدید ہوا تو اس نے آنکھیں وا کر دیں۔ میرے خدا! وہ کس قدر حسین اور نشیلی آنکھیں تھیں۔ مجھے کہنے دیجئے میں ان آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ نہ جانے کتنے حسین لمحات خاموشی سے گزر گئے۔ میں مبہوت سا راجکماری کو تکتا رہا جیسے مجھ پر سکتہ ہو گیا تھا۔ پھر جب راجکماری کی مترنم آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو..... اس طلسم رنگیں کا سحر ٹوٹا۔

''یوں حیرت سے کیا دیکھ رہے ہو۔''

''قدرت کی صناعی پر محو حیرت ہوں۔'' میں نے دبی آواز میں جواب دیا۔

''یہ تم کہہ رہے ہو..... تم؟'' راجکماری کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔ وہ مجھے سوالیہ نگاہوں سے یوں گھور رہی تھی جیسے اسے میرے جواب سے دکھ پہنچا ہو۔ میں اس کی حیرت کا سبب نہ جان سکا۔ پہلو بدل کر بولا۔

''راجکماری کیا میری بات سے تمہیں کوئی صدمہ پہنچا ہے؟''

''تم، تم کتنے بدل گئے ہو۔'' راجکماری نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں بڑا درد تھا۔ وہ سوگوار لہجے میں بولی۔ ''میں تو آج تک وہی ہوں۔ صدیاں بیت گئیں۔ دنیا بدل گئی، لیکن میں وہی ہوں۔ مگر تم.....''

راجکماری کی گھنیری پلکوں پر آنسو کے قطرے ابھرے تو میں تڑپ اٹھا۔ بے اختیار اس کے حنائی ہاتھوں کو عالم وارفتگی میں تھام کر میں نے کہا۔

''تمہیں مجھ سے شکایت ہے راجکماری۔ آخر میرے کس اقدام نے تمہارے دل کو دکھ پہنچایا ہے، مجھے بتاؤ کہ میں کیسے بدل گیا ہوں۔ میں تو وہی ہوں جو تھا اور جو ہوں۔''

''تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہو۔'' راجکماری ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''بھگوان کی شاید یہی مرضی تھی۔ منش کا کیا دوش۔''

راجکماری اپنے ماضی میں تھی۔ ماضی جو بچھڑ گیا تھا جو بچھڑ جاتا ہے۔ اس کا اشارہ کس طرف تھا؟ یہ باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں البتہ میں اتنا ضرور سمجھ چکا تھا کہ راجکماری کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہے۔ بہر حال اس موقع پر مجھے راجکماری کی دل شکنی منظور نہ تھی۔ اس کے سوگوار چہرے نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔ میں نے ان لمحوں کو طول دینے کے لئے کہا۔

''میں..... راجکماری کیا تم مجھے پہلے سے جانتی ہو؟''

جواب میں راج کماری نے مجھے غمناک نظروں سے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ کچھ دیر تک وہ کسی مجسمے کی طرح خاموش مجھے اداس نظروں سے دیکھتی رہی پھر یکلخت جیسے اس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ وہ بے اختیار ہو کر مجھ سے لپٹ گئی اور رندھی ہوئی آواز میں بڑے کرب سے بولی۔

''پردیپ کیا تم بھول گئے۔ کیا تم اپنی داسی کو بالکل ہی بھول گئے۔ کیا تم کو اپنی شیلا یاد نہ رہی۔ تم نے تو وچن دیا تھا پردیپ کے ہم جنم جنم ساتھ رہیں گے۔ پھر تم میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کر رہے ہو۔''

میں اس کی باتوں سے سخت متعجب تھا۔ راجکماری شیلا مجھ سے لپٹی ہوئی سسک رہی تھی۔ اس کے لمس نے مجھے کچھ نئے جذبوں سے روشناس کرایا۔ اس کا جسم سرد تھا لیکن میں منتشر ہو گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاش یہ لمحے یونہی ساکت ہو جائیں اور میں تمام زندگی اسی طرح گزار دوں۔ راجکماری میرے پہلو میں بیٹھی رہے' مجھ پر نشہ طاری ہو گیا تھا میں نے راجکماری کی باتوں کے جواب میں بے اختیار اسے خود سے اور قریب کر لیا اور اس کے شانوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ میرے اس طرز عمل سے وہ اور مضطرب ہو گئی اور مجھ سے جدا ہو کر اس نے ڈبڈبائی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

''پردیپ کیا تمہیں کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ میں نے تو تمہیں تلاش کرنے کے لئے آتما کا روپ دھار لیا۔''

''راجکماری!'' میں نے اسے سمجھانا چاہا۔ ''میرے سلسلے میں تمہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری صورت تمہارے پردیپ سے ملتی جلتی ہو لیکن میں وہ نہیں۔ میرا نام شاہد علی ہے۔''

''نہیں' نہیں' نہیں'' راجکماری میرا جواب سن کر دیوانگی کی حالت میں بولی۔ ''تم پردیپ ہو۔ وہی پردیپ جس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنا کہا تھا۔ تمہیں یاد نہیں ہے۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ میری آتما نے تمہیں پہچانا ہے۔ تم وہی ہو۔ بالکل وہی۔''

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ راجکماری کی باتوں کا کیا جواب دوں۔ میں خاموش رہا تو راجکماری نے کہا۔

''بھگوان کے لئے پردیپ مجھے بتاؤ کہ تم اتنے دن کہاں رہے۔ تم اتنے کٹھور کیسے ہو گئے ہو۔ پہلے تو تم ایسے نہ تھے' اپنی شیلا کے کارن تو تم نے ایک بار اپنے پتا (باپ) سے راج پاٹ تک چھوڑ دینے کو کہا تھا۔ پھر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے۔''

راجکماری کی سسکیاں اور اس کی غزالی آنکھوں میں لرزتے ہوئے آنسوؤں کے شبنمی قطرے مجھے روحانی کرب سے دوچار کر رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خیال آیا کہ اس کی صحبت رنگیں کے لئے کیوں نہ میں پردیپ بن جاؤں لیکن میں اس کے لئے خود کو آمادہ نہ کر سکا۔ مجھے اپنی ہی تجویز پسند نہیں آئی۔ میرا ذہن عجیب الجھن میں گرفتار ہو کر رہ گیا تھا۔ قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا راجکماری نے ایک جذباتی حرکت کی۔ مسہری سے نیچے اتر کر اس نے میرے پاؤں تھام لئے اور مجسم التجا بن گئی۔

''پردیپ تمہاری داسی تمہارے چرن چھو کر بنتی کرتی ہے' اسے اپنے سے دور نہ کرو۔ نہیں تو میری آتما کو کبھی سکون نہیں ملے گا۔ میں ہمیشہ یونہی تڑپتی رہوں گی۔''

''راجکماری میں تمہارے جذبات محسوس کر رہا ہوں مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔''

''پردیپ!'' راجکماری نے درد بھرے لہجے میں مجھے مخاطب کیا اور بے ساختہ میرے مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ روتے روتے اس نے کہا۔

''تم نے اپنا حلیہ ضرور بدل لیا ہے۔ تم خود بھی بدل گئے ہو لیکن میں تمہیں ہر رنگ میں پہچان سکتی ہوں۔ پردیپ بھگوان کے لئے کچھ یاد کرنے

کی کوشش کرو۔ مجھے یوں پریشان نہ کرو۔ اگر یہ مذاق ہے تو اس مذاق کو ختم کر دو۔ اگر تم بدل گئے ہو تو میں تمہارے لئے ہر روپ اختیار کر سکتی ہوں۔"

راجکماری جس وارفتگی کے عالم میں مجھ سے ہم آغوش ہوئی تھی اس نے میرے جسم میں چنگاریاں سی بھر دی تھیں۔ میرا تنفس تیز ہو رہا تھا..... لیکن معاً مجھے احساس ہوا کہ ایک حسین عورت کے قرب نے مجھے میرے مقام سے گرا دیا ہے میں ایک عظیم گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں یہ میرے دل کے نہاں خانوں سے ایک گھٹی گھٹی مگر واضح آواز ابھری۔

"سنبھلو شاہد علی۔ تمہارا یہ مقام نہیں۔ اگر تمہارے قدم ڈگمگا گئے تو تمہاری عمر بھر کی عبادت اور ریاضت برباد ہو جائے گی۔ تم تاریکی کے جزو بن جاؤ گے۔ تاریکیاں جو پہلے ہی تمہارے تعاقب میں رواں ہیں۔"

مجھے اچانک ہوش آ گیا۔ میں نے راجکماری کو ایک جھٹکے سے علیحدہ کیا اور تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے شدید طور پر شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں بے نیازی سے بولا۔

"راجکماری۔ سنو میں تمہارا پردیپ نہیں۔ بلکہ شاہد علی ہوں جسے دنیا چھوٹے میاں صاحب کے نام سے جانتی ہے۔ تم نے مجھے بلایا تھا میں چلا آیا مگر اب میں جا رہا ہوں۔ تمہارے سکون کے لئے میں خدا سے ضرور دعا کروں گا۔"

راجکماری میرے اس اچانک طرز عمل پر ششدر رہ گئی۔ محبت کے بعد اچانک بے نیازی کے اس اظہار نے اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ چند ساعت تک وہ مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسہری سے اتر کر میرے قریب آنے لگی میں پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے میں ایک اور شخص ہوں۔ مجھے پہچاننے کی کوشش کرو اور مجھ سے دور رہو۔"

"تم کسی بھی صورت میں ہو۔ میرے پردیپ ہو۔ تم مجھے اپنے سینے میں چھپا لو۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں اب سمجھ رہی ہوں کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔" شیلا کے لہجے میں التجا تھی۔

"نہیں راجکماری۔ یہ گناہ ہے۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا تو راجکماری ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"نہیں، نہیں دیکھو، میری طرف دیکھو میں شیلا ہوں تم مجھے پہچاننے کی کوشش کرو۔ بھگوان کے لئے مجھ سے دور نہ رہو۔"

راجکماری مجھ سے التجا کرتی رہی۔ اس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ میری سمت بڑھی تو میں خوفزدہ ہو کر پلٹا اور واپسی کے راستوں پر دوڑنے لگا۔ میں نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ویران راہداری میں میرے قدموں کی بازگشت میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ میں دوڑتا رہا۔ دوڑتا رہا پھر اسی وقت رکا جب اپنے گوشے میں پہنچ گیا۔ میں نے خود کو کسی نہ کسی طرح بستر پر گرا دیا۔ راجکماری کو میں اپنے ذہن سے محو کر دینا چاہتا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کا خیال میرے دل و دماغ پر مسلط ہو گیا تھا یہ سب کیا تھا۔ یہ پردیپ کون تھا جس کی شکل مجھ سے اتنی ملتی تھی کہ راجکماری دھوکا کھا گئی۔ میرے وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس کی آنکھوں میں اداسیاں سمٹ آئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اداسیوں کا راج تھا۔ اس کی کشادہ باہیں مجھے حسرت بھری نظروں سے تک رہی تھیں۔ اس کے لہجے کا گداز ابھی تک میری سماعت پر طاری تھا۔ اس کا روح پرور جمال کئی محرومیوں کی داستان بنا ہوا تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کا جذبہ ابھرا اور میں

اس کے ساتھ اپنے طرزِ عمل پر غور کرنے لگا۔ مجھے یہ احساس شدت سے ستا رہا تھا کہ جیسے میری باتوں نے اس کے ستم زدہ دل پر کیا اثر کیا ہو؟ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی؟ مجھے اس کو نرمی اور محبت سے سمجھانا چاہئے تھا لیکن میں تو نامعلوم جذبوں کے ہاتھوں کھلونا بن گیا تھا۔ میرے خدا مجھے معاف کردے۔''

میں راج کماری کی آتما کے متعلق سوچوں میں غرق تھا کہ قدموں کی آہٹ سن کر چونکا۔ میں نے سہمی ہوئی نظروں سے آہٹ کی سمت دیکھا مجھے شبہ ہوا تھا کہ راجکماری میرا تعاقب کرتی ہوئی آئی ہوگی لیکن جب میں نے درشہوار کو پہچانا تو مجھے قرار آ گیا۔ درشہوار چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی میرے قریب آئی' میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خلاف معمول اس کے چہرے پر مغموم تاثرات محسوس کر کے مجھے خیال گزرا کہ کہیں دری میرے اور راجکماری کے راز سے واقف تو نہیں ہوگئی؟ ایک ثانیے کے لئے میں دم بخود رہ گیا پھر اس وسوسے پر قابو پا کر بولا۔

''دری۔ تم کہاں چلی گئی تھیں۔ مجھے بتائے بغیر؟''

''مجھے افسوس ہے کہ جاتے وقت میں آپ سے کچھ نہ کہہ سکی لیکن میں جانے پر مجبور تھی'' درشہوار کا لہجہ مغموم تھا۔ ''آپ اس وقت کسی عمل میں مصروف تھے جب مجھے جانا پڑا۔ میرا ارادہ جلد آنے کا تھا مگر میں نہ آسکی۔ باوا جان کی طبیعت ناساز ہے میں انہی کی مزاج پرسی کے لئے گئی تھی۔''

''ابوالحسن کی طبیعت ناساز ہے۔ کوئی زیادہ تشویش کی بات تو نہیں۔ مجھے سچ سچ بتا دو دری معاملہ کیا ہے۔''

''بس اللہ ہی اپنا رحم کرے۔'' درشہوار نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''خدا انہیں صحت دے۔ کاش میں وہاں ہوتا مگر.....'' درشہوار میری بات کاٹ کر بولی۔ ''آپ فکر مند نہ ہوں اب پہلے سے انہیں افاقہ ہے۔''

میں درشہوار کی دلجوئی کرتا رہا پھر میں نے اسے اکبر اور ثمینہ کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد میں نے ان مایوسیوں کا ذکر چھیڑا جنہوں نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ درشہوار سنجیدگی سے سب کچھ سنتی رہی۔ میں اس سے بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن ابوالحسن کی علالت کی خبر سن کر میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ویسے مجھے امید تھی کہ درشہوار از خود مجھے بتائے گی کہ مجھے اپنے وظیفے میں پے در پے ناکامیاں کیوں ہو رہی ہیں۔ میں نے سرسری طور پر اس سے اپنی الجھن کا تذکرہ کیا۔

''یہ سب وقتی پریشانیاں ہیں۔ خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''دری یقین کرو۔ میرے ذہن میں مختلف وسوسے اٹھ رہے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے اندر کا توانا شخص مر گیا ہے۔ میں کمزور ہو گیا ہوں۔ جیسے میں عنقریب کسی مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہوں۔'' میں نے اپنی بات واضح کی تو درشہوار نے جلدی سے بولی۔

''ایسا مت سوچئے۔ آپ کو خدا کی رحمتوں سے اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔''

''لیکن پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔'' درشہوار نے نرمی سے کہا۔ ''ذہن جب اس قدر منتشر ہو تو کسی طرف بھی ارتکاز مشکل ہو جاتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ کچھ دنوں تک مکمل آرام کیجئے۔ کسی عمل یا وظیفے کا ورد نہ کیجئے بس خدا سے لو لگائے رکھئے مجھے یقین ہے کہ بہت جلد آپ کو اطمینان قلب نصیب ہو گا۔''

''اطمینان قلب..... یہ اس وقت تک ناممکن ہے دری! جب تک رشیدہ' اس کے باپ اور اونکار ناتھ کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہ ہو جائے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے مجھے تمہاری شدید ضرورت ہے دری!''

''دری ہمیشہ آپ کے ساتھ ہے۔ میں آپ کے لئے ہمہ وقت موجود ہوں۔ البتہ باوا جان کی علالت نے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے۔ اگر مجھے آپ کی الجھنوں کا خیال نہ ہوتا تو میں باوا جان کو چھوڑ کر واپس نہ آتی۔''

درشہوار کی زبانی دوبارہ ابوالحسن کی علالت کا تذکرہ سن کر میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ اس وقت مجھے درشہوار کو پریشان نہیں کرنا چاہئے۔ میں نے کہا

''تم درست کہہ رہی ہو دری۔ تمہیں اس وقت ابوالحسن کے پاس ہونا چاہئے۔ انہیں واقعی تمہاری ضرورت ہو گی۔''

''باوا جان مجھ سے ناراض ہیں لیکن میرا فرض ہے کہ اس حالت میں ان کی خدمت کروں۔'' درشہوار مضمحل آواز میں بولی۔ وہ مجھے بے حد اداس نظر آ رہی تھی۔

میں نے اسے یہی مشورہ دیا کہ واپس ابوالحسن کے پاس جائے اور ان کی تیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔ درشہوار خاصی دیر میرے ساتھ ابوالحسن کی بیماری کی باتیں کرتی رہی پھر بولی۔

''میں کبھی نہ جاتی لیکن میرا وہاں جانا ضروری ہے۔ یہ میرا فرض بھی تو ہے لیکن جاتے جاتے آپ سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں۔''

''کہو دری کہو۔ میں تمہاری کسی بات کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہوں۔''

''مجھے یقین تھا کہ آپ ایسا ہی کریں گے۔'' درشہوار نے ایک پھیکی مسکراہٹ اپنے اداس چہرے پر بکھیرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھئے۔ آپ کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ جب تک میں واپس نہ آجاؤں آپ اس قلعے سے باہر نہیں جائیں گے۔ ہوسکتا ہے مجھے باوا جان کے پاس دو چار دن سے بھی زیادہ لگ جائیں۔''

درشہوار کی بات مجھے کچھ عجیب سی محسوس ہوئی۔ میں نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور پوچھنے لگا۔

''دری کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گی کہ مجھے قلعہ بند ہو کر بیٹھنے کا مشورہ کیوں دے رہی ہو؟''

''باوا جان کی بیماری نے مجھے پریشان کر دیا ہے' میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میری غیر موجودگی میں خدانخواستہ آپ بھی کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائیں۔ حالات نے مجھے کچھ بزدل بنا دیا ہے۔ نہ جانے کیوں میں سہم کر رہ گئی ہوں۔'' درشہوار نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

اس کی بات میری سمجھ میں نہ آسکی۔ تاہم جب اس نے پیہم اصرار کیا تو میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ جب تک وہ واپس نہیں آئے گی میں قلعے سے باہر نہیں جاؤں گا اور ایسی حالت میں جبکہ وہ ابوالحسن کی بیماری کے باعث پہلے ہی پریشان تھی میں اس کے مشورے پر بحث کر کے یا اس کی بات رد کر کے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ غرضیکہ درشہوار مجھ سے وعدہ لے کر مطمئن ہوگئی اور کچھ دیر بعد رخصت ہوگئی۔ میں اس کے جانے کے بعد دوبارہ اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ ذہن تھکا ہوا تھا۔ اس لئے جلد ہی مجھے نیند آگئی۔

درشہوار کے جانے کے بعد دو روز تک کوئی ایسا قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا جسے لکھا جائے۔

تیسرے روز عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ مجھے گھٹن اور حبس سا محسوس ہو رہا تھا۔ ابھی مجھے ٹہلتے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ باہر سے کسی عورت کے رونے اور کراہنے کی آواز آئی اور قلعے کے شکستہ در و بام میں ارتعاش سا ہوا۔ دوسری بار جب وہی آواز پھر ابھری تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی عورت شدید کرب کی حالت میں مبتلا ہے۔ اتنی رات گئے وہاں کسی عورت کی آواز سن کر مجھے تعجب ہوا۔ نہ جانے وہ غریب کس مصیبت سے دوچار تھی۔ میرے قدم تیزی سے قلعے کے بیرونی دروازے کی سمت اٹھ گئے لیکن میں دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ مجھے درشہوار سے کیا ہوا وعدہ یاد آگیا۔ میں واپسی کے ارادے سے پلٹا ہی تھا کہ پھر وہی نسوانی آواز ابھری۔ اس بار وہ کراہنے کے بجائے بڑی اذیت ناک آواز میں حلق پھاڑ کر چلائی تھی۔ پھر اس کی آواز یکلخت گھٹ سی گئی جیسے کسی نے اس کا منہ بند کر دیا ہو۔ میں صبر نہ کر سکا اور بے اختیار قلعے سے باہر آگیا۔ میرے ضمیر کی آواز نے درشہوار سے کئے ہوئے وعدے پر سبقت پالی تھی۔ میں نے یہی سوچا کہ کسی مظلوم عورت کو دیدہ دانستہ نا گفتہ بہ حالات کے سپرد کر دینا اور اس کی مدد نہ کرنا بھی ایک عظیم گناہ ہے۔

قلعے سے باہر نکل کر میں تاریکی میں جانے پہچانے راستے پر دوڑتا ہوا اس سمت گیا جہاں سے عورت کی آواز سنائی دی تھی لیکن وہاں مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے ایک دو بار اونچی آواز میں ''کون ہے'' کی صدا بھی بلند کی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ غالباً عورت پر ظلم کرنے والے نے میرے

بھاگتے ہوئے قدموں کی آہٹ پا کر کسی ٹیلے' کھنڈر یا درخت کی آڑ لے لی تھی۔ مجھے ہول آنے لگا۔ میں ہر قیمت پر اس مظلوم عورت کو نادیدہ شیطان کے چنگل سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک بار پھر اونچی آواز میں کہا۔ ''یہاں جو کوئی موجود ہے سامنے آجائے۔''

ایک لمحے تک قریب و جوار میں مکمل سکوت رہا پھر وہی نسوانی آواز قدرے دور دریا کی سمت سے ابھری اور فوراً گھٹ کر رہ گئی.....شاید کوئی ظالم اس عورت کو مشق ستم بنانے کے درپے تھا۔ میں تیزی سے آواز کی سمت دوڑنے لگا۔ دریا کے قریب درختوں کی بہتات تھی اور مجھے یقین تھا کہ عورت' انہیں میں کسی درخت کی آڑ میں ظلم کا شکار ہو رہی ہے۔ میں نے کچھ سوچ کر پھر سخت آواز میں کہا۔

''نابکار میں تجھے دیکھ چکا ہوں۔ اب چھپنا بے سود ہے سامنے آجا.....''

میں اپنا جملہ مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ اچانک ایک عورت درخت کی آڑ سے ''بچاؤ بچاؤ'' چلاتی ہوئی اور تیزی سے بھاگتی ہوئی میری طرف آئی اور بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ قبل اس کے کہ میں اس عورت سے کچھ دریافت کرتا درختوں کے عقب سے ایک انسانی سایہ ابھر کر تیزی سے میری طرف آیا۔ وہ ایک لمبے قد کا شخص تھا' جسم گٹھا ہوا تھا چہرے پر کرختگی کے تاثرات موجود تھے۔ قریب آتے ہی وہ مجھ سے انتہائی بے ہودہ انداز میں بولا۔

''تم کون ہوتے ہو ہمارے ذاتی معاملات میں دخل دینے والے؟''

''بدبخت عورت پر ہاتھ اٹھاتے تجھے شرم نہیں آتی۔ تو کیسا مرد ہے۔'' میں نے طیش کی حالت میں جواب دیا اور عورت کو اپنے پیچھے کر لیا۔

''اپنا راستہ ناپو بڑے میاں!'' نووارد نے میری داڑھی کی وجہ سے اندھیرے میں میری عمر کا غلط اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''کیوں خواہ مخواہ میرے ہاتھوں اپنی مٹی پلید کرانا چاہتے ہو۔''

''زبان دراز' لفنگے' ٹھہر جا۔ میں ابھی تجھے بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔'' میں غصے سے کانپتا ہوا آگے بڑھا تو نووارد میرے مقابلے پر آنے کے بجائے دو قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

''کہیں آپ شاہد علی تو نہیں جو چھوٹے میاں صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ اگر آپ وہی ہیں تو پھر میں آپ کے ساتھ کوئی نازیبا سلوک نہیں کر سکتا۔''

مجھے نووارد کی زبان سے اپنا نام سن کر تعجب ہوا۔ میں نے بدستور کرخت لہجے میں کہا

''مردود تجھے میرا نام کس طرح معلوم ہوا؟''

''تو کیا آپ ہی میاں صاحب ہیں؟'' نووارد کے لہجے میں عقیدت تھی۔

''ہاں لیکن تو کون ہے اور اس عورت کو کیوں پریشان کر رہا ہے۔''

اچانک نووارد نے قہقہہ بلند کیا پھر سنجیدگی اختیار کر کے کہا۔ ''بڑی مچھلی کو پھانسنے کے لئے اکثر چھوٹی مچھلی کو کانٹے میں لگانا پڑتا ہے۔ ہمیں تیری ہی تلاش تھی۔''

پھر اس سے پیشتر کہ میں کوئی جواب دیتا نووارد نے ایک سیٹی کی سی آواز حلق سے نکالی اور اچانک چھ سات آدمی درختوں کی آڑ سے نکل کر

میرے سامنے آ گئے۔ میرے لئے یہ سمجھ لینا دشوار نہ تھا کہ عورت کو مجھے پھانسنے کے لئے بطور چارہ استعمال کیا گیا تھا۔ میں اس وقت ساتھ آٹھ آدمیوں کے نرغے میں گھرا کھڑا تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتا لیکن میں نے ہزاروں دلوں پر حکومت کر رکھی تھی' ہزار ہا عقیدت مند میرے آگے پیچھے ہاتھ باندھے پھرا کرتے تھے اور میری ایک نظر التفات کے متمنی رہتے تھے چنانچہ میں نے بلا کسی خوف وخطر کے ڈپٹ کر کہا۔

''مجھ سے دور رہنا' کسی گھمنڈ میں مت رہنا' سمجھ لو میں تنہا تم سب پر بھاری ہوں۔''

''پکڑ لو اسے۔''

میرے بائیں جانب کھڑے ہوئے شخص نے کرخت آواز میں کہا۔ دوسرے ہی لمحے تمام افراد مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن بے سود۔ سات ہٹے کٹے آدمیوں نے مجھے پہلے ہی بے بس کر دیا تھا اور پھر۔ پھر میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن اس بے ہوشی سے چھٹکارا نہ پا سکا جو میرے ذہن پر تیزی سے غالب ہو رہی تھی۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ اس بے ہوشی کی وجہ وہ رومال تھا جو میری ناک پر رکھا گیا تھا اور اس میں سے پھوٹنے والی تیز مہک نے مجھ پر غنودگی طاری کر دی تھی۔

❁.....❁.....❁

میرا خیال ہے میری بے ہوشی کی کیفیت خاصی طویل رہی۔ جب میرے ذہن پر طاری دھند چھٹی اور غنودگی کی کیفیت بتدریج زائل ہوئی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی سخت فرش پر بے سدھ پڑا ہوں۔ میری آنکھیں بند تھیں لیکن ذہن آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا۔ میرے کانوں میں مدھم مدھم آوازیں آ رہی تھیں پھر رفتہ رفتہ یہ آوازیں صاف ہونے لگیں۔

''اس کی چنتا مت کرو ماتھر جی میں نے ہر چیز کا بندوبست پہلے ہی کر دیا۔'' یہ اونکار ناتھ کی آواز تھی۔

مجھے اپنے دماغ میں سنسناہٹ پیدا ہوتی محسوس ہوئی میرے خون کی گردش تیز ہونے لگی لیکن یہ وقت طیش وجلال کے بجائے صبر وضبط کا تھا۔ مجھے گزری ہوئی باتیں یاد آنے لگیں۔ ساری باتیں اب سامنے تھیں میں سمجھ گیا کہ اونکار ناتھ نے مجھے ماتھر کے آدمیوں کے ذریعے دھوکے سے پکڑوایا ہے۔ یقیناً وہ سب کچھ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا تھا۔ عورت کی آواز مجھے قلعے سے باہر نکالنے کی خاطر تھی شاید اسی لئے درشہوار' ابوالحسن کو بیماری کی حالت میں چھوڑ کر محض مجھ سے یہ وعدہ لینے آئی تھی کہ میں اس کی واپسی تک قلعے کی حدود سے قدم باہر نہ نکالوں گا۔ تو کیا درشہوار کو اس پیش آنے والے خطرے کا علم پہلے سے تھا؟ میں اگر درشہوار کی پس پردہ مصلحت جانتا ہوتا تو اس مصیبت سے کبھی دوچار نہ ہوتا۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ماتھر کی آواز آئی۔

''مہاراج مجھے صرف اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس کی گرفتاری کا علم ہو گیا تو شہر میں بلوا ہو جائے گا۔ فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھ جائے گی۔ صورت حال سنگین نوعیت اختیار کر سکتی ہے۔''

''تم اونکار ناتھ کو نہیں سمجھے ماتھر جی۔'' اونکار ناتھ کے لہجے میں بڑا اعتماد تھا۔ ''میں ایک پجاری پنڈت ہونے کے علاوہ بھی اور کچھ ہوں۔ میں نے سادہ لباس والوں کو پہلے ہی ہدایت کر دی تھی کہ اس رنگے سیار کو بکتر بند گاڑی میں لایا جائے اور ایسا ہی ہوا تم بالکل مت پریشان ہو

ماتھر جی' میرے ہوتے ہوئے تمہارے اوپر کوئی پریشانی نہیں آئے گی۔ مجھ پر بھروسا کرو۔''

''مہاراج! میرا کہا مانو تو اسے بیدار ہونے سے پیشتر ہی ختم کردو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شیطان جاگنے کے بعد کوئی نیا فتنہ کھڑا کردے۔''

اس بار ماتھر کے بجائے بیرسٹر راشد حسین کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''بے وقوف کیسی باتیں کررہا ہے۔'' اونکار ناتھ نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ ''تو ابھی تک نہیں سمجھا کہ تو کس کی پناہ میں ہے۔ میرا نام اونکار ناتھ ہے۔ مت بھول کہ تو ابھی زندہ ہے۔ میں نے اپنے بیروں کے ذریعے اسے مجبور و بے بس کردیا ہے پر تو ایک بات کا سختی سے دھیان رکھنا تیری بیٹی ثمینہ کو یہ نہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی ہمارے جال میں پھنس چکا ہے۔''

''اسے اتنا ہوش کہاں ہے مہاراج۔'' راشد حسین بھرائی ہوئی آواز مگر غصے سے بولا۔ ''وہ تو اس مردود اکبر کے غم میں رو رو کر پاگل ہوئی جارہی ہے۔ خدا جانے اس کمبخت نے میری معصوم بچی پر کیا جادو کردیا ہے کہ وہ ہر وقت بس اس کا اور اپنے قلاش شوہر کا کلمہ پڑھتی ہے۔''

''گھبراؤ نہیں راشد حسین سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اکبر کی موت کے بعد پریم کی اگنی زیادہ دنوں نہیں جل سکتی۔''

میرا ذہن ماؤف ہورہا تھا اکبر اور ثمینہ کی بابت یہ جان کر کہ وہ بھی میری طرح مصیبت کا شکار ہیں' میرے رگ و پے میں بجلیاں کوند گئیں۔ میں اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں رکھتا تھا' میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہورہا تھا' میں نے سوچا کہ خواہ حالات کتنے ہی خطرناک کیوں نہ ثابت ہوں مجھے اب ہوش میں آکر کوئی عملی قدم اٹھانا چاہئے۔ ٹھیک اسی وقت ایس پی ماتھر کہہ رہا تھا۔

''مہاراج میں نے آپ کی آگیا سے ابھی تک اکبر حسین کو اپنی خفیہ قید میں رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا پتا معلوم کرنے کے لئے مجھے اس پر سختیاں بھی کرنی پڑی ہیں لیکن یہ سب غیر قانونی ہے مہاراج۔ اگر بڑے افسروں کو اس کی خبر مل گئی تو۔''

''ان باتوں کی چنتا مت کرو ماتھر جی' میں نے جیسا وچار کیا ہے ویسا ہی ہوگا میری شکتی کے بیر اس پاپی کو پکل کر نرک (دوزخ) میں جھونک دیں گے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ ہاں' جب تک سارے کام پورے نہ ہوجائیں ثمینہ کو کڑی نگرانی میں رکھنا ہوگا۔''

اکبر کے سلسلے میں اونکار ناتھ کے ناپاک ارادے کا علم ہوجانے کے بعد صبر کا دامن میرے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت میں اونکار ناتھ' ایس پی ماتھر اور بیرسٹر راشد حسین کے درمیان فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ غصے کے مارے میرا برا حال ہورہا تھا۔ میں تمام احتیاطی تدابیر فراموش کرکے طیش کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا سب سے پہلے ایس پی ماتھر کی نگاہ مجھ پر پڑی وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ یہی کیفیت بیرسٹر راشد حسین کی بھی ہوئی لیکن اونکار ناتھ بدستور میرے روبرو سینہ تانے کھڑا تھا۔ اس کی خوف ناک اور سرخ سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ مجھے اٹھتا دیکھ کر اس کے چہرے پر نفرت کے تاثرات پیدا ہوچکے تھے۔ میں نے ماحول کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اونکار ناتھ کے چہرے پر بڑی حقارت سے ایک نگاہ ڈالی اور کہا۔

''اونکار ناتھ تم سے کچھ نہ ہوسکا تو تم نے یہ گھٹیا حرکت کی۔ میں سمجھتا ہوں تم اس میں کامیاب ضرور ہوگئے مگر تمہیں شرم ضرور آرہی ہوگی۔ اگر تمہارے اندر ذرا بھی غیرت ہوتی تو خود میرے سامنے آتے۔''

''سچ کہا تم نے شاہد میاں۔'' اونکار ناتھ زہر خند سے بولا۔ ''مجھ سے بڑی بھول ہوئی جو میں یہ سمجھ بیٹھا کہ آپ جیسا مہان بزرگ ایک عورت کے چکر میں آجائے گا۔''

''تم بہت اوچھی باتیں کر رہے ہو جو تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ تم ایک عالم بھی ہو' یہ بات میں تمہیں یاد دلاتا ہوں۔'' میں نے بدستور غصیلی آواز میں کہا۔ ''رہا مقابلے کا سوال تو میں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں جب جی میں آئے خود کو آزما کر دیکھ لو۔''

''کہاں مہاراج۔'' اونکار ناتھ نے سہما ہوا لہجہ بنا کر جواب دیا۔ ''اب میں اتنا مورکھ بھی نہیں جو آپ جیسی بلند ہستی سے مقابلہ کر کے اپنا کریا کرم کراؤں گا۔ میں تو آپ کا چیلا ہوں مہاراج اگر مجھ سے کوئی بھول ہوئی ہو تو مجھے شما کر دیجئے۔''

یہ محسوس کر کے ایک نابکار پنڈت میری بے بسی کا مذاق اڑا رہا ہے اور سفلے پن پر اتر آیا ہے' میں بری طرح تلملا اٹھا اور گرجدار آواز میں بولا۔

''پنڈت اپنے دماغ سے یہ بات نکال دو کہ تم اپنے اس کھیل میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ تم کتنے دنوں چارپائی پر پڑے رہے ہو۔ کیا تم یہ بھی بھول گئے کہ میرے موکلوں نے تمہاری زندگی حرام کر دی تھی۔ تم خود کو سمجھو اونکار ناتھ خود کو پہچانو اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

''شاہد علی!'' اونکار ناتھ کے بجائے ایس پی ماتھر نے غراتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارا بہت لحاظ کر رہا ہوں لیکن اب اگر تم نے مہاراج کی شان میں کچھ کہا تو۔''

''تم درمیان میں مت بولو ماتھر جی۔'' اونکار ناتھ نے ہاتھ اٹھا کر ماتھر کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا پھر بگڑتے ہوئے تیور سے مجھے گھورتا ہوا بولا۔ ''مسلے! تو نے میرا اپمان کیا ہے۔ میرا مذاق اڑایا ہے۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں میں تجھے ہاتھ باندھ کر معافی مانگنے پر مجبور نہ کر دوں تو میرا نام اونکار ناتھ نہیں۔''

''میں اور تجھ جیسے بے دین کے آگے ہاتھ باندھوں گا۔ حد سے مت گزر۔'' میں نے تڑخ کر کہا۔ ''میں بت فروش نہیں' بت شکن ہوں پنڈت' میرے ساتھ میری پوری تاریخ ہے۔''

''میں تمہیں گولی مار دوں گا۔'' ایس پی ماتھر نے گرج کر کہا لیکن وہ ابھی تک مجھ سے دور دور ہی تھا مجھے اس کے چہرے پر غصے اور بوکھلاہٹ کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ میں نے ماتھر سے کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن اونکار ناتھ بول پڑا۔

''تو شاہد علی اگر تمہیں اپنا جیون پیارا ہے تو جو کچھ میں کہتا ہوں اسے غور سے سنو۔ تم میرے اور میرے منتروں کے چرن چھو کر شما کی بھکشا مانگو۔ تمہاری مکتی کا کیول یہی ایک طریقہ ہے۔ پرنتو اگر تم نے اکڑفوں سے کام لیا تو پھر تمہیں سارا جیون پچھتانا پڑے گا۔''

''کمینے تیری یہ مجال۔'' میں آپے سے باہر ہو کر اونکار ناتھ کی طرف جھپٹا' میرا ارادہ تھا کہ آج اس نابکار پنڈت کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ہی دم لوں گا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کچھ غیر مرئی قوتوں نے مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہو۔ میں اس اچانک افتاد سے بوکھلا گیا۔ میں نے خود کو ان شیطانی قوتوں سے آزاد کرانے کی خاطر بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن میری ایک نہ چلی۔ میں نے جلدی سے دو چار آزمودہ وظائف کا سہارا بھی لیا مگر وہ بھی بے سود ثابت ہوئے۔ میں جن غیر مرئی قوتوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا انہوں نے مجھے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔

مجھے اپنا سانس اپنے سینے میں گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔اس وقت مجھے اپنے مرتبے کا خیال آیا اور ایک مردود شخص کے مقابلے میں اپنی ناکامی کا احساس ہوا تو میری آنکھیں بھر آئیں۔ایس پی ماتھر اور بیرسٹر راشد حسین مجھے اونکار ناتھ پر جھپٹتا دیکھ کر پہلے تو چونکے تھے لیکن اب میری مضحکہ خیز کیفیتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔اونکار ناتھ جس کا داؤ میرے اوپر چل چکا تھا بڑی تضحیک آمیز سنجیدگی سے مجھے مخاطب کر کے بولا۔

''کیا ہوا میاں صاحب جی آپ رک گئے مگر کیوں؟ کیا آپ کو میرے اوپر دیا آ گئی؟''

میں نے ایک بار پھر اپنی تمام قوتوں کو جمع کر کے خود کو آزاد کرانا چاہا مگر محض تڑپ کر رہ گیا' بولنے کی کوشش کی تو مجھے محسوس ہوا جیسے میری قوت گویائی بھی سلب ہو کر رہ گئی ہے۔اونکار ناتھ نے کہا۔

''کچھ تو بولئے میاں صاحب ایسی بھی کیا ناراضگی۔''

میں ہونٹ کاٹ کر رہ گیا کچھ کرنے یا کہنے کا یارا کہاں تھا' میں بے بس کھڑا سنتا رہا۔اونکار ناتھ بڑی دیر تک میری بے بسی پر قہقہے لگاتا رہا پھر اس نے ماتھر کو مخاطب کر کے کہا۔''ماتھر جی تم نے دیکھا کہ کیا کیا ہو گیا۔اب میں نے اسے کیسا کاٹھ کا الو بنا دیا ہے۔اب یہ بالکل لاچار ہے' بنا میری آگیا کے' ایک حرکت بھی نہیں کر سکتا۔''

''مہاراج!'' راشد حسین نے مجھے نفرت سے گھورتے ہوئے اونکار ناتھ سے کہا۔''کیا آپ ثمینہ کی دیوانگی کا کوئی علاج نہیں کر سکتے۔اگر اس کی یہی کیفیت رہی تو وہ مر جائے گی مہاراج۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا راشد حسین! پرنتو پہلے مجھے اس میاں جی کا بندوبست کر لینے دو۔''اونکار ناتھ نے کہا پھر وہ دوبارہ ایس پی ماتھر سے مخاطب ہوا۔''اب یہ تمہارا شکار ہے۔اسے حوالات بھیج دو' اس پر زنا کاری کا الزام ثابت کرنے کے لئے وہ عورت بڑے کام کی ثابت ہو گی جس نے اسے پکڑنے میں حصہ لیا تھا۔''

''جو حکم مہاراج۔'' ماتھر نے رک رک کر جملہ پورا کیا۔اونکار ناتھ سے وہ بہت زیادہ مرعوب نظر آتا تھا۔

میں سب کچھ دیکھ رہا تھا' سن رہا تھا' سمجھ رہا تھا' محسوس کر رہا تھا لیکن میرے اندر کی تمام متحرک قوتوں کو جیسے زنگ لگا گیا تھا۔میں کوئی جوابی کاروائی کرنے سے لاچار تھا۔ماتھر' اونکار کا اشارہ پا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔چند لمحوں بعد واپس ہوا تو اس کے ساتھ چار سادہ لباس والے بھی تھے۔ماتھر ایک شخص کو جو سب سے آگے تھا اور جس کی نگاہوں سے کینہ توزی جھلک رہی تھی' مخاطب کر کے بولا۔''شرما جی تم اسے اپنی نگرانی میں لے جا کر حوالات میں بند کرا دو۔عورت کا بیان اور ڈاکٹری معائنے کی رپورٹ صبح تک تیار کرا لی جائے گی۔''

''بہتر ہے سر۔'' شرما نے مجھے گھورتے ہوئی جواب دیا۔''تھانے کے انچارج کو سختی سے ہدایت کر دینا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں کسی شخص کو اس سے نہ ملنے دیا جائے اور اسے علیحدہ حوالات میں رکھا جائے۔دوسری بات یہ کہ تم اسے حوالات تک لے جانے کے لئے قیدیوں والی پولیس وین استعمال کرو گے۔اپنے ساتھ اگر چار ہو تو دو چار اور مسلح سپاہیوں کو لے لو مگر یہ سارا کام بڑی رازداری سے ہونا چاہئے۔جب تک کاغذات تیار نہ ہو جائیں کسی کو اس کی بھنک بھی نہیں ملنی چاہئے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں سر۔'' شرما نے سنجیدگی سے کہا۔

شرما کے اشارے پر اس کے بقیہ تین ساتھیوں نے آگے بڑھ کر مجھے گھیر لیا پھر ایک سادہ لباس والے نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ میں اف بھی نہ کر سکا۔ اونکار ناتھ بدستور سینہ تانے کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب سادہ لباس والے مجھے لے جانے لگے تو اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''شاہد علی! کیا اب تمہیں اندازہ ہوا کہ تم نے میرے بارے میں کتنے غلط اندازے قائم کئے تھے؟ تم نے بڑی حماقت کی۔''

میں نے جواب دینا چاہا لیکن الفاظ جیسے میرے حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ میرے اوپر اب تک کچھ غیر مرئی شیطانی قوتوں کا تسلط تھا۔ میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی مفقود ہو چکی تھیں۔ میں خاموشی سے سادہ لباس والوں کے ساتھ باہر نکلا اور راہداری سے گزرتا ہوا باہر آ گیا جہاں پولیس کے بہت سارے مسلح جوان موجود تھے۔ ماتھر کے دروازے سے قیدیوں والی گاڑی تک لے جانے کے لئے میرے جسم کے اوپری حصے پر ایک سیاہ کپڑا ڈال دیا گیا تا کہ باہر کا کوئی شخص میری ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکے۔ اس کے بعد مجھے پولیس وین میں پچھلی سمت بٹھا کر باہر سے دروازہ مقفل کر دیا گیا۔ چند لمحوں بعد وین حرکت میں آ گئی میں اب حوالات کی سمت جا رہا تھا۔ سیاہ کپڑے کی وجہ سے مجھے شدید گھٹن ہو رہی تھی۔ میں باہر کی کسی چیز کو دیکھنے سے قاصر تھا' مجھے ان راستوں کا بھی علم نہ ہو سکا جن پر وین چلی رہی تھی۔

تھانے پہنچ کر مجھے ایس پی ماتھر کی ہدایت کے مطابق ایک علیحدہ حوالات میں بند کر دیا گیا اور ایک سنگین بردار سپاہی کو دروازے پر تعینات کر دیا گیا۔ شرما نے جاتے وقت تھانے کے ڈیوٹی آفیسر کو بڑی سختی سے ہدایت کی تھی کہ اس حوالات کی طرف کسی سپاہی کو بھی جانے کی اجازت نہ دی جائے۔

رات گئے تک میں جاگتا رہا حوالات کی سخت زمین پر بیٹھے بیٹھے میری کمر دکھنے لگی تھی اس لئے میں تھک کر فرش پر لیٹ گیا۔ گہری تاریکی کے سبب مجھے الجھن ہونے لگی تو میں نے آنکھیں بند کر لیں پھر کب میری آنکھ لگی مجھے کچھ پتا نہ چل سکا' دوسری بار میری آنکھ اس وقت کھلی جب کوئی میرا بازو تھامے مجھے آہستہ آہستہ ہلا رہا تھا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو دم بخود رہ گیا مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حوالات میں میرے قریب اس وقت وہی راجکماری شیلا سوگوار بیٹھی تھی جسے میں نے قلعے کے ویران گوشے میں دیکھا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے راجکماری کو دیکھ رہا تھا کہ اس کے یاقوتی لبوں کو جنبش ہوئی اور اس کی مترنم مگر مغموم آواز میرے کانوں میں گونج اٹھی۔

''پردیپ' صرف تمہارے کارن آج صدیوں بعد میں قلعے کے ویران گوشے سے نکل کر یہاں تک آئی ہوں۔ تمہارے اوپر جو بپتا پڑی ہے اس کی خبر سن کر میں بیاکل ہو گئی۔ میں تمہاری سہائتا کرنے یہاں آئی ہوں پردیپ۔''

شیلا کے لہجے میں پیار کی کسک موجود تھی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کے سینکڑوں دیپ روشن نظر آ رہے تھے۔ اس کا ہوش ربا جمال قید خانے میں بھی میرے دل کو گرما رہا تھا لیکن میں بولنے سے قاصر تھا۔

''تم چپ کیوں ہو پردیپ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ تم نے دوسرا جنم لیا ہے اور پہلے جنم کی تمام باتیں اور اپنی شیلا کو بھی بھول گئے ہو؟''

میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ میں راجکماری کی دل شکنی نہیں چاہتا تھا میری نظریں اس کے معصوم چہرے پر جمی رہیں' شیلا نے مجھ سے جواب نہ پا کر ایک سرد آہ بھری اور کہا۔

''میرے بھاگ میں یہی لکھا تھا پردیپ' میں اب نراش ہو چکی ہوں۔ میری آتما کتنی بے چین رہی ہے تم کیا جانو' تم نہیں جان سکتے پردیپ تم نے تو سب کچھ بھلا دیا سب کچھ۔''

چند ثانیے تک حوالات میں سناٹا طاری رہا پھر شیلا بولی۔

''پردیپ اب تمہیں دوش دینے سے کیا حاصل بھگوان نے یہ ستم کیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کروں' تم اب بھی میرے لئے پردیپ ہو' یہ بھاگ کا پھیر ہے۔ پر میں ابھی تک تمہیں اپنا دیوتا بنائے تمہاری پوجا کر رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں سے نکلتے ہی پھر مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش کرو گے لیکن تم میرے ہو۔ میں اور انتظار کروں گی' بتاؤ اپنی داسی سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو۔''

شیلا اتنا کہہ کر رونے لگی تو میں بھی رونے لگا۔ اس کی پلکوں کی اوٹ سے ابھرنے والے آنسو جو اس کے گالوں سے ڈھلک ڈھلک کر اس کے دامن میں جذب ہو رہے تھے' میری بے بسی کے لئے تازیانہ ثابت ہو رہے تھے اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس وقت ہر احتیاط سے منہ موڑ کر شیلا کی زلفوں میں خود کو چھپا لیتا۔ اس کے آنسوؤں کو یوں نہ بہنے دیتا اپنا مافی الضمیر سمجھانے کی خاطر میں نے گردن کو نفی میں جنبش دینی شروع کر دی۔ میں اشارے سے اسے یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ گریہ بند کر دے اور اپنے آنسوؤں کو خشک کر لے مگر اس نے میرے اشارے کا کچھ اور مطلب نکالا اور تڑپ کر بولی۔

''تم مجھ سے کچھ بھی نہیں کہہ رہے' مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے' میں جا رہی ہوں پردیپ' تم خوش رہو' میں اب جا رہی ہوں شاید میری صورت دیکھ کر تمہیں دکھ ہوتا ہے۔ میں اب بھی تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ مجھے وشواش ہے کبھی نہ کبھی تمہیں میرا خیال ضرور آئے گا۔ تمہیں سب یاد آ جائے گا۔''

اور پھر قبل اس کے کہ میں شیلا کو اپنا مقصد سمجھانے کے لئے کوئی دوسرا اشارہ کرتا وہ بڑی تیزی سے تاریکیوں میں گم ہو گئی۔ میرے دل سے ہوک اٹھ کر لبوں تک آ گئی۔ میں نے اپنا سر زمین پر مارنا شروع کر دیا۔

عجیب بات ہے کہ اس قید و بند میں بھی تمام رات میں شیلا کے سلسلے میں منصوبے بناتا اور توڑتا رہا۔ رات اسی طرح گزر گئی جب صبح ہوئی تو گردش حالات نے ایک بار پھر مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ حوالات میں سب سے پہلے شرما داخل ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید نفرت کے تاثرات اجاگر تھے۔ کچھ دیر تک وہ مجھے حاکمانہ نظروں سے گھورتا رہا پھر سرد لہجے میں بولا۔

''شاہد علی دو گھنٹے بعد تمہیں مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا جائے گا' تمہارے اوپر ایک ہندو لڑکی کلپنا کی آبروریزی کا الزام ہے۔ تم اسے رات گئے شہر سے اغوا کر کے لے گئے تھے۔ بعد میں تم نے اسے اپنی ہوسناکیوں کا نشانہ بنایا۔ کلپنا کا بیان اور ڈاکٹری رپورٹ تمہیں پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کے لئے تو کافی نہیں ہے لیکن اس سمے میں تم سے ایک خاص بات کہنے آیا ہوں۔ اگر تم نے مجسٹریٹ کے سامنے زبان کھولی اور

الزام کی تردید میں کچھ کہا تو ایس پی ماتھر تمہیں خطرناک حالات سے دوچار کردے گا۔ ہوسکتا ہے کہ جو اذیت ناک تشدد ہم تمہارے اوپر کریں وہ عدالت کی سزا سے زیادہ بھیانک ہو اس لئے میں تاکید کرتا ہوں کہ تم مجسٹریٹ کے سامنے اپنی گندی زبان بند ہی رکھنا' اسی میں تمہاری مکتی ہے۔''

''بولتا کیوں نہیں۔'' شرما کی گرجدار آواز سن کر میں چونک اٹھا۔ ''کیا تو نے سن لیا کہ میں تجھ سے کیا کہہ رہا ہوں؟''

میں نے جلدی سے اثبات میں سر کو جنبش دی تو شرما کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ ابھر آئی۔ مجھے نفرت سے گھور کر تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔

''تمہارے کرتوتوں کی کہانی جب اخبارات میں چھپے گی تو تمہارے چیلے چاٹے شور مچانے کی بجائے تم سے نفرت کرنے لگیں گے۔ دنیا جان جائے گی کہ تم نے اپنی مہان شکتی کا ڈھونگ کس لئے رچایا تھا۔''

شرما اتنا کہہ کر چلا گیا تو بے بسی اور مستقبل میں ہونے والی ذلت کے احساس سے میری آنکھیں بھر آئیں۔ جو کچھ شرما نے کہا تھا اگر وہ حقیقت بن کر سامنے آگیا تو میرے عقیدت مند مجھ پر افسوس کرنے کے بجائے میرے کردار پر تھوکیں گے۔ میرا نام بڑی حقارت سے لیا جائے گا' میری برسوں کی عبادت اور ریاضت خاک میں مل جائے گی اور کیا عجب کہ لوگ میرے نام کے ساتھ میاں صاحب کی ذات بابرکات پر بھی انگلیاں اٹھانی شروع کردیں۔

میری حالت ابتر ہونے لگی' ذہن ماؤف ہونے لگا۔ مجھے اکبر کا خیال بار بار پریشان کررہا تھا۔ نہ جانے وہ غریب کس حال میں ہوگا اور اس پر کیا کیا ظلم توڑے جارہے ہوں گے۔ مجھے یہ احساس زیادہ مضمحل کئے دے رہا تھا کہ اکبر میری وجہ سے صعوبتوں کا شکار ہوا ہے۔ ورنہ اس کی اور اونکار ناتھ کی کوئی دشمنی نہ تھی۔ اس غریب کا مستقبل بھی میری وجہ سے تباہیوں میں تھا۔ یکے بعد دیگرے مختلف خیالات اور تصورات نے میرے ہوش وحواس گم کردیئے تھے پھر اچانک میرے تصورات میں راجکماری شیلا کا تصوراتی ہیولا ابھر آیا' میں نے محسوس کیا کہ وہ آسمانوں کی سمت اڑی چلی جا رہی ہے۔ پھر میں نے خود کو اس کے پیچھے جاتا محسوس کیا لیکن وہ میری دسترس سے بہت دور بادلوں میں پرواز کررہی تھی۔ میں ابھی اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھ ہی رہا تھا کہ کہیں سے ایک سفید گدھ خون میں لتھڑا ہوا ادھر سے گزرا۔ اکبر کا خواب مجھے یاد آنی لگا۔ اس خیال سے کہ میاں صاحب نے بھی مجھے گدھ کے ہاتھوں نجات نہیں دلائی تھی' میرا دل ڈوبنے لگا' یقیناً مجھ سے بڑی کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں۔ میں نے ابوالحسن' اکبر اور درشہوار کے مشوروں کو ٹھکرا کر جو قدم جلد بازی میں اٹھائے' آج انہی کی سزا مجھے مل رہی تھی۔ میں نے پہاڑی کو چھوڑ کر علم وفضل کو رسوا کیا۔ میں نے اپنے مرتبے کو فراموش کرکے ذاتی اغراض اور سرکش نفس کے فریب میں آکر خود کو تباہ کرلیا تھا۔ میں نے احکام الٰہی کو نظرانداز کیا تھا۔ جو کچھ میں کرتا رہا' وہ کسی عالم باعمل کے منصب کے شایان شان نہیں تھا۔ جب میں نے دنیا سے کنارہ کشی کرکے رب العزت سے رشتہ جوڑا تھا تو فیصلے بھی خدا پر چھوڑ دینے چاہئے تھے' وہ منصف ہے' وہ حق کا امین ہے' میں نے خود کو کھو دیا۔ میں نے میاں صاحب کے مرتبے کا بھی خیال نہ کیا' یہ میں نے کیا کیا۔ پر اب وقت گزر چکا تھا۔

حوالات کا دروازہ کھلا میں نے دیکھا کہ شرما تین چار سنگین بردار سپاہیوں کے ساتھ حوالات میں داخل ہورہا تھا۔ میرا ہولناک مستقبل میرے سامنے تھا' میری آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ شرما نے ایک بار پھر مجھے کرخت لہجے میں تاکید کی کہ مجسٹریٹ کے روبرو مجھے اپنی زبان بند رکھنی

ہوگی۔اس کے بعد ایک سادہ لباس والا اندر داخل ہوا جس کے ہاتھ میں وہی سیاہ کپڑا موجود تھا جو رات میرے چہرے پر ڈالا گیا تھا۔میں سمجھ رہا تھا کہ ایس پی ماتھر اور اس کے گرگے مجسٹریٹ کے فیصلے تک مجھے لوگوں کی نظروں سے دور رکھنا چاہتے تھے۔انہیں اندیشہ تھا کہ اگر میرے معاملات قبل از وقت منظر عام پر آ گئے تو نقص امن کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔

شرما کے اشارے پر جب سادہ لباس والا سیاہ کپڑا لے کر میری سمت بڑھا تو میرے دل پر ایک ضرب سی لگی۔میں پتھرائی ہوئی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ حوالات کے دروازے کی سمت اٹھی۔دوسرے ہی لمحے میرے جسم میں حرارت کے اثرات پیدا ہونے لگے۔میں نے درشہوار کو حوالات کے دروازے پر کھڑے دیکھا جو بڑی قہر آلود نظروں سے شرما اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ رہی تھی۔اندھیرے میں امید کی ایک کرن چمکی تو مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا' میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوں اور میرے قدم مضبوطی سے زمین پر جم رہے ہیں۔میری نقاہت تیزی سے دور ہو رہی تھی۔وہ دھند چھٹ رہی تھی جو اونکار ناتھ کے کسی جاپ نے مجھ پر طاری کر دی تھی۔میں نے دری کو آواز دینا چاہی لیکن میری آواز میرے حلق میں گھٹ کر رہ گئی میں نے بے تابی سے اپنی گردن کو تین چار جھٹکے دیے۔درشہوار نے میری اس ہذیانی کیفیت کو غور سے دیکھا۔وہ قریب آئی اور اس نے کوئی آیت پڑھ کر میرے منہ پر پھونک ماری' اس کے بعد وہ فوراً ہی مجھ سے دور ہو گئی۔اسی اثناء میں ایک سادہ لباس والا سیاہ کپڑا لے کر میرے نزدیک آیا اور میں نے اپنے جسم کی پوری طاقت سے اس کو لات ماردی' وہ بلبلاتا ہوا دور جا گرا۔اس کا انجام دیکھ کر تین چار سپاہیوں نے مجھے جکڑ لیا اور توہین آمیز انداز میں مجھے دھکیلنے لگے۔وہ شخص جو میری ٹھوکر سے کراہ رہا تھا' تیزی سے اٹھا اور اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا لیکن فوراً ہی وہ دور ہٹ گیا جیسے اسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔یہ صورت حال دیکھ کر ایس پی ماتھر کا خاص کارندہ شرما بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور کڑک کر بولا۔''شاہد علی ہمارے ساتھ سیدھی طرح چلو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں مردہ حالت میں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر دیں۔''

میری قوت گویائی واپس آ چکی تھی میں نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا اور کہا۔''شرما موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے یہ جو کچھ ہو رہا ہے میں جانتا ہوں کیوں ہو رہا ہے کہ تم جیسے راکشش میری طرف بڑھ رہے ہیں۔یہ صرف وقت وقت کی بات ہے شرما۔''

''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے ملا' اب تیرا انجام نزدیک ہے۔تو نے بہت دن پریشان کر لیا۔''

''مردود' میں اس وقت بے بس ہوں' تو مجھے میرے انجام کو کیا پہنچائے گا' چل تجھے جہاں لے جانا ہے وہاں چل اور جو کچھ تجھے کرنا ہے کر' زیادہ باتیں نہ بنا۔''

''سنکی تو نے ہمارے پنڈت اونکار ناتھ کو للکارا تھا' انجام بھول گیا تھا کیا؟ سنا تھا تو کہ بڑا بلوان ہے۔''شرما نے میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا تو میرا خون کھول اٹھا۔

''اونکار ناتھ اگر وہ حقیقتاً کوئی عالم ہوتا تو اس طرح کی اوچھی حرکت نہ کرتا کسی عورت کا سہارا لے کر دشمنوں کو زیر کرنا عالموں کا شیوہ نہیں۔اونکار ناتھ تو بہت نیچ نکلا۔''

''اپرادھی میں کہتا ہوں اپنی زبان سنبھال تو ہمارے دھرماتما کا اپمان کر رہا ہے۔'' شرما غصے سے لال پیلا ہو کر بولا۔ پھر اس کا بھرپور ہاتھ میرے گال پر اس زور سے پڑا کہ میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ ابھی میں سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ شرما نے دوسرا ہاتھ مارا۔ پھر سادہ لباس والے کو حکم دیا۔ ''اس مسلے کے چہرے پر کپڑا ڈال دو اگر یہ آواز نکالے تو مار مار کر بھرکس نکال دو۔''

میں پے در پے دو ہاتھ کھا کر چکرا گیا۔ میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی درشہوار کو غیظ و غضب کی حالت میں دیکھا اس کی قہر آلود نظریں بدستور شرما کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ پشت پر بندھے ہاتھوں میں ہتھکڑی کی چبھن سے مجھے شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ مجھے اس بات پر تعجب تھا کہ ابھی تک میری قوت گویائی واپس لانے کے سوا درشہوار نے میرے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کیا۔ معاً میرے ذہن میں ایک پریشان کن خیال ابھرا' کہیں میاں صاحب اور میرے عقیدت مندوں کی طرح دری نے بھی مجھ سے بددل ہو کر نگاہیں نہیں بدل لیں۔ اگر ایسا ہوا تو میرا انجام کیا ہوگا؟''

دوسرا سادہ لباس والا شرما کا اشارہ پا کر بگڑے ہوئے تیور سے آگے بڑھا اور میرے چہرے کو سیاہ کپڑے میں چھپا دیا۔ میرے چاروں طرف ایک بار پھر تاریکی پھیل گئی۔ میرے اعصاب جواب دینے لگے۔ درشہوار غالباً میری بربادی کا تماشا دیکھنے آئی تھی۔ اس کے باپ ابوالحسن نے اسے شاید میری طرف سے بدظن کر دیا تھا' میری ہمت جواب دینے لگی۔

''لے چلو اس حرامزادے کو۔'' شرما کی گرج دار آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''اگر مزاحمت کرے تو ہڈی پسلی ایک کر دو۔''

دوسرے ہی لمحے میں نے اپنے دونوں بازو کرخت شکنجوں میں محسوس کئے۔ مجھے دھکا دے کر آگے بڑھایا گیا۔ میں نے کوئی مزاحمت مناسب نہ سمجھی۔ درشہوار کی خاموشی نے مجھے بڑا صدمہ پہنچایا تھا۔ میں خاموشی سے قدم آگے بڑھاتا رہا۔ کچھ دیر بعد مجھے ایک گاڑی میں ٹھونس دیا گیا۔ میرے جلاد میرے ساتھ تھے۔ گاڑی میرے بیٹھتے ہی حرکت میں آ گئی۔ میری کیفیت اس بھٹکے ہوئے جانور جیسی تھی جس نے ریگستان میں سراب کے پیچھے بھاگنے کی کوشش کی پھر مایوس ہو کر خود کو موت کے بھیانک انتظار کے لئے چھوڑ دیا۔ میں اپنا دل قابو میں کئے بیٹھا رہا' اس پستی کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی رکی تو مجھے کھینچ کر بڑی بے دردی سے نیچے اتارا گیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ دور پیدل جانے کے بعد سیڑھیاں چڑھنی تھیں۔ سیاہ کپڑا اس قدر دبیز تھا کہ روشنی کی ایک کرن بھی نظر نہ آتی تھی۔ بار بار میں سیڑھیوں سے الجھتا اور اس جرم کی پاداش میں وہ جلاد گالیاں بکنے لگتے جو مجھے بدستور جکڑے ہوئے تھے۔ پھر مجھے ایک بنچ پر بٹھا دیا گیا۔ میرے ہاتھ پشت پر ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

خاصی دیر تک میں یونہی بیٹھا رہا۔ پھر میں نے ایس پی ماتھر کی آواز سنی' اس کا لہجہ بے حد خشک اور سرد تھا۔ ''شرما تم نے اسے سمجھا دیا ہے کہ یہ اپنی گندی زبان بند رکھے۔''

''یس سر۔''

''میں مجسٹریٹ کے پاس چیمبر میں جا رہا ہوں۔ تم میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔''

ایس پی ماتھر کے بھاری قدموں کی آواز دور ہو گئی تو شرما کی کرخت آواز ابھری۔ ''مسلے کیا تو نے سن لیا کہ ایس پی صاحب نے کیا کہا ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''ایک بار پھر کان کھول کر سن لے شاہد علی' اگر تو نے زبان کھولنے کی حماقت کی تو یہ دن تیرا آخری دن ہوگا۔ تو اس اذیت ناک سزا کا تصور بھی نہیں کر سکتا جو حکم عدولی کے سلسلے میں تجھے دی جائے گی۔ خیال رکھنا تو اس وقت پولیس کے قبضے میں ہے۔ خاموش رہا تو تجھے صرف جیل کی کٹھنائیاں بھگتنی پڑیں گی۔''

آدھ گھنٹے بعد مجھے مجسٹریٹ کے روبرو اس کے چیمبر میں پیش کر دیا گیا۔ سیاہ کپڑا اب میرے چہرے سے ہٹا دیا گیا تھا۔ میں نے اس بند کمرے کا جائزہ لیا جو میرے لئے مقتل سے کم نہ تھا۔ میرے سامنے مکروصورت والا ایک منصف بیٹھا مجھے بڑی کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے بھانپ لیا کہ مجسٹریٹ کے کان میرے خلاف پہلے ہی سے بھرے جا چکے ہیں۔ اس کی نظروں میں تعصب جھلک رہا تھا۔ میرے سیدھے ہاتھ پر ایس پی ماتھر موجود تھا' دوسری طرف ایک وکیل تھا۔ مجسٹریٹ کے دو کارندے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ڈبڈبائی نگاہوں سے اپنی پشت کی طرف دیکھا میرا خیال تھا درشہوار یہاں بھی میری قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے لئے موجود ہوگی لیکن دری مجھے وہاں نظر نہیں آئی۔ میں نے کلپنا کو دیکھا جو نظریں جھکائے ایس پی ماتھر کے پیچھے ایک کرسی پر براجمان تھی۔ وہی بے غیرت اور بے حیا عورت جس نے پنڈت اونکار ناتھ کے اشارے پر پولیس کے سادہ لباس والوں کے ساتھ مل کر مجھے اپنے فریب کے جال میں پھانسا تھا اور اب وہ میرے خلاف زنا بالجبر کی گواہی دینے آئی تھی۔ میں نے حقارت سے نگاہیں پھیر لیں اور مجسٹریٹ کو دیکھنے لگا جس کی متعصب اور مکروہ نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور مجھے فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی پھر سب سے پہلے کلپنا کو گواہ کے طور پر پیش کیا گیا اس نابکار عورت نے وہی بیان دیا جو اسے پنڈت اونکار ناتھ اور ایس پی ماتھر نے طوطے کی طرح رٹا رکھا تھا۔ وکیل نے کریدکرید کر کلپنا سے ایسے سوال کئے جن کے جوابات میرے خلاف ثابت ہو سکتے تھے۔ پھر اس نے مجسٹریٹ کے سامنے وہ سرٹیفکیٹ پیش کیا جو پولیس سرجن کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ اس میں اس بات کی تائید کی گئی تھی کہ کلپنا کو جبری طور پر شدید جسمانی تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ میں تصویر حیرت بنا سب کچھ سن رہا تھا کہ وکیل نے کلپنا کو مخاطب کیا۔ ''کیا تم بھگوان کی سوگند کھا کر گنگا جل کو ہاتھ لگا کر پورے وشواس سے اس منش کو شناخت کر سکتی ہو جس نے تمہارا شریر روندا تھا۔''

کلپنا نے شرم سے گردن جھکالی اور کوئی جواب نہیں دیا۔

''بولو کلپنا' پوری عدالت کو تمہارے جواب کا انتظار ہے۔ تمہارے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔'' وکیل نے زور دے کر کہا۔

کلپنا نے ساڑھی کا پلو اپنے دانتوں تلے دبالیا۔ وکیل کے شدید اصرار پر وہ جھجکتے جھجکتے بولی۔ ''ہاں وہ پاپی اس سمے عدالت میں موجود ہے۔'' کلپنا نے میری سمت نفرت سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''کلپنا دیوی ڈرومت' صاف صاف بتاؤ کیا تم اس اپرادھی کا نام جانتی ہو؟''

''مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کا نام شاہد علی ہے۔'' کلپنا نے اپنے جواب کے ساتھ انگلی اٹھا کر میری سمت اشارہ کیا۔

ایس پی ماتھر کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ نگاہوں نگاہوں میں وہ مجھ سے کہہ رہا تھا شاہد علی اگر تم نے اپنی صفائی میں کچھ

کہا تو تمہیں نا قابل برداشت حالات سے دوچار کر دیا جائے گا۔

میں خاموش کھڑا تھا کہ مجسٹریٹ نے سپاٹ لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ ''شاہد علی کیا تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے۔''

میں نے حسرت بھری نظروں سے مجسٹریٹ کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' کلپنا نے ایک بھیانک چیخ ماری اور زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک سیاہ ناگن اس کے قریب کنڈلی مارے بیٹھی تھی۔ درشہوار بھی مجھے وہیں نظر آئی۔ وہ ناگن کے بالکل قریب تھی۔ مجسٹریٹ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دونوں کارندے دروازے کے نزدیک پہنچ گئے۔ ایس پی ماتھر نے بڑی سرعت سے اپنا سروس ریوالور نکال کر ناگن کا نشانہ باندھا مگر اس سے پہلے کہ وہ لبلبی دباتا' درشہوار نے ناگن کو اپنے ہاتھ میں لے کر ماتھر کی طرف پھینکا جس نے ماتھر کی پیشانی پر ڈس لیا۔ دوسرے ہی لمحے ماتھر فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کا پورا جسم تیزی سے نیلا پڑ رہا تھا۔ چند لمحوں میں وہ بھی کلپنا کی طرح اکڑی ہوئی لاش میں تبدیل ہو گیا۔

اتنی دیر میں چیمبر خالی ہو چکا تھا۔ وہاں صرف میں تصویر حیرت بنا کھڑا تھا۔ کلپنا اور ماتھر کی لاشیں تھی' وہ سیاہ ناگن تھی اور درشہوار تھی جو ان دونوں کے لئے موت کا پیغام بن کر وہاں آئی تھیں۔ کچھ دیر بعد پولیس کے دو مسلح سپاہی اندر گھس آئے۔ میری توجہ بس ایک لمحے کے لئے دروازے کی طرف مبذول ہوئی تھی پھر جو میں نے پلٹ کر دیکھا تو سیاہ ناگن چیمبر کے دوسرے دروازے سے باہر جا رہی تھی دونوں مسلح سپاہیوں نے عمارت کا کونا کونا چھان مارا لیکن انہیں وہاں چیونٹی بھی نظر نہ آسکی۔ درشہوار میرے سامنے کھڑی تھی لیکن وہ دونوں بھی دوسرے لوگوں کی طرح اسے دیکھنے سے قاصر تھے۔

یہ واقعہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا اور پوری عمارت میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جس مجسٹریٹ کے سامنے مجھے پیش کیا گیا تھا۔ اس کی عدالت کے باہر مجسٹریٹوں اور وکیلوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ ہر شخص مجھے خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا کچھ لوگ جو مجھے پہچانتے تھے انہوں نے آن کی آن میں یہ مشہور کر دیا کہ جو کچھ وہاں پیش آیا ہے' اس میں میرے علم و فضل کا ہاتھ ہے اور میری بددعا نے ماتھر اور کلپنا کو سزا دی ہے۔ ہر سمت ایک ہیجان برپا تھا۔ مجمع میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

جس مجسٹریٹ کے سامنے مجھے پیش کیا گیا تھا' اس نے پولیس کے مسلح دستے کو حکم دیا کہ مجھے کسی تاخیر کے بغیر جیل بھیج دیا جائے۔ مقدمے کی کارروائی پھر کسی دن ہو گی۔ مجسٹریٹ کا حکم پا کر چاروں مسلح سپاہی میری سمت بڑھے لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اس نے مجھے ششدر کر دیا۔ دو سنگین بردار سپاہی جو آگے آگے تھے' ابھی میرے قریب ہی پہنچے تھے کہ ان دونوں نے ایک کرب ناک چیخ ماری اور لوٹ پوٹ کر ٹھنڈے ہو گئے۔ پیچھے والے دونوں سپاہی اپنی بندوقیں پھینک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی لمحے مجسٹریٹ کے سر سے خون بہنے لگا اور وہ چکرا کر گر گیا۔ اس خونیں صورت حال نے مجسٹریٹوں اور وکیلوں کو بھی بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ہر طرف چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ درشہوار نے سنگین اٹھا کر میرے سامنے سپاہیوں کو زدوکوب کیا تھا۔ ان میں سے کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس اچانک افتاد نے پوری عدالت میں کھلبلی مچا دی۔ اب وہ جگہ خالی تھی' وہاں کوئی نہ تھا' صرف میں اور درشہوار' ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے' اس کے حسین چہرے پر اب بھی معصومیت تھی حالانکہ اس کی آنکھوں سے

شعلے نکل رہے تھے۔ میرے قریب آ کر اس نے میری ہتھکڑیاں کھول دیں۔ چابی اس کے پاس پہلے ہی سے موجود تھی۔ میرے ہاتھ اب آزاد تھے۔

''آپ مجھ سے یقیناً ناراض ہوں گے۔'' وہ پرسکون آواز میں تمام تر محبت سمیٹتے ہوئے بولی۔ ''حوالات کے اندر بھی یہ تمام کام کیا جا سکتا تھا مگر وہاں ان بدقماش پولیس والوں کی اتنی رسوائی نہ ہوتی۔ مجھے معاف کیجئے انہوں نے حوالات سے عدالت تک آپ کو سخت اذیت پہنچائی' اس شرمناک اور توہین آمیز رویے کے بعد بھری عدالت میں یہ تماشا ضروری تھا اب کوئی آپ پر نظر اٹھانے کی جرات نہیں کر سکتا' آپ دیکھیں گے کہ اس کا ردعمل کتنا شدید ہوگا۔''

''دری تم اگر وقت پر نہ آتیں تو یہ ظالم نہ معلوم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ دری تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ مجھے معاف کر دو' حوالات میں مجھے تمہاری خاموشی دیکھ کر یہ احساس ہوا تھا کہ شاید تم بھی دوسروں کی طرح مجھ سے روٹھ گئی ہو۔'' میں نے خجل ہو کر کہا۔

''مجھے یہی افسوس رہے گا کہ آپ کی دری آپ کے دل میں وہ مقام حاصل نہ کر سکی جس سے اس کی ذات ہر شک وشبہ سے ہمیشہ بالاتر رہے۔'' درشہوار نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''نہیں نہیں ایسی بات نہیں تم میرے لئے سب کچھ ہو ایک تم ہی تو ہو جس نے ہمیشہ میری رہنمائی کی ہے۔''

درشہوار نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولی۔ ''اب یہاں سے کسی محفوظ مقام تک ہمارا جانا ضروری ہے۔''

''لیکن دری باہر ہر طرف افراتفری کا عالم ہے۔ یقیناً یہاں فرقے وارانہ فساد ہو جائے گا۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' درشہوار نے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور مجھے یاد آ گیا کہ درشہوار ایک بار پہلے بھی میرا ہاتھ تھام کر مجھے لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر کے نکال لے گئی تھی' کوئی ہمیں نہ دیکھ سکا تھا۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ باہر کی جانب قدم اٹھانے لگا۔ دروازے پر مجسٹریٹ کی لاش خون میں لتھڑی پڑی تھی۔ میں نے ایک سرسری نظر لاش پر ڈالی پھر آگے بڑھ گیا۔ نیچے حاطے میں آیا تو دیکھا' ایک جم غفیر موجود ہے۔ لوگوں میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں' شہر میں دکانیں بند ہو رہی تھیں اور بازار ہمارے دیکھتے دیکھتے سنسان ہو گئے تھے۔ ہم چلتے رہے' چلتے رہے یہاں تک کہ آبادی سے دور نکل آئے۔ کوئی چار دن ہم اسی طرح رات کو رکتے' ستاتے' ٹھہرتے اور آگے بڑھتے رہے اور پھر اس قلعے میں پہنچ گئے جہاں سے مجھے دھوکا دے کر پھانسا گیا تھا۔ اس قلعے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے مجھے جو خیال آیا وہ راجکماری شیلا کا تھا لیکن میں نے درشہوار کی موجودگی میں اپنے چہرے سے کسی بات کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ رفتہ رفتہ اجنہ میرے گرد جمع ہو گئے اور میری خیریت پوچھنے لگے۔ ان کی پُرسش سے مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میں بہت دنوں بعد اپنے شہر اور اپنے لوگوں میں آ گیا ہوں۔ انہوں نے میری شاندار ضیافت کا اہتمام کیا اور میری آسائش کے لئے ضروری اسباب فراہم کیا۔ اجنہ کی ضیافت کے بعد میں دری کو لے کر دریا کے کنارے چلا گیا جہاں نیلا شفاف پانی دور تک پھیلا ہوا عجب دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔ پانی کی روانی اور اس جگہ کی ہریالی کو دیکھ کر میری طبیعت کو کچھ سکون ملا اور میں نے درشہوار سے مخاطب ہو کر کہا۔

''دری اس دن کچھ خطا میری بھی تھی' میں نے اس نابکار عورت کی آہ وبکا سن کر تمہاری ہدایت کو فراموش کر دیا تھا۔''

''جو ہو چکا اسے بھول جایئے۔'' درشہوار نے خوابیدہ لہجے میں کہا۔''باوا جان کی طبیعت اب کافی سنبھل چکی ہے اس لئے وہاں میری ضرورت باقی نہیں رہی۔اب میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔''

''اب تمہارا ساتھ ہی تو میرا سب کچھ ہے۔''میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔''مجھ سے میاں شاہد علی چھن گئے' سب کچھ چھن گیا' صرف تم رہ گئیں۔اس لئے کہ تمہارا تعلق میاں شاہد علی سے نہیں' شاہد علی سے تھا۔''

''ایسی اداس باتیں کیوں کر رہے ہیں۔میرا خیال ہے یہ آزمائش کے لمحے تھے۔کچھ غلطیاں واقعی ہوگئی تھیں جن کا خمیازہ اس ذلت میں ملا لیکن تلافی کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔'' درشہوار نے مجھے تسلی دی۔

''پتا نہیں اکبر اور ثمینہ غریب کس حال میں ہوں گے؟''میں نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔''اکبر بے چارہ تو صرف میری وجہ سے پریشان کن حالات کا شکار ہوا ہے۔''

''اگر میں یہاں ہوتی تو ان دونوں کو قلعے سے باہر جانے کا مشورہ کبھی نہ دیتی۔بہر حال میں انہیں لے آؤں گی مجھے بھی ان سے اتنی ہی محبت ہے جتنی آپ کو ہے۔'' درشہوار نے عزم سے کہا۔

''کیا یہ ممکن ہے دری کہ وہ یہاں آ جائیں۔''میں نے بے چینی کا مظاہرہ کیا تو درشہوار مسکرا دی اور پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔

''آپ مطمئن رہئے اب تک میں آپ کو روکتی رہتی تھی لیکن اب میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ ہمیں کن شیطان لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔مجھے اس ملعون شخص اونکار ناتھ کو بتانا ہے کہ بڑے میاں صاحب والی اس پہاڑی کے معمولی عقیدت مند بھی اس سے نمٹنے کی کیسی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔مجھے دیکھنا ہے کہ اس کے جنتر منتر اور محافظ کتنی دیر اس کا بچاؤ کرتے ہیں۔اب صبر کی منزل گزر چکی آپ دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔''

درشہوار کے لہجے میں عزم و استقلال تھا' وہ بڑی پُر جوش اور سرگرم معلوم ہوتی تھی۔میں جانتا تھا کہ وہ جنوں کے کس قبیلے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ کس عالم باعمل شخص کی بیٹی ہے۔اس نے جو کچھ کہا تھا اسے کر گزرنے کی اس میں صلاحیت تھی لیکن پنڈت اونکار ناتھ کو میں اپنا ذاتی دشمن سمجھتا تھا اور مجھے اس میں ہچکی محسوس ہوتی تھی کہ دری اسے کوئی سبق سکھائے۔دری کے سامنے اس قدر بے بس ہونے کو میرا جی نہیں چاہتا تھا۔ہر چند کہ اب میں ایک عام آدمی تھا' میرے تمام اوصاف مجھ سے چھین گئے تھے چنانچہ میں نے دری سے کہا۔

''دری تم اکبر اور ثمینہ کو یہاں لے آؤ۔اونکار ناتھ کے بارے میں بعد میں سوچا جائے گا۔''

جواب میں دری نے مجھے جن نظروں سے دیکھا ان میں حسرت و یاس کے علاوہ غم اور غصے کی لہر بھی تھی۔بعد میں وہ پُر سکون ہو کر بولی۔''آپ آرام کریں میں اکبر اور ثمینہ کی خبر لیتی ہوں۔''

درشہوار کے جانے کے بعد میرے خیالات پھر تیز ہو گئے۔میں سوچ رہا تھا کہ کیسی عجیب صورت حال سے واسطہ پڑا ہے اب میں درشہوار سے درخواست کر رہا ہوں کہ وہ مجھے سہارا دے۔مجھے وہ دن یاد آ گئے جب میں پہاڑی پر ایک بڑے بزرگ کی حیثیت سے رہتا تھا۔ان دنوں کی یاد میں میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔مجھے ابوالحسن یاد آئے' میاں صاحب اور اپنے وہ عقیدت مند جو صبح سے شام تک میرے اشارے کے منتظر

رہتے تھے۔نماز کا وہ سکون اور عبادت کی وہ لذت' وظائف کا وہ فرحت بخش ماحول اور مریدوں کا وہ جاں نثار ہجوم' کتنے گھاٹے ہوئے تھے۔اجنہ کی پوری فوج ابوالحسن کی سرکردگی میں ہاتھ باندھے رہتی تھی۔میرا ہر حکم میرے عقیدت مندوں کے لئے حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔کبھی میرا ذہن اونکارناتھ کی طرف جاتا' کبھی بیرسٹر راشد حسین' رشیدہ اور اس کے دونوں بچوں کے بارے میں غور کرنے لگتا۔منتشر خیالات سے دماغ بوجھل تھا پھر مجھے راجکماری شیلا کی یاد آ گئی جو صدیوں سے میرا انتظار کر رہی تھی۔اس نے صدیوں پہلے یہ سمجھ کر خودکشی کر لی تھی کہ میں مر گیا ہوں اور اب اسے عالم ارواح میں مل سکوں گا لیکن میں اسے نہ مل سکا اور جب ملا تو پردیپ کی بجائے شاہد علی کی شکل میں۔مجھے ہندوؤں کے فلسفے آواگون پر بالکل یقین نہ تھا مگر راج کماری شیلا اپنے پردیپ کے انتظار میں اپنے پرانے قلعے کے اندر اس کی منتظر رہتی تھی۔اس کی باندیوں اور دربانوں نے جگہ جگہ پردیپ کو تلاش کیا مگر وہ کہیں نہ ملا۔شیلا کا واقعہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن میں روحوں کے اسرار سے کافی واقف تھا۔بات کچھ بھی ہو' میں نے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔یہاں یہ بات بالکل واضح تھی کہ شیلا کا کوئی پردیپ کہیں گم ہو گیا تھا اور اب وہ مجھے اپنے خوابوں کا شہزادہ یعنی پردیپ تصور کرتی تھی۔وہ حسین و جمیل راج کماری جس کے دل نشین قرب سے میں لطف اندوز ہو چکا تھا' قلعے میں قدم رکھتے ہی مجھے شدت سے یاد آنے لگی۔میرے ذہن میں راج کماری کی وہ مترنم اور مغموم آواز گونج رہی تھی جب اس نے آخری بار حوالات میں مجھ سے کہا تھا۔''تم مجھے بھول گئے ہو پردیپ' تمہیں رفتہ رفتہ سب یاد آ جائے گا۔پہلے جنم کی باتیں' اپنی شیلا سب کچھ۔''

میری محویت کا شیرازہ اس وقت منتشر ہوا جب درشہوار کی آواز میرے کانوں میں گونجی وہ کہہ رہی تھی۔''کیا آپ سو گئے دیکھئے یہاں کون موجود ہے۔''

میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو دیکھا اکبر اور ثمینہ دونوں میرے قریب فرش پر بچھی چاندنی پر پڑے ہیں۔دونوں بے حس و حرکت نظر آ رہے تھے۔ان کے چہروں پر کرب کے تاثرات دیکھ کر میں تڑپ اٹھا۔''دری دری یہ دونوں خاموش کیوں ہیں؟ اکبر اور ثمینہ کو کیا ہوا دری؟''

''آپ پریشان نہ ہوں میں نے انہیں لمبی نیند سلا دیا ہے۔''درشہوار نے جواب دیا۔''پنڈت اونکارناتھ اور پولیس کے لوگوں نے ان دونوں پر بڑے دردناک مظالم توڑے تھے اگر آپ انہیں اس حالت میں دیکھ لیتے تو آپ کا کلیجا پھٹ جاتا۔اکبر کے پورے جسم پر نیل ہی نیل تھے ثمینہ کا چہرہ اس حد تک بدل چکا تھا کہ شناخت ناممکن تھی لیکن اب تشویش کی کوئی بات نہیں میں نے ان کا علاج کر دیا ہے۔''

''مگر تم اس قدر جلدی کیسے آ گئیں یہاں سے شہر کی مسافت تو چار دن کی ہے؟''میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے اس کام میں قلعے میں مقیم اجنہ کے قبیلے سے مدد لی تھی۔اکبر اور ثمینہ کو ہم اجنہ قبیلوں کی مدد کے بغیر لاتے تو وہ راستے میں دم توڑ دیتے۔جب میں نے یہ صورت دیکھی تو قلعے واپس آئی اور یہاں سے چند جنوں کو ساتھ لیا۔اس وقت آپ کسی محویت میں تھے' میں انہیں ساتھ لے کر شہر گئی اور اب واپس آ رہی ہوں۔''

میں نے درشہوار کی زبانی اکبر اور ثمینہ کا دردناک حال سنا تو میرا خون کھولنے لگا۔میں غصے کے عالم میں سرتاپا لرز رہا تھا۔دری میری اس کیفیت سے سہم گئی' بولی۔

''میری درخواست ہے کہ آپ اونکار ناتھ کا مسئلہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں اس کافر پنڈت کو عبرت ناک سزا کا مستحق سمجھتی ہوں۔ یقین کیجئے اس پرسکون کا ایک ایک سانس محال ہو جائے گا۔''

''نہیں دری!'' میں تقریباً چیخ پڑا۔ ''اسے میرے لئے رہنے دو۔ میں راشد حسین اور رشیدہ سے بھی بھیانک انتقام لوں گا۔ مجھے ابھی میاں صاحب کے ودیعت کئے ہوئے وظیفے یاد ہیں۔ لاتعداد روحیں میری کنیز ہیں غلام ہیں۔ میں اپنے خدا سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں گا اور مجھے یقین ہے کہ ان وظائف کو دوبارہ ورد کرنے کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میں نے کافی مدت عبادت اور ریاضت میں گزاری ہے' مجھے معلوم ہے میں کیا طاقتیں رکھتا ہوں۔''

میں جوش میں نہ جانے کیا کیا کہہ گیا۔ دری شہوار بت بنی میری تقریر سنتی رہی۔ اس کی غزالی آنکھوں میں اضطراب مترشح تھا۔ میں خاموش ہوا تو وہ سرد لہجے میں بولی۔ ''اب میں آپ کو تاریکی میں رکھنا نہیں چاہتی' آپ نے خود دیکھ لیا ہے کہ آپ کیا کچھ کھو چکے ہیں۔ میں نے آپ کے بارے میں باوا جان سے گفتگو کی تھی۔ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ بڑے میاں صاحب آپ سے روٹھ چکے ہیں۔ آپ نے علم و فضل کا غلط استعمال کیا' آپ نے خود فیصلے کرنے شروع کر دیئے' آپ نے وہ کیا جو آپ کے رتبے اور منصب کے خلاف تھا۔ آپ نے پہاڑی کی عظمت اور حرمت کا خیال نہیں کیا' آپ نے اپنا نفس آزاد چھوڑ دیا اور علم و فضل میں انکسار کے بجائے غرور کا رویہ اختیار کیا۔ اب آپ کی تمام روحانی قوتیں زائل ہو چکی ہیں اور اب میاں صاحب کے ودیعت کئے ہوئے وظیفوں میں کوئی اثر نہیں رہا۔ آپ بھول گئے کہ الماس کی روح آپ کی بار بار طلبی کے باوجود بھی حاضر نہیں ہوئی۔ آپ کسی اندھیرے میں نہ رہیں ان بدکاروں کو اپنے عقیدت مندوں پر چھوڑ دیں اور دوبارہ اپنے خدا سے لو لگائیں۔ اسی میں پناہ ہے اسی میں نجات ہے۔''

''دری!'' میں دیوانگی کی حالت میں چیخا۔ ''دری یہ تم کیا کہہ رہی ہو تم نے ایک بار کہا تھا کہ یہ کیفیتیں عارضی ہیں جلد ہی مجھے میرا کھویا ہوا رتبہ مل جائے گا۔ اب تم بھی دل آزار باتیں کر رہی ہو؟'' پھر مجھ پر رقت طاری ہو گئی اور میری آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ ''دری تم نے یہ کیسی باتیں کیں کیا تم سچ کہہ رہی ہو یہ باتیں نشتر بن کر میرے سینے میں اتری ہیں۔''

''میں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے۔ اب وہ وقت نہیں ہے کہ آپ کو اندھیرے میں رکھا جائے۔ میں اس وقت آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتی جو کچھ ہوا اسے بھول جایئے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں مجھے اپنا سہارا سمجھئے جو کچھ ہوا اسے بھول جایئے۔ آپ کے ایک اشارے پر میری جان قربان ہے مجھے حکم دیجئے سب کچھ چھین گیا تو کیا ہوا میں تو موجود ہوں اور میں آپ کے تمام دشمنوں سے نمٹنے کی طاقت رکھتی ہوں۔''

''نہیں دری!'' میں نے اپنی بے چینی چھپاتے ہوئے کہا۔ ''ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ میں کہتا ہوں تم بھی چلی جاؤ۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ میاں صاحب کے روٹھنے کے بعد بھی میں کیا کر سکتا ہوں۔ میری ریاضتیں اور عبادتیں برباد ہو گئیں تو کیا غم' میں اپنے مقصد کے حصول میں خود کو سچا سمجھتا ہوں۔ اب مجھے کوئی پروا نہیں کسی نے میرا خیال نہیں کیا میری پہاڑی والی روحانی قوتیں مجھ سے دور ہو گئیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کوئی کمزور شخص ہوں۔ میں اب بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں دری تمہارے بغیر بھی۔''

درشہوار نے پہلی بار مجھے پاگلوں کی طرح دیکھا۔ ''آپ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں' آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کچھ دیر بعد آپ اس کا احساس کریں کہ آپ نے کتنی بری باتیں کہہ دی ہیں انسان کو کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ آپ کی زبان سے کفر کی بو آ رہی ہے توبہ کیجئے۔''

''توبہ کے دروازے تو بند ہو چکے ہیں دری۔'' میں مضطرب ہو کر بولا۔ ''میرے لئے شاید نیکی کے راستے بند ہو گئے ہیں۔ زندگی کے بیش قیمت دن جس علم کے حصول میں گزارے تھے، اب معلوم ہوتا ہے وہ بے کار گئے۔ میں نے خوشی کا کون سا لمحہ دیکھا، مجھے اب آگے گھٹن ہی گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ میں اب کھلی ہوا میں سانس لینا چاہتا ہوں۔ جب تک میں اپنے دشمنوں کو زیر نہیں کر لیتا، سکون میرے لئے حرام ہے۔ میں اسی لئے پہاڑی سے چلا تھا اور دری سنو میرے سامنے ایک قوت ابھی باقی ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ قوت تسخیر کرنے کے لئے مجھے کچھ قربانیاں دینی ہوں گی لیکن میں ہر حالت میں اب چند فیصلے چاہتا ہوں۔ میں خود کو بدل رہا ہوں۔ میں نئے سانچے میں ڈھل جاؤں گا اور تم دیکھو گی کہ میں کیا کرتا ہوں۔ جب تک یہ حساب بے باق نہیں ہو جاتا، میرے اعصاب پر بوجھ رہے گا۔ میں ایک انسان ہوں جس کے پاس جذبات ہیں جسے غصہ آتا ہے۔ میں اب ایک عام آدمی ہوں جاؤ جا کر میرے عقیدت مندوں سے کہہ دو کہ چھوٹے میاں صاحب علم و فضل کے رتبے سے گر گئے ہیں اور یہ بھی کہہ دینا کہ نفس کو علیحدہ کرنے کے بعد ہی کوئی میاں صاحب کی جانشینی کا خیال دل میں لائے نفس کے بغیر ایک شخص۔''

میں نے دیوانوں کی طرح قہقہہ لگایا تو قلعے کے بام و در گونجنے لگے۔ ''نفس کے بغیر ایک شخص ہاہاہا۔''

''میں پوچھ سکتی ہوں وہ کون سی طاقت ہے جس کا ذکر آپ نے مجھ سے کیا ہے؟ جو مجھ سے زیادہ آپ کے اشاروں پر عمل کر سکتی ہے۔؟''

''وقت آنے پر تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا لیکن ابھی مجھ سے نہ پوچھو تو بہتر ہے۔'' میں نے اس مرتبہ کس قدر سکون سے جواب دیا۔ میں درشہوار کو راجکماری شیلا کی آتما کے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس سے دری پر بہت برا اثر پڑے گا، وہ ہلکان ہو جائے گی اس لئے میں نے اسے کچھ نہ پوچھنے کی تلقین کی اور اکبر کی طرف متوجہ ہو گیا جو آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہا تھا۔

ان دونوں کو باقاعدہ ہوش میں آنے میں کچھ دیر لگی لیکن مجھے اپنے قریب زندہ و سلامت دیکھ کر اس قدر مسرت ہوئی کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ وہ آنکھیں پھاڑے قلعے کی دیواروں کو اور ہم دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان واقعات اور انسانیت سوز مظالم کی تفصیل سے یہاں گریز کیا جا رہا ہے جو اکبر اور ثمینہ نے ہمیں سنائے۔ اکبر سے قلعے کا پتہ پوچھنے کے لئے ایس پی ماتھر اور پولیس کے دوسرے افسران نے ہر قسم کا ظلم روا رکھا تھا۔ ثمینہ کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے لپٹ لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ اکبر کا بھی یہی حال تھا' میں ان دونوں کو اپنے سینے سے لگائے تسلی اور دلاسے دیتا رہا۔ اکبر سے یہ دل سوز واقعات سن کر میرے زخم اور تازہ ہو گئے۔ میرے اشتعال کا اندازہ کرنا مشکل ہے اور نہ قلم کو اتنی قدرت ہے کہ وہ میری کیفیت تحریر کر سکے۔

رات تک میں اکبر اور ثمینہ کے ساتھ رہا۔ ان کی بپتا سنتا اور دل جوئی کرتا رہا لیکن شام سے رات تک درشہوار چپ چاپ رہی غالباً وہ مجھ سے شاکی تھی اور میں اس سلسلے میں اسے کریدنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اس روز میں نے نماز ادا نہیں کی۔ درشہوار نے مجھے یاد بھی دلایا تو میں ٹال گیا۔ رات کو اکبر اور ثمینہ قلعے کے ایک ویران حصے کی طرف چلے گئے تو درشہوار نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ مجھ سے کچھ ناراض ہیں اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو معاف کر دیجئے۔''

''دری!'' میں نے آہستگی سے کہا۔ ''بخدا میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ دوپہر میں نے تمہارے متعلق جو نازیبا باتیں کی تھیں ان پر اب مجھے افسوس ہو رہا ہے۔ تم میرے قریب ہوتی ہو تو مجھے تقویت رہتی ہے' تمہاری غیر موجودگی میں' میں نے جو صعوبتیں جھیلی ہیں وہ مجھے ہمیشہ یاد رہیں گی۔ مجھے افسوس ہے میں نے تم سے درشت لہجے میں بات کی' تم تو میرے زخموں کا مرہم ہو مگر تم دیکھ رہی ہو کہ میں کس قدر ٹوٹ گیا ہوں۔ آدمی کو اپنوں سے تلخ باتیں کرنے کی جرات ہوتی ہے' میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ دیکھو میں کیسی متضاد باتیں کر رہا ہوں اس کی وجہ میرا ذہنی انتشار ہے۔ ممکن ہے آئندہ میں تم سے اس سے بھی زیادہ کڑوی باتیں کروں لیکن تم کوئی خیال نہ کرنا۔ ایک دیوانے کی بڑ سمجھ کر میری باتیں نظر انداز کر دینا۔''

درشہوار میرا جواب سن کر بے اختیار میرے سینے سے لگ گئی اور سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

''آپ مجھے کبھی خود سے جدا نہ کیجئے گا میں آپ کی کنیز ہوں اور اسی طرح تمام زندگی آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں' مجھے اس میں بے حد سکون ملتا ہے۔''

''تمہیں یہ شبہ کیوں کر ہوا دری کہ میں تمہیں خود سے دور کر دوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ میرے دل میں اچانک اس شبے نے سر ابھارا کہ کہیں درشہوار راجکماری شیلا کی بے قرار روح کے ساتھ کے راز سے واقف تو نہیں ہو گئی۔

''میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتی ہوں' اب باوا جان مجھ پر کچھ پابندیاں عائد کرنا چاہتے ہیں۔''

''دری!'' میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''میں نہیں سمجھا' کیا میرے محسن ابوالحسن نے تمہیں میرے ساتھ رہنے سے منع کیا ہے؟ کیا ابوالحسن اتنے بدل گئے ہیں؟''

http://free-urdubook.blogspot.com/

سونا گھاٹ کا پجاری

سونا گھاٹ کا پجاری..... بے پنار پراسرار قوتوں اور کالی طاقتوں کا مالک جو اپنی موت کے بعد بھی زندہ تھا۔ افضل بیگ..... ایک مسلمان فارسٹ آفیسر جو سونا گھاٹ کے قہر کا نشانہ بنا..... پھر وہ انتقام لینے کے جوش میں اندھا ہو گیا اور اپنا مذہب ترک کر کے جادو ٹونے کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ ایک ایسا ناول جو پراسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑ لے گا۔ **سونا گھاٹ کا پجاری** اپنے انجام تک کیسے پہنچا۔ افضل بیگ گناہ اور غلاظت کی دُنیا سے کیسے لوٹا؟ ہندو دھرم، دیوی دیوتاؤں، کالے جادو، بیروں کے خوفناک تصادم سے مزین یہ داستان آپ جلد ہی **کتاب گھر** کے **پراسرار خوفناک ناول** سیکشن میں پڑھ سکیں گے۔

''یہ بات نہیں ہے۔'' درشہوار کے حسین و جمیل چہرے پر سوگواری کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ بات دراصل یہ ہے کہ باوا جان نے اپنے قبیلے کے ایک جن سے میرے لئے سلسلہ جنبانی شروع کر رکھی ہے۔''

''اوہ!'' میں نے سکون کا سانس لے کر کہا۔ ''تو یہ بات ہے۔''

''اور یہ بات بڑی غیر معمولی ہے۔ آپ تو جانتے ہے کہ ہمارے رسم و رواج کیا ہیں شادی کے بعد جو اخلاقی اور سماجی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں' میں سوچتی ہوں کہ وہ میں نبھا نہ سکوں گی۔''

''مگر تمہیں ازدواجی مسرتیں حاصل کرنے سے خوش تو ہونا چاہئے دری۔'' میں نے زیر لب مسکرا کر درشہوار کی آنکھوں میں جھانکا تو اس کی آنکھیں کچھ اور نمناک ہوگئیں۔

''جو لطف پرستش میں ہے وہ بھلا ازدواجی مسرتوں میں کہاں میسر آ سکتا ہے۔''

''پرستش تو ایک ایسے جذبے کو کہتے ہیں دری جو سچا ہو تو فاصلوں کی قید و بند بھی اس پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔''

''یقین نہیں آ رہا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' درشہوار نے حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں آپ سے دور ہو جاؤں کیا آپ مجھ سے واقعی خوش نہیں؟''

میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نے غالباً کبھی نوری اور ناری کے فرق پر غور نہیں کیا۔''

''معلوم ہوتا ہے آج آپ کو یہ فرق بڑی شدت سے محسوس ہو رہا ہے۔'' درشہوار کے تخاطب میں طنز تھا۔

اس نے یہ بات کچھ ایسے درد بھرے انداز میں کہی کہ میں گھبرا گیا۔ اس کے لہجے کی شدت نے مجھے بڑا متاثر کیا اور میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''دری میں تو ٹوٹ چکا ہوں۔ میں نے کہا نا کہ میں تو منتشر ہو گیا ہوں' میں تو بکھر گیا ہوں' تم میری باتوں کا برا ماننے کے بجائے مجھے معاف کر دیا کرو۔ میں نہ جانے کیا کیا کہہ جاتا ہوں۔''

''میں سمجھ رہی ہوں' مجھے آپ کی حالت کا اندازہ ہے۔'' درشہوار نے بڑی عقیدت سے جواب دیا۔ ''مجھے آپ سے کوئی شکوہ کوئی شکایت نہیں۔ میں خود بھی کبھی کبھی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی ہوں۔''

''ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں دری۔'' میں نے دری کے شانے تھپتھپاتے ہوئے کہا اور بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ درشہوار میرے سر ہانے بیٹھ کر میرا سر دبانے لگی۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں وہ رات بھر اسی طرح بیٹھی رہی۔ میں نے کئی بار چاہا کہ وہ اٹھ کر چلی جائے تو میں قلعے کے اس حصے کا رخ کروں جہاں راج کماری سے ملنے اور اس کا حسین ترین چہرہ دیکھنے کے تصور میں نیند مجھ سے بہت دور تھی مگر درشہوار نے کوئی موقع ایسا نہیں دیا کہ میں اس رات ہل بھی سکوں۔ وہ ساری رات میرے سرہانے بیٹھی رہی۔ اس کی گہری پرستش اور محبت کا میں کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس حسین لڑکی کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ سفید لباس میں ملبوس یقیناً جنوں کی کوئی شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ آخر صبح ہوئی تو وہ میرے پاس

سے ہٹی ثمینہ اور اکبر کی حالت اب کچھ کچھ درست ہو رہی تھی۔

یہ اس دن کوئی تین بجے سہ پہر کی بات ہے کہ ہمیں قلعے کے باہر گاڑیوں اور موٹروں کا زبردست شور سنائی دیا۔ میں نے درشہوار کو تفتیش کے لئے باہر روانہ کیا تو معلوم ہوا مسلح پولیس نے بڑی تعداد میں قلعے کے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں ہوائی فائر کی آواز سنائی دی۔ ثمینہ اور اکبر بہت سہم گئے تھے۔ خود میں بھی اس یورش سے خاصا پریشان ہو گیا تھا۔ درشہوار اجنہ قبائل سے مشورے کر رہی تھی۔ اتنی دیر میں ہمیں لاؤڈ اسپیکر پر انسپکٹر شرما کی آواز سنائی دی۔

''شاہد علی میں انسپکٹر شرما ہوں۔ اگر تم اس قلعے میں چھپے ہوئے ہو تو خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہمارے ساتھ بیس گاڑیاں اور تقریباً پانچ سو مسلح سپاہی ہیں جو دوسری صورت میں قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ شاہد علی تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ پولیس نے چاروں طرف سے قلعہ گھیر لیا ہے۔ بہتر ہے تم اپنے ساتھیوں سمیت خود کو ہمارے حوالے کر دو۔''

''اب کیا ہوگا؟'' اکبر نے میرے بازو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''اس بار وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' ثمینہ بھی بے حد خوف زدہ تھی۔

''مجھے سوچنے دو اکبر۔'' میں نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہمیں جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔''

اس عرصے میں دوبارہ شرما کی آواز آئی۔ ''ہم تمہیں پندرہ منٹ دیتے ہیں۔ شاہد علی، تم ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ تم قانون کو مطلوب ہو۔ قانون ہر جگہ تمہارا تعاقب کرتا رہے گا۔ یاد رکھو تم پر قتل کا الزام ہے۔''

شرما کی اس وارننگ کے بعد اجنہ قبائل کا بوڑھا شخص اسد اللہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ''حضرت ہمیں حکم دیجئے۔''

''تم کیا کر سکتے ہو؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ہم آپ کو ان کی نظروں سے اوجھل کر دیں گے۔''

''مگر اس کے بعد بھی یہ بار بار قلعے کا رخ کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ پولیس ہمیشہ کے لئے ادھر کا رخ کرنے سے تائب ہو جائے۔ پولیس پر دہشت بٹھانے کا اس سے بہتر موقع ہمیں کبھی نہیں ملے گا۔''

درشہوار اس افتاد سے پریشان نظر آتی تھی۔ وہ بوڑھے کے پاس آئی اور اس کے کان میں کچھ کہنے لگی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' اس کی بات سن کر بوڑھا جن اپنے قبائلی انداز میں اچھلنے لگا۔ ''حضرت ہم باہر جا رہے ہیں ہمیں یقین ہے پولیس اس کے بعد اس طرف کا رخ نہیں کریں گی۔''

چند لمحوں بعد پھر انسپکٹر شرما کی آواز آئی۔ ''شاہد علی! شہر میں فرقہ وارانہ فساد ہو گیا ہے۔ اگر پولیس نے تمہیں مسلمانوں کے سامنے پیش نہیں کیا تو تو فساد کی آگ اور بھڑک جائے گی۔ تم اپنی گرفتاری سے ہزاروں بے گناہوں کو قتل ہونے سے بچا سکتے ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے خود کو ہمارے سپرد کر دیا تو پولیس عدالت میں تمہاری معافی کی سفارش کرے گی۔ بہتر ہے باہر آ جاؤ۔ تمہیں اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔''

بوڑھا جن اور دوسرے اجنہ قلعے سے باہر جا چکے تھے' ان کے ساتھ درشہوار بھی تھی۔ شرما بار بار وقت بتا رہا تھا اور خطرناک دھمکیاں دے رہا تھا۔ ثمینہ اور اکبر کی تشویش ناک حالت دیکھ کر میں انہیں قلعے کے روشن دان کی طرف لے گیا جہاں ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ہم باہر کا منظر دیکھ سکتے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ اجنہ پولیس پر بلائے ناگہانی بن کر ٹوٹ پڑیں گے اور جب یہ واقعہ پولیس کے بچے کھچے لوگ محکمے کے ذمہ داروں کے سامنے بیان کریں گے تو وہ آئندہ میرے تعاقب کی حماقت سے توبہ کر لیں گے۔ جب ہم روشن دان کے نزدیک پہنچ گئے تو ہم نے دیکھا کہ چاروں طرف مسلح سپاہی پوزیشن لئے کھڑے ہیں۔ ایک طرف سب انسپکٹر شرما ہاتھ میں بھونپو لئے مجھے وارننگ دے رہا تھا اور وقت بتا رہا تھا۔

ابھی پانچ منٹ کا وقفہ باقی تھا اور انسپکٹر شرما قلعے میں گھسنے کی دھمکی دے رہا تھا کہ اچانک وہ تیورا کر گر گیا۔ جیپ میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی تو وہ بھی اسی طرح جیپ میں لڑھک گیا جب کچھ سپاہی بندوق ہاتھ میں لئے ان کی طرف دوڑتے ہوئے آئے تو ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ پولیس اجنہ کو نہیں دیکھ سکتی تھی خود میں بھی انہیں اس وقت نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا۔ صرف دس بارہ آدمیوں کے اس طرح اچانک چیخ مار کر گرنے اور چلانے کے بعد پولیس میں بھگدڑ مچ گئی۔ انسپکٹر شرما کی جیپ ایک سپاہی نے سنبھال لی اور آناً فاناً وہاں سب گاڑیاں روانہ ہو گئیں۔ دور دور تک چیخ پکار ہوتی رہی۔ گاڑیاں اس تیز رفتاری سے وہاں سے بھاگی تھیں کہ پانچ چھ سپاہی گاڑیوں سے گر پڑے تھے اور پیچھے والی گاڑیاں انہیں کچلتی ہوئی آگے نکل گئی تھیں۔ اس خونیں ہنگامے میں صرف آدھ گھنٹہ صرف ہوا۔

شروع شروع میں تو اکبر اور ثمینہ سہمے ہوئے تھے مگر جب انہوں نے اجنہ قبائل کے ہاتھوں پولیس والوں کا یہ حشر دیکھا تو ہنستے ہنستے ان کا برا حال ہو گیا۔ قلعے میں داخل ہوتے ہی اجنہ قبائل اور درشہوار ہم سب کے سامنے ظاہر ہو گئے اور ہم نے دیکھا کہ وہ قہقہے لگاتے ہوئے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر ہماری طرف آ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر فتح کے آثار تھے۔ جنوں کا یہ قبیلہ یوں بھی مار دھاڑ اور ہنگامہ فساد میں خاصی دلچسپی لیتا تھا اس وقت ان کے شوق کی تکمیل نے انہیں کچھ زیادہ سرشار اور سرمست کر دیا تھا۔ آتے ہی انہوں نے اعلان کیا۔

''حضرت آج رات اس دلچسپ معرکے کی فتح کے سلسلے میں ایک شاندار دعوت ہو گی۔''

میں یہ دعوت آج رات ملتوی کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ مجھے راج کماری شیلا سے ملاقات کرنی تھی۔ کل رات کی طرح میں یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا لیکن اجنہ قبائل کے اس احسان کے بعد انہیں ٹالنا کسی صورت میں مناسب نہ تھا۔ اگر وہ لوگ اتنی تعداد میں نہ ہوتے تو اکیلی درشہوار کے لئے پولیس کی دسترس سے ہمیں بچانا بہت مشکل ہو جاتا۔ اب یہ بات طے تھی کہ پولیس قلعے کا رخ کرتے ہوئے اچھی طرح سوچے گی۔ پولیس کے پانچ سو سپاہیوں نے ہوش و حواس کے عالم میں یہ پُراسرار اور نادیدہ افتاد سہی تھی۔

رات کو اجنہ قبائل کے نوجوانوں نے فتح سے واپس آنے کے بعد اپنے قبیلے کی رسم کے مطابق بھنے ہوئے گوشت کا اہتمام کیا اور نوجوان جنوں نے ایک ایسا رقص پیش کیا جو میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں رقص و موسیقی سے ویسے بھی دور رہا تھا مگر زندگی کا یہ انداز اور جوش و خروش دیکھ کر پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ نفس کشی واقعی کتنی بڑی قربانی ہے۔

دوسری رات بھی مجھے راج کماری شیلا سے ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ روحیں اب میرے احکام کی تابع نہیں تھیں جو پہلے میرے

وظائف پر حاضر ہو کر میرا ہر حکم بجالایا کرتی تھیں۔ میرے وظائف میں کوئی اثر نہیں رہا تھا' اب صرف ایک ہی امید باقی رہ گئی تھی میرے ذہن میں راجکماری شیلا کا تصور ابھرتا تھا اس کی روح نہ جانے کتنے زمانے سے نا آسودگی کی شاکی تھی' میں اس کی روح سے وہ کام لینا چاہتا تھا جو الماس کی اور دوسری روحوں سے لیا کرتا تھا۔ راجکماری شیلا کے ساتھ اس کی باندیوں کنیزوں اور محافظوں کی آتماؤں کا ایک پرا تھا جو میرے اشارے پر بڑے سے بڑا کام کر سکتا تھا۔

تیسری رات مجھے اس کا موقع مل گیا۔ اس وقت میرے پاس کوئی نہ تھا۔ درشہوار کے جانے کے بعد میں آہستہ سے اٹھا اور قلعے کے ویران حصے کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ شکستہ سیڑھیاں عبور کر کے میں طویل راہداری میں آ گیا۔ آج اس حصے میں بڑی ویرانی اور اداسی نظر آ رہی تھی۔ راجکماری کی کنیزیں اور دربان آج بھی مجھے وہاں ملے لیکن وہ سب بڑے سوگوار اور مضمحل نظر آتے تھے۔ کسی نے مجھے نہیں روکا اور نہ ہی کسی نے میرا استقبال کیا۔ میں اس مغموم ہجوم سے گزر کر راجکماری کے خاص کمرے تک پہنچ گیا۔ راجکماری جو حسن میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ وہ جو ایک روح تھی مگر مجھے اس حسین و جمیل روح سے جو لگاؤ ہو گیا تھا وہ آج تک کسی سے نہیں ہوا تھا۔ گزشتہ دنوں میں اکثر و بیشتر راج کماری ہی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے لئے میرے دل میں کچھ ایسے جذبات بیدار ہو رہے تھے جو میں نے اس سے پہلے اس شدت سے کبھی محسوس نہیں کئے تھے۔ راجکماری اگر زندہ ہوتی تو کوئی تعجب نہ تھا کہ میں اسے حاصل کرنے کے لئے تمام دنیا سے جنگ کر لیتا۔ حوالات میں جب وہ آئی تھی' اس وقت بھی میرے دل میں اس کے لئے طوفان اٹھا تھا۔ اب اسی حور شمائل راجکماری کا کمرہ میرے سامنے تھا۔ وہ ہر روز رات کو قلعے کے اس حصے میں دربار سجاتی تھی۔ وہ پردیپ سے عشق کرتی تھی اور مجھے اس نے پردیپ کا درجہ دیا تھا۔ اب میں کسی صورت میں اس کی تردید نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے اس کے کمرے کا شکستہ دروازہ آہستہ سے دھکیلا اور اندر داخل ہوا تو وہ کمرہ مجھے اجڑا اجڑا سا نظر آیا۔ راجکماری شیلا کسی خزاں رسیدہ درخت کی مانند ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑی خلا میں گھور رہی تھی۔ دروازہ کھلنے پر اس نے میری طرف دیکھا۔

''میں آ گیا ہوں' راجکماری!'' میں نے آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔ راجکماری شیلا ایسے چونکی جیسے اچانک گہرے خواب سے بیدار ہوئی ہو۔ اس کے سوگوار چہرے پر ایک دم بہار آ گئی۔ اس کا حسن یکلخت نکھر سا گیا۔ مجھے غور سے سر سے پاؤں تک دیکھ کر وہ مترنم آواز میں بولی۔

''مجھے وشواس تھا کہ تم ضرور آؤ گے پردیپ۔''

''ہاں شیلا میں آ گیا ہوں۔ میں پردیپ ہو گیا ہوں۔ زمانے کا وہ طویل فاصلہ اب رفتہ رفتہ گھٹ رہا ہے جو مجھے تم سے دور رکھے ہوئے تھا۔ میں اپنے ماضی سے قریب آ رہا ہوں۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''پردیپ!'' راجکماری فرط مسرت سے بے تاب ہو کر بولی۔ ''کیا تمہیں گزری ہوئی باتیں یاد آ گئی ہیں۔''

''نہیں شیلا سچ تو یہ ہے کہ مجھے کچھ یاد نہیں آتا لیکن یہ کیا کم بات ہے کہ میں اپنے زہد و اتقا کے باوجود بے اختیار تمہاری طرف کھنچ رہا ہوں۔''

''تم پردیپ ہو..... تم نے دوسرا جنم لیا ہے۔ ممکن ہے اس سے پہلے بھی تم نے کچھ اور جنم لئے ہوں۔ بہر حال جو بھاگ میں لکھا تھا' وہ پورا

ہوا۔ مجھے وشواس ہے کہ تمہیں پچھلے جنم کی باتیں جلد یاد آجائیں گی۔'' شیلا جذبات میں بولی۔ ''تم آگئے میرے لئے یہی سب کچھ ہے۔''

یہ کہہ کر راجکماری میرے قدم چھونے لگی۔ اس کے ہاتھ سرد تھے۔ اس کا جسم روئی کے گالے کی طرح نرم اور برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ مگر وہ اتنی ہی حسین کوئی عورت ہوسکتی ہے۔ میں اس کے قرب سے اپنے دل میں بے پناہ جذبات محسوس کررہا تھا۔ ایسے جذبات جن سے میں عموماً نا آشنا رہا تھا لیکن وہ تو ایک روح تھی..... مجھے معاً خیال آیا۔ میں تو ایک روح کے سامنے کھڑا ہوں۔

''اب تم میرے پاس سے نہ جانا۔'' راجکماری نے یہ جملہ بہت پیار سے کہا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں۔ تمہارے اندر ڈوب جانا چاہتا ہوں لیکن میں سوچتا ہوں تم ایک آتما ہو اور میں ایک زندہ انسان۔ میرا تم سے ملاپ اب اسی صورت میں ممکن ہے کہ میں بھی تمہاری طرح بن جاؤں اور پھر ہم عالم ارواح میں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔ مجھے اب تمہارے بغیر زندگی ادھوری لگتی ہے' مجھے اس دنیا نے اتنے غم دیئے ہیں کہ اب کسی کے قرب میں پناہ نظر نہیں آتی' شیلا' مجھے نہیں معلوم کہ میں تمہارا پردیپ ہوں لیکن تم نے مجھے پردیپ کے طور پر قبول کرلیا ہے۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔''

''تم پردیپ ہو۔ تم وہ زندگی چھوڑ دو..... اور میرے ساتھ رہنے کے لئے آتما کا روپ دھارلو' آتما امر ہے۔ یہ زندگی آنی جانی ہے' تمہیں نہیں معلوم کہ روح جسم سے آزاد ہوکر کتنی بلند ہوجاتی ہے۔'' راجکماری شیلا کی آنکھوں میں چمک تھی۔

''راجکماری مجھے اس زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں' میں اب مرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں' تم وہ عظیم روح ہو جس نے اپنے محبوب سے اتنا عشق کیا کہ دوسری زندگی میں' آتما کی زندگی میں بھی' تم اسے نہیں بھلا سکیں۔ مگر راجکماری! فرض کرو اگر عالم ارواح میں تمہارا اصل پردیپ تمہیں مل گیا تو میرا کیا ہوگا؟'' میں نے اسے چھیڑنے کے لئے کہا۔

''میں ایک آتما ہوں پردیپ۔ جب تم آتما کی شکل میں ڈھل جاؤ گے تو جسم کے بچھڑنے کے بعد تمہیں آتما کی غیر معمولی طاقتوں کا اندازہ ہوگا۔ میری نگاہیں آتما کی نگاہیں ہیں۔ وہ دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ مجھے معلوم ہے' تم پردیپ ہو۔''

''میں پردیپ ہوں یا شاہد علی۔ مگر اب میں تمہارا ہوں۔'' میں نے ایک عزم سے کہا۔

''اگر تم واقعی میرے ہو تو اپنی یہ زندگی ختم کردو۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمہارے لئے زندہ ہوجاتی..... کہیں تمہیں اس زندگی سے بہت پیار تو نہیں؟ زندگی سے سب کو پیار ہوتا ہے۔'' راجکماری نے پوچھا۔

''میرے لئے اب زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں لیکن مرنے اور دوسری زندگی اختیار کرنے سے پہلے اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں تاکہ میری روح کسی انتشار کا شکار نہ رہے۔ میرے ساتھ اس دنیا میں بڑے ظلم ہوئے ہیں' میں اسی دنیا میں ان کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔''

''تم کس سے انتقام لینا چاہتے ہو..... مجھے بتاؤ؟'' راجکماری شیلا نے اپنا سرد ہاتھ میرے ہاتھ سے مس کرتے ہوئے کہا۔

میں نے بے کم و کاست شروع سے آخر تک اپنی تمام سرگزشت سنادی۔ رشیدہ کو پڑھانے کے واقعے سے لے کر قلعے میں آنے تک..... راج کماری میری عجیب و غریب آپ بیتی حیرت و استعجاب سے سنتی رہی۔ اس کے انہماک کی وجہ سے میرے بیان میں جو جوش پیدا ہوگیا۔ میں نے

اس سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ یہ واقعات سناتے سناتے مجھے کئی گھنٹے گزر گئے۔ راج کماری نے اس پر کسی شدید ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے آہستگی سے صرف اتنا کہا۔ ''پردیپ بھگوان کو یہی منظور تھا۔''

میں سمجھتا تھا کہ راجکماری میری الم ناک سرگزشت سننے کے بعد مشتعل ہو جائے گی اور میرے دشمنوں کو زیر کرنے کے لئے الٹا مجھ سے مطالبہ کرے گی لیکن راجکماری کی حیرت انگیز خاموشی نے مجھے مایوس کر دیا۔ میں نے اداسی سے اس سے کہا۔

''تم کیا سوچ رہی ہو؟''

''میں سوچ رہی ہوں میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔''

''ارے تم بہت کچھ کر سکتی ہو شیلا۔ تم ایک روح ہو اور تم نے ابھی کہا تھا کہ روح جسم کی قید سے آزاد ہونے کے بعد غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل ہو جاتی ہے، تم میرے لئے بہت کچھ کر سکتی ہو۔''

''میں نے آج تک صرف تمہارا انتظار کیا ہے۔ میں نے اپنی آتما سے کوئی کام نہیں لیا۔ مجھے بتاؤ میں کس طرح تمہارے کام آسکتی ہوں۔'' شیلا نے بھولپن سے کہا۔

''تم ایک آتما ہو شیلا۔ تم میرے دشمنوں پر قہر بن کر ٹوٹ سکتی ہو۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ روحیں کیا کر سکتی ہیں۔ وہ ان چلتے پھرتے انسانوں کو کس قدر پریشان کر سکتی ہیں۔ تمہارے پاس باندیوں اور دربانوں کی آتماؤں کا ایک ہجوم ہے۔ اگر یہ سب روحیں صرف ایک دن کے لئے میرے حکم کی تابع ہو جائیں تو میں تمہیں بتاؤں کہ ظالم انسانوں کو ایک لمحے میں کیسی اذیت ناک سزائیں دی جا سکتی ہیں۔'' میں نے جوشیلے انداز میں کہا۔

''مجھے بتاؤ پردیپ..... میں تمہارے لئے ان لوگوں سے کس طرح نمٹوں؟'' شیلا نے پھر اسی بھولپن سے کہا۔

''شیلا۔ تمام واقعات میں نے تمہیں سنا دیئے ہیں۔ میں بیرسٹر راشد حسین، اونکار ناتھ، رشیدہ اور دوسرے نابکاروں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری روحانی طاقتیں زائل ہو گئیں تو کیا ہوا۔ میرے پاس اب بھی بہت کچھ ہے..... میرے پاس میری شیلا ہے۔'' میں نے اعتماد اور محبت سے اسے دیکھا۔

شیلا مشتاق نظروں سے مجھے دیکھتی اور سنتی رہی۔

''سنو شیلا۔ تم اونکار ناتھ، راشد حسین اور رشیدہ کے پاس جاؤ اور میرے ان دشمنوں کی صورت دیکھ کر خود فیصلہ کرو کہ انہیں کون سی سزا دی جائے۔ شیلا جب تک یہ لوگ کسی بدترین صورت حال سے دوچار نہیں ہو جاتے میں ہمیشہ بے چین رہوں گا اور اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تم مجھ سے دور رہو گی۔ معلوم نہیں پھر ہمارا ملاپ کب ہو۔''

''میرے پردیپ۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے لئے میں سب کچھ کروں گی جو تم چاہتے ہو۔ میں ابھی وہاں جاؤں گی۔ میرے لئے فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میں دیکھوں گی کہ میری آتما تمہاری آتما کو کتنا شانت کر سکتی ہے لیکن تم اس کے بعد مجھ سے بچھڑ تو نہیں جاؤ گے؟''

''نہیں شیلا۔ میں اب اپنے اختتام تک آپہنچا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے جلد ملوں گا۔''

میں نے راج کماری سے اجازت چاہی۔ رات خاصی گزر چکی تھی۔ میں نے رخصت ہونے سے پہلے اسے اپنے سینے سے لگایا اور دیوانہ

واراس کے برفیلے ہاتھوں کو بوسے دیئے' چلتے ہوئے میں نے کہا۔''اب ہماری جدائی کے دن ختم ہونے والے ہیں۔''

''پردیپ!''راج کماری سسکتی ہوئی بولی۔''میں ان لوگوں کو دیکھنے جارہی ہوں جنہوں نے تمہیں دیکھ پہنچایا ہے۔میں کل رات تمہاری منتظر رہوں گی۔تم آؤ گے نا؟''

''ہاں شیلا میں ضرور آؤں گا۔''میں نے اس سے وعدہ کیا اور اسے اداس چھوڑ کر قلعے کے اس حصے میں چلا آیا جہاں ہم سب ٹھہرے ہوئے تھے۔درشہوار میرے بستر کے قریب بیٹھی تھی۔اسے دیکھ کر میرے قدم اچانک رک گئے۔میں نے اس سے پوچھا۔''تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟''

''ہاں۔مگر آپ کہاں گئے تھے؟''درشہوار نے سوال کیا۔

''میں یوں ہی ذرا قلعے کے ویران حصے کی طرف چلا گیا تھا۔''میں نے اسے ٹالنا چاہا اور اس سے پہلے کہ وہ اور کچھ پوچھتی میں نے کہا۔''اب مجھے نیند آرہی ہے۔تم بھی سوجاؤ۔''میں نے اپنے ان جملوں کا تاثر دیکھنے کے لئے درشہوار کا چہرہ نہیں دیکھا اور چادر اوڑھ کر لیٹ گیا معلوم نہیں درشہوار کب وہاں سے گئی۔

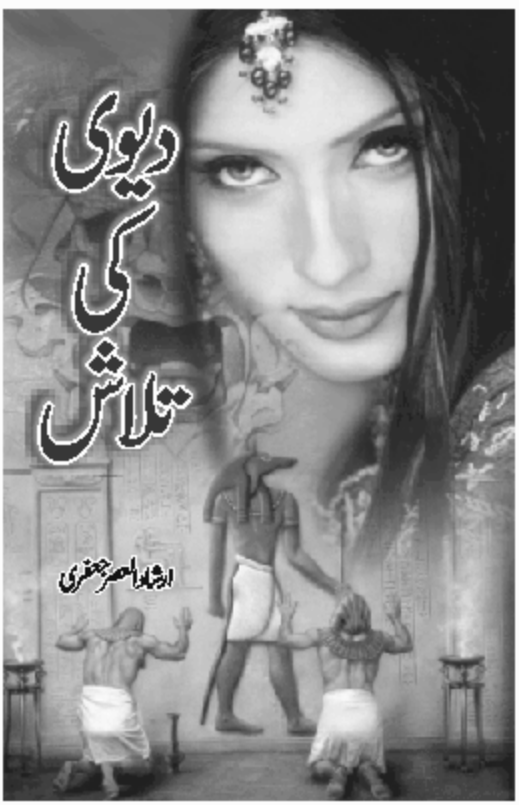

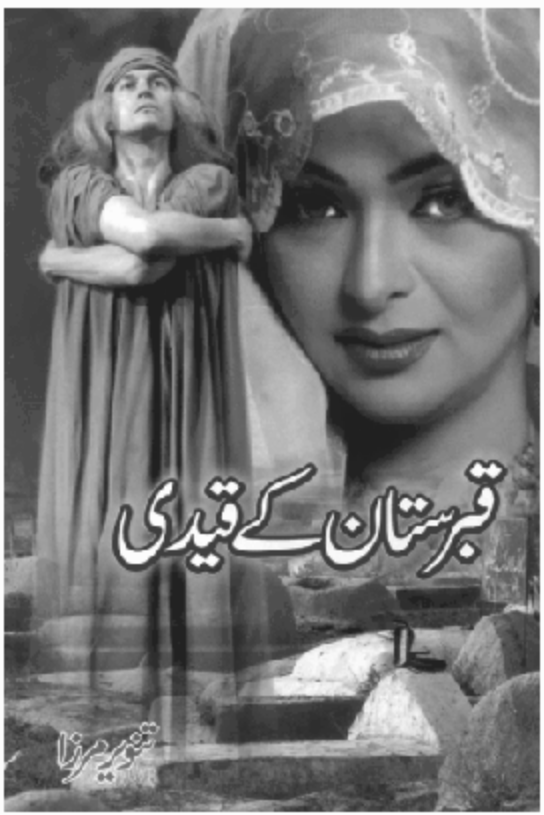

کوئی دس بجے دن کے قریب مجھے اکبر نے جھنجھوڑ کر جگایا۔ اتنی دیر میں اٹھنے کی وجہ سے مجھ پر خفت طاری ہوگئی تھی۔ جتنی دیر میں سویا رہا۔ میرا ذہن منتشر رہا۔ میں نے عجیب ہولناک خواب دیکھے۔ کبھی میں نے دیکھا کہ میں چاندنی رات میں بادبانی کشتی پر سوار دریا کی سیر کر رہا ہوں 'راج کماری شیلا میری گود میں سر رکھے لیٹی ہے' کبھی میں نے ہولناک چہروں کے بتوں میں خود کو گھرا ہوا پایا' کبھی میاں صاحب مجھے اجنبی نظروں سے گھورتے ہوئے نظر آئے' کبھی میں نے طوفانی ہواؤں میں خود کو بے بسی سے ناچتے ہوئے دیکھا۔ غرضیکہ میں پریشان پریشان اور الجھے الجھے خواب دیکھتا رہا۔ جس وقت اکبر نے مجھے جگایا۔ اس وقت بھی میں راج کماری شیلا کے ساتھ کوئی دریا پار کر رہا تھا۔

میں نے آنکھیں کھولیں تو ثمینہ اور درشہوار کو بھی اپنے قریب پایا۔ ثمینہ کی نگاہوں میں خون کی سرخیاں تیرتی ہوئی مجھے نظر آئیں۔ اس کی نگاہوں میں محبت اور عقیدت کے بجائے نفرت تھی اور چہرے پر شدید کرب کے آثار۔

''شاہد میاں اٹھو دن چڑھ آیا ہے۔'' اکبر نے خشک لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔

''کیا ہوا.....؟ تم لوگوں نے مجھے کیوں اٹھا دیا؟'' میں نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں نہیں معلوم کہ میں رات بھر جاگتا رہا ہوں۔''

''مجھے احساس ہے۔ یقیناً تم رات کو جاگے ہوگے۔'' اکبر نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ ''شاہد میاں تم میرے دوست بھی ہو اور محسن بھی۔ میں نے ہمیشہ تمہاری عزت بھی کی ہے مگر اب مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ تم اپنے مقام سے گر گئے ہو۔''

میں نے آنکھیں ملتے ہوئے حیرت سے اکبر کو دیکھا۔ اس کی بات کا مفہوم میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ اکبر نے اس لہجے میں کبھی مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ میں نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن ثمینہ بول پڑی۔ اس کی آواز غصے کی شدت سے لرز رہی تھی۔

''بھائی صاحب میں نے آپ کو بھائی کہا ہے۔ ہمیشہ بھائی ہی سمجھتی رہوں گی۔ رشیدہ باجی نے جو برتاؤ آپ کے ساتھ کیا ہے' میں نے اس پر ہمیشہ انہیں لعن طعن کی ہے لیکن میں پوچھتی ہوں باجی کے معصوم بچوں نے آخر آپ کا کیا بگاڑا تھا۔''

میں الجھ رہا تھا' اکبر اور ثمینہ کیا کہہ رہے تھے' میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''اکبر میں نہیں سمجھ سکا کہ تم لوگ کس بات پر مجھ سے شاکی ہو' مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔''

''خدا کے لئے بھائی جان انجان نہ بنئے۔'' ثمینہ تیزی سے بولی۔ ''میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ گڈو اور بے بی کو معاف کر دیجئے وہ معصوم اور بالکل بے قصور ہیں۔ آپ رشیدہ باجی کو جو چاہیں سزا دیں' میں اف نہ کروں گی لیکن ان معصوم بچوں پر رحم کیجئے بھائی صاحب۔''

اکبر میرے چہرے کے تاثرات غور سے پڑھ رہا تھا۔ ثمینہ کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

''شاہد میاں ابھی ابھی درشہوار نے ہمیں بتایا ہے کہ رشیدہ کا ذہنی توازن اچانک بگڑ گیا ہے اور اس کے بچے موت کے قریب ہیں۔ درشہوار شہر کی طرف گئی تھی تاکہ بیرسٹر راشد حسین اور اونکار ناتھ کے شرانگیز منصوبوں کا پتہ چل سکے مگر تم اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے تم کچھ جانتے ہی نہیں۔''

بتایئے بھائی صاحب آپ اتنے سنگدل کب سے ہوگئے۔'' ثمینہ میرا ہاتھ تھام کر رقت بھرے لہجے میں چیخی۔ ''آپ جیسے بزرگ نے ان

معصوموں پر یہ ظلم کیوں کیا' یہ کون سا انتقام ہے ان معصوموں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔ انہیں اپنے عتاب سے بچا لیجئے بھائی صاحب' چاہے آپ مجھے سزا دے لیں۔ میں آپ کو خدا رسول کا واسطہ دیتی ہوں' آپ چپ کیوں ہیں خدا کے لئے کچھ کیجئے۔''

ثمینہ رو رو کر اور ہاتھ جوڑ کر فریاد کر رہی تھی۔ اکبر کی نگاہوں میں میرے لئے شدید نفرت جھلک رہی تھی لیکن میں گنگ سا ان لوگوں کے درمیان کھڑا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' میں انہیں کیا جواب دوں۔ مجھے معلوم تھا کہ راجکماری نے میرا انتقام لینے کے لئے رشیدہ کے بچوں کو اور اسے سب سے پہلے اپنا شکار بنایا ہے۔ اس واقعے سے جہاں مجھے دکھ تھا وہیں راج کماری شیلا کے اس فوری ردعمل سے خوش بھی تھا۔ اس وقت مجھے پھر اپنی معصوم بہن اور ماں باپ یاد آ گئے۔ جیل کے سات سال اور ذلت و رسوائی کے وہ کرب ناک دن جنہیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکا تھا۔ میں ان لوگوں کو کسی قیمت پر معاف کرنے کو تیار نہ تھا۔ راجکماری کی مضطرب روح اب میری غلام بن چکی تھی۔ میں اس کی غیر مرئی طاقت کے ذریعے اپنے دشمنوں کو ہولناک حالات سے دوچار کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

میں ادھر اپنے ہی خیالات میں مستغرق تھا ادھر ثمینہ بین کر رہی تھی۔ درشہوار نے اسے مجھ سے علیحدہ کیا۔ میں وہاں سے جانے کے لئے ہٹا ہی تھا کہ اکبر نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔ ''شاہد میاں تم انسان تھے۔ درندے کیسے بن گئے۔'' اکبر کی آواز کانپ رہی تھی۔

''میں تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا'' میں نے تلخی سے جواب ''تم نے جو کچھ سنا ہے وہ کسی اور ہی طاقت کا کرشمہ ہے۔ میں تمہیں پھر کسی وقت تفصیل سے بتاؤں گا۔ تم اس وقت ثمینہ کو سنبھالو۔''

اکبر جذباتی ہو گیا تھا۔ میں اسے سمجھانے بجھانے کے بعد باہر آ گیا۔ قلعے سے باہر آ کر میں نے دیکھا کہ درشہوار افسردہ افسردہ سے میرے پیچھے آ رہی ہے۔

''دری!'' میں نے اسے دیکھ کر کہا۔ ''مجھے بتاؤ تم نے وہاں کیا دیکھا؟''

''میں رات بھی وہاں گئی تھی۔ پورے شہر میں فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں۔ لوگ پولیس سے آپ کو طلب کر رہے ہیں۔ ہندوؤں کے مکانات مسلمان اور مسلمانوں کے مکانات ہندو جلا رہے ہیں۔ پنڈت اونکار ناتھ شہر سے غائب ہے۔ پولیس کے کئی افسران معطل کئے جا چکے ہیں۔ سارا شہر آگ اور خون کی لپیٹ میں ہے۔ جب میں صبح بیرسٹر راشد حسین کے گھر گئی تو وہاں میں نے دیکھا کہ رشیدہ کی ذہنی حالت بگڑ گئی ہے اور اس نے اپنے دونوں بچوں کو مار مار کر موت کے قریب کر دیا ہے لیکن یہ سب کیسے ممکن ہوا؟'' درشہوار مجھے حیرت سے دیکھ کر بولی۔ ''میاں صاحب کے روٹھ جانے کے بعد تو آپ کی طاقت.....''

''تم میری طاقت کا اندازہ نہیں لگا سکو گی دری۔'' میں نے درشہوار کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تم دیکھتی رہو۔ ابھی کیا ہوتا ہے۔ ابھی تم اور بہت سی عبرتناک اور اذیت ناک خبروں کی منتظر رہو۔''

درشہوار تحیر آمیز نظروں سے گم صم کھڑی مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے دریا کے کنارے اپنے منہ پر پانی کے چھپکے مارے اور مسرت کے اظہار کے طور پر کچھ چھینٹے درشہوار کی طرف اچھال دیئے۔ اس نے میری یہ چھیڑ خانی دلکش نظروں سے دیکھی نہ جانے وہ اپنے دل میں کیا سوچ رہی ہو.....

دوپہر ہوگئی تھی مگر مجھے شدت سے رات ہونے کا انتظار تھا۔

جب رات آئی تو میں سب کی نظروں سے بچ کر باہر نکل گیا اور جب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ سب لوگ سو گئے ہیں تو میں راج کماری کے پاس پہنچا۔ وہ سیڑھیوں پر میری منتظر تھی۔ میں نے بڑھ کر اسے آغوش میں لے لیا اور ہم دونوں اسی کمرے میں چلے آئے جہاں راجکماری کی روح بسیرا کرتی تھی۔

''پردیپ..... آؤ تمہیں اروپ دیوتا کے درشن کراؤں۔'' اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

راج کماری شیلا کی آتما میرے پہلو میں تھی اور میں ایک شکستہ طاقچے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس طاقچے کا رنگ امتداد زمانہ سے اڑ چکا تھا۔ میں اپنے خیالات میں غرق تھا اور حیران تھا کہ راجکماری کون سے اروپ دیوتا کے درشن مجھے کرانا چاہتی ہے لیکن اب میں اس مرحلے پر پہنچ چکا تھا جہاں عقل ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور جنون اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ راجکماری نے طاق کے قریب پہنچ کر مسکراتی نظروں سے دیکھا اور ایک عجیب عقیدت اور شان سے طاق میں رکھی ہوئی سنگ مرمر کی ایک خوبصورت چھوٹی سی مورتی اٹھا کر مجھے دکھائی۔

''اروپ دیوتا!'' راجکماری شیلا نے وہ چھوٹی سی مورتی عقیدت سے چومتے ہوئے کہا۔ ''دیوتا کو پرنام کرو پردیپ!''

''اروپ دیوتا!'' میں جیسے خواب سے بیدار ہوگیا۔ میں نے حیرت سے پتھر کی وہ مورتی جو ہندوؤں کے کسی دیوتا کی تھی' دیکھتے ہوئے شیلا سے دریافت کیا۔ ''یہ اروپ دیوتا ہیں؟''

''ہاں..... ارے تم اروپ دیوتا کو بھی نہیں پہچانتے؟ کتنے بدل گئے ہو تم!'' شیلا نے معصومیت سے کہا۔

''شیلا!'' میں نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں دیوی دیوتاؤں پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ میں ایک مسلمان ہوں۔ تم یہ مورتی پھر سے طاق پر رکھ دو.....''

راج کماری کو اس طرز عمل کی توقع نہیں تھی۔ وہ میرا جواب سن کر لرزنے لگی۔ اس نے اپنی حسین آنکھیں ایک لمحے کے لئے بند کرلیں اور کانوں پر ہاتھ رکھ لئے..... وہ مجھے متعجب نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو پردیپ..... تمہیں اپنا پچھلا جنم کیوں یاد نہیں آتا؟ وہ زمانہ تمہیں یاد نہیں آتا؟ جب تم دیوی دیوتاؤں کا بڑا مان کرتے تھے۔ اروپ دیوتا کی یہ مورتی تم ہی نے مجھے کاشی سے واپس آکر دی تھی۔ یاد کرو پردیپ۔''

''یقین کرو شیلا مجھے کچھ یاد نہیں آرہا۔ صرف اس قدر یاد آتا ہے کہ تم اس لڑکی کے مطابق ہو جس کے خواب میں بچپن اور نوجوانی میں دیکھا کرتا تھا۔ جس وقت سے میں نے عبادت و ریاضت اختیار کی ہے' کسی عورت کے متعلق نہیں سوچا۔ تمہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے اور یوں بھی میں آواگون کا قائل نہیں ہوں۔ اس کے باوجود میں تمہارے لئے اپنے دل میں بے پناہ کشش محسوس کرتا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں جیسے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے' جیسے تم مجھ سے بے حد قریب رہی ہو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں اسے گزشتہ جنم کی کوئی یاد نہیں مانتا میں تو اسے تم سے ہونے والی شدید محبت کا سبب سمجھتا ہوں لیکن اگر تم یہی سمجھتی ہو کہ میں تمہارے پچھلے جنم کا کوئی محبوب ہوں تو میں تمہارا یہ خیال مسترد نہیں کروں گا کیونکہ اس سے تمہاری دل شکنی ہوگی۔''

''تم نے دوسرا جنم لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تم سب کچھ بھول گئے ہو مگر یہی بات میرے لئے بہت ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ میرے لئے اپنی موجودہ زندگی قربان کر دینا چاہتے ہو۔ مجھے وشواس ہے کہ تمہیں سب کچھ یاد آجائے گا۔ میں نے اروپ دیوتاؤں سے لو لگائی ہے۔ میں ایک زمانے سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ میں بڑی ابھاگن ہوں۔'' راجکماری شیلا نے رقت بھرے لہجے میں کہا۔

میرا حال عجب تھا۔ گو مجھے اپنی موجودہ زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور میں نے بہت مصائب و آلام اٹھانے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب راجکماری شیلا کی مضطرب روح کو سکون پہنچانے کے لئے خود بھی روح کے قالب میں ڈھل جاؤں گا جو ہر شخص کی آخری منزل ہے۔ میں نے راجکماری سے وعدہ بھی کیا تھا کہ اس دنیا میں چند ظالم لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد اس سے آملوں گا۔ مجھے اپنے دل کا یہ احوال لکھنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ راجکماری شیلا کے والہانہ التفات' اس کے ہوشربا حسن اور اس کے لہجے کی حسرت و یاس نے مجھے اس سے بہت قریب کر دیا تھا کہ میں اروپ دیوتا کی شناخت کر لیتا اور اس پتھر کے بت کے سامنے اپنی عقیدت کا اظہار بھی کرتا۔ میں راجکماری کی مسلسل ضد کے بعد بھی خود کو اس امر پر آمادہ نہ کر سکا کہ اتنی دور چلا جاؤں۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ اس طرح راجکماری کی آتما کو صدمہ پہنچا رہا ہوں اور وہ مجھ سے کسی بھی لمحے بدظن ہو سکتی ہے۔ اس کے ناراض ہونے کے بعد میں کہیں کا نہ رہتا۔ میرے سارے خواب ادھورے رہ جاتے

''شیلا..... اگر آواگون کوئی حقیقی امر ہے تو یہ بات بھی تمہیں تسلیم کرنی چاہئے کہ پردیپ کی شکل میں آنے سے پہلے ممکن ہے میں کسی اور علاقے کسی اور مذہب میں پیدا ہوا ہوں۔ مجھے اس گم گشتہ جنم کی کوئی بات یاد نہیں تو پردیپ کے جنم کی بات کیسے یاد رہ سکتی ہے۔ ہر شخص اپنے جنم سے عبارت ہے جس میں وہ سانس لیتا ہے۔ میں نے ایک خاص انداز مسلک اور عقیدے سے اس جنم میں اپنی زندگی سینچی ہے۔ مجھے یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ میں اروپ دیوتا کے سامنے سر جھکاؤں۔ میں نے اپنے مذہب میں بت شکنی سیکھی ہے بت پرستی نہیں سیکھی۔ میری ماں' بہن' میرے خاندان میری ماحول نے پورے یقین کے ساتھ یہ بات باور کرائی ہے کہ..... بتوں کو پوجنا کفر ہے۔ میری عزیز شیلا۔'' میں نے اس کی کمر کے گرد حلقہ تنگ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم جانتی ہو کہ مجھے پچھلے جنم کی پُراسرار باتیں قبول کرنے میں ابھی وقت لگے گا اور تم کیوں اس پر اصرار کرتی ہو۔ میں تو خود اس زندگی سے ناتا توڑ رہا ہوں اور ابدی و لافانی عالم ارواح میں منتقل ہونے کے لئے بے چین ہوں۔ وہاں میں تمہارا ہوں گا۔ صرف تمہارا مگر ابھی تم مجھے مجبور نہ کرو۔''

راجکماری نے میری باتیں آنسوؤں کے ساتھ سنیں۔ ''تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ میری سمجھ میں آرہا ہے۔ میں تمہیں کسی بات کے لئے مجبور نہیں کرتی۔ تمہارا موجودہ روپ چاہے کچھ بھی ہو لیکن مجھے اس کا یقین ہے کہ تم پردیپ ہی ہو اور اب مجھے دوبارہ مل گئے ہو' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم نے اب سے پہلے اپنی موجودہ زندگی میں کیا کیا' لیکن پردیپ اب تم میرے ہو میں تمہیں ہر بات یاد دلاؤں گی۔ میری بات سنو۔ وہ جنم بہت سندر تھا' تم ایک بڑے راجکمار تھے اور میں ایک راجکماری تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے پریم کرتے تھے۔ اروپ دیوتا کے سامنے ہم نے ہمیشہ ساتھ رہنے کی قسم کھائی تھی۔ حیرت ہے کہ تم اب اروپ دیوتا سے اتنے ڈرتے ہو۔ اروپ تو بڑے مہان شکتی والے اور پریم کرنے والے دیوتا کا نام ہے' میں تمہیں بتاؤں کہ اروپ دیوتا کی مدد کے بغیر ہم اپنے سب سے بڑے دشمن اونکار ناتھ کو زیر نہیں کر سکتے۔ میری آتما میں اتنی شکتی نہیں ہے کہ

میں اس مہان پنڈت کو کوئی نقصان پہنچا سکوں۔"

"کیا مطلب؟.....تم کیا کہہ رہی ہو شیلا؟.....کیا پنڈت اونکار ناتھ آسمان پر رہنے والی آتماؤں کی دسترس سے بھی دور ہے؟" میں نے جھنجلا کر کہا

"ہاں پردیپ.....آتمائیں گیانی دھیانی منشوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔اس سلسلے میں دیوتا ہی کچھ کر سکتے ہیں، میں آج رات اونکار ناتھ کی تلاش میں گئی تھی۔اس نے پاربتی دیوی کے مندر میں ایک جاپ شروع کر دیا ہے۔اب میں اس ہر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔" شیلا نے مایوسی سے کہا۔

میری حالت غیر ہوگئی تھی۔ایسا معلوم ہوا جیسے کہیں قریب کوئی زلزلہ آ گیا ہو۔راجکماری شیلا نے مجھے دل گرفتہ دیکھ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے برف پر ہاتھ رکھ دیئے ہوں۔میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔میں صرف اس کی صورت اور طاق پر رکھی ہوئی اروپ دیوتا کی مورتی کو تکتا رہا۔

"پردیپ۔اروپ دیوتا کی شکتی مہان ہے۔اگر دیوتاؤں کا آشیرواد تمہارے ساتھ رہا تو ہم سب پھل ہو جائیں گے۔اروپ دیوتا کو ناراض مت کرو۔اس مورتی کی پوجا کرو، دیوتا تم سے راضی ہو جائیں گے اور تمہاری ساری آشائیں پوری ہو جائیں گی۔" شیلا نے مجھے سمجھایا۔

"میں یہ نہیں کر سکتا شیلا، میرا دل نہیں مانتا" میں نے صاف کہہ دیا.....

"تمہارے دیوتا تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔تم اپنے دشمنوں کو کبھی شکست نہیں دے سکتے۔میں کچھ نہیں کر سکتی۔پرنتو اب وہ سمے آ گیا ہے کہ اروپ دیوتا ان پاپیوں کو سزا دیں۔اروپ دیوتا کا ساتھ رہا تو دھرتی کی کوئی بھی شکتی تمہیں پریشان نہیں کر سکے گی۔اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تم اس زندگی میں ہمیشہ بے چین رہو گے اور تمہاری آتما بھی میری طرح مضطرب رہے گی۔آتما کا دکھ تم نہیں جانتے۔جو انسان اس دنیا میں اپنا حساب چکا جاتے ہیں ان کی آتمائیں بڑی شانت رہتی ہیں اور جن کا اس دنیا سے کوئی نہ کوئی سلسلہ برقرار رہتا ہے وہ ہمیشہ اشانت رہتی ہیں، اس دنیا میں مجھے تمہارا غم رہ گیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ میں اب تک پریشان تھی۔آتما کا یہی دکھ کیا کم ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اس دنیا میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتی۔جب جسم سے آتما کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو وہ ٹوٹ ہی جاتا ہے اور جسم میں مقید آتما کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ایک دوسری دنیا بھی موجود ہے اور اس قید کی کیفت عارضی ہے۔جب آتما جسم سے بچھڑ جاتی ہے تو وہ دونوں دنیاؤں کا گیان رکھتی ہے اور اس لئے بڑے دکھ میں رہتی ہے۔جب وہ اس دنیا میں کسی جسم کے ساتھ رہتی ہے تو اسے صرف اسی دنیا کا گمان ہوتا ہے۔دوسری دنیا کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔تم نہیں جانتے کہ اگر تمہارا اس دنیا سے کوئی رشتہ رہا تو تمہاری آتما کتنی پریشان رہے گی۔میں تمہارے سامنے ہوں، میرا حال دیکھوں، میری مانو، میرے ساتھ اروپ دیوتا کے استھان پر چلو، وہ یہاں سے بہت دور ہے۔میں تمہیں ہمالیہ کے دامن میں لے چلوں گی۔وہاں تم اروپ دیوتا کے چرنوں میں سر رکھ کر بنتی کرنا، وہ تمہیں آشیرباد دیں گے، وہ بڑی اچھی جگہ ہے وہاں تمہیں سکون ملے گا۔اروپ دیوتا کسی کو مایوس نہیں کرتے۔" پھر شیلا نے اروپ دیوتا کی غیر معمولی صفات، اس کے استھان اور اس سے اپنی گہری عقیدت کے بارے میں ساری تفصیلات جوش و خروش سے بتائی۔

کمرہ آج سجا ہوا تھا مگر ماحول اداس تھا۔میں راجکماری اور اروپ دیوتا کے ذکر سے توجہ ہٹا کر کچھ سوچنا چاہتا تھا۔میرے ہوش و حواس

معطل ہو چکے تھے۔ ذہن پر ایک عجیب قرب کا عالم طاری تھا۔ فکر کی کوئی ایک سمت متعین نہیں ہونے پا رہی تھی۔ میں نے راجکماری کی زلفیں ہاتھ میں لے کر چومنی شروع کر دیں۔ ایک لمحے بعد وہ مجھے اپنے بستر پر کھینچ لائی اور رشیدہ اور اس کے بچوں کا حال سنانے لگی۔ اس نے راشد حسین کے بارے میں ایک حیرت انگیز انکشاف کیا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے اسے آنکھوں سے محروم اور مفلوج کر آئی ہے۔ رشیدہ کے دونوں بچے چل بسے ہیں اور رشیدہ ان کے غم میں دیوانی ہو گئی ہے۔ میں یہ خبر سن کر ششدر رہ گیا اور میرے ذہن کو اتنا سکون ضرور ملا کہ اونکار ناتھ نہیں تو کم از کم راشد حسین اپنے انجام کو ضرور پہنچ گیا ہے۔ راجکماری اپنی کل اور آج کی روداد اس دل نشین انداز سے سنا رہی تھی اور میری طرف اس طرح متوجہ تھی جیسے میں اسے اس کے ان کارناموں پر بھرپور داد دوں گا۔ میں نے اسے اپنے اور قریب کر کے ستائش و تحسین کا اظہار کیا۔

میں رات بھر نزع کی کیفیت میں مبتلا رہا۔ راجکماری کا نرم و گداز قرب اس کا جنون اور شوق بھی میرے منتشر خیالات کو سکون نہ پہنچا سکا۔ راجکماری شیلا میری اس کیفیت سے بہت گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس نے یہ کربناک سکوت توڑنے کے لئے کہا۔ ''پردیپ تم اروپ دیوتا کے پاس کب چل رہے ہو؟''

''اروپ دیوتا؟ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور حسرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔'' راجکماری کل میں تمہارے پاس آؤں گا اور پھر ہم طے کریں گے کہ اروپ دیوتا کے پاس جانا مناسب ہے یا نہیں۔''

''اور میں جو تم سے کہہ رہی ہوں۔'' راجکماری ضد کر کے بولی۔'' تم ایک بار چل کے دیکھو۔ کاش میں تمہیں یاد دلا سکتی کہ کبھی تم خود اروپ دیوتا کے کس قدر گن گایا کرتے تھے۔''

''میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' آخر میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔'' مگر میں تمہیں کل بتاؤں گا۔'' میں اتنا بڑا قدم سوچے سمجھے بغیر نہیں اٹھا سکتا تھا۔

''کل کیوں۔ ابھی کیوں نہیں؟'' راجکماری بچوں کی طرح بولی۔

''اس لئے۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔'' اس لئے کہ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں' میں اپنا ذہن ہموار کرنا چاہتا ہوں۔''

اس انکار و اقرار میں صبح ہونے لگی۔ میں نے راجکماری سے اجازت چاہی' اس دن راجکماری کے انداز میں بڑی التجا تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ مغموم معلوم ہوتی تھی' چلتے وقت اس نے مجھ سے آئندہ شب آنے کا وعدہ لیا اور میں اس کے سرد ہاتھوں کو بوسہ دے کر وہاں سے بوجھل قدموں سے رخصت ہو گیا۔

راجکماری کی داسیاں ابھی تک وہاں موجود تھیں۔ میں قدم بڑھاتا اس ویران حصے سے نکل کر اس طرف آ گیا۔ جہاں میرا قیام تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اکبر اور ثمینہ قلعے کے اس حصے میں ہوں گے جو ان کے لئے مخصوص تھا۔ جس وقت میں اپنے گوشہ تنہائی کی طرف آیا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ درشہوار بے چینی سے وہاں ٹہل رہی تھی۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو تیزی سے میرے قریب آ کر بولی۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے؟ میں آپ کو پورے قلعے میں تلاش کرتی رہی' میرے ذہن میں طرح طرح کے خدشات ابھر رہے تھے۔ میں

آپ کے لئے بڑی پریشان تھی۔''

''میرے لئے؟'' میں نے اجنبیت سے کہا۔ ''میرے لئے پریشان ہونا چھوڑ دو دری۔ مجھے اب ان باتوں سے صدمہ ہوتا ہے۔''

''آپ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' اس کی نظروں میں شکایت تھی۔ اس کے ایک ایک لفظ میں ہزاروں سوالات چھپے ہوئے تھے۔ میں اس کے چہرے پر بے قراری اور اضطراب دیکھ رہا تھا۔

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے دری۔ تم نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ میں پہلے ہی تمہارا احسان مند ہوں۔ اب تم میرے لئے پریشان نہ ہوا کرو۔''

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ یہ آپ کہاں گئے تھے؟ بتا کر تو جاتے؟''

''جانتی ہو میں کہاں گیا تھا؟'' میں نے اسی لہجے میں کہا۔

''کہاں؟'' درشہوار نے بھولپن سے پوچھا۔

''میں روحوں سے ملنے گیا تھا۔''

''روحوں سے؟ کہاں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا

''چند بے تاب اور بے قرار روحوں سے۔ اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں جلد ہی اس جسم سے تعلق توڑ رہا ہوں۔ میں عالم ارواح میں پہنچ کر روحوں کی دائمی رفاقت حاصل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ کچھ شریف روحیں ازل سے میرے ساتھ ہیں۔ میں ان سے بچھڑ گیا تھا' اب میں ان سے مل گیا ہوں۔ بس یہی میری روداد ہے۔'' میں نے زہر خند سے کہا۔

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''

''ہاں تم تو یہ سمجھتی ہوں کہ اب بھلا میرا روحوں سے کیا تعلق؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ ذرا شہر میں جا کر دیکھو وہ کمینہ راشد حسین رہتا ہے' وہ اپنی آنکھوں سے محروم اور سر سے پاؤں تک مفلوج ہو چکا ہے۔ میری محبوب روحوں نے رشیدہ کے بچوں کو ہمیشہ کے لئے اس سے جدا کر دیا ہے۔ اونکار ناتھ بھی جلد اپنے انجام کو پہنچ جائے گا اور پھر میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔''

درشہوار نے قریب آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''مجھے سچ سچ بتایئے کہ آپ کہاں گئے تھے؟''

''گویا میں اب تم سے جھوٹ بھی بولنے لگوں گا'' میں نے حقارت سے کہا۔

''نہیں آپ غلط سمجھے۔ دراصل آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔'' درشہوار نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا دری۔ تم جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ہو سکے تو ثمینہ اور اکبر کو ساتھ لیتی جاؤ۔ میری تم سے صرف اتنی درخواست ہے کہ تم ان کی نگہداشت کرتی رہنا۔ یہی ایک آخری احسان تم مجھ پر کر سکتی ہو۔''

''آپ کی ایسی حالت کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آپ تو بالکل مایوس ہو گئے ہیں۔'' درشہوار نے اداسی سے کہا۔

''تم سچ کہہ رہی ہو۔ میں واقعی مایوس ہو چکا ہوں۔ ایک زمانے میں میاں صاحب میرے ہمدرد تھے۔ اب انہوں نے مجھ سے پردہ کر لیا ہے۔ ابوالحسن اور اجنہ کی ایک فوج میری عقیدت مند تھی، اب انہوں نے بھی نگاہیں پھیر لی ہیں۔ میرے تمام عقیدت مند مجھ سے دور ہو چکے ہیں۔ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ اکبر اور ثمینہ بھی مجھ سے کترانے لگے ہیں۔ میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں ان بدطینت اور شیطان لوگوں کو سزا دینا چاہتا تھا جنہوں نے اس دنیا میں کمزور انسانوں پر ظلم کرنا اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ میرے متعلقین نے مجھ سے تعاون کرنے کے بجائے میرے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کر لیا ہے۔ اب مجھے یہاں کی ہر چیز ہر بات مصنوعی اور بے اعتبار لگتی ہے۔ یہ دنیا ایک نائک ہے' ایک دھوکا ہے۔ ایک تم میری ہمدرد رہ گئی ہو' تم بھی کب تک مجھ سے آس لگائے رکھو گی۔ اب تو میں ایک روح ہوں' میں بھی انہی روحوں میں سے ایک ہوں' جاؤ دری تم اپنے بابا کے پاس جاؤ اور جا کر شادی کر لو۔ اپنا گھر بساؤ۔ کاش میں تمہیں کوئی دعا دے سکتا۔ مگر آہ! اب تو میں اس کا بھی اہل نہیں رہا۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''آپ کی باتوں سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میں نے ایسا نہیں سوچا تھا کہ آپ اس قدر بدل جائیں گے۔ میری بات چھوڑیئے' میں تو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گی۔ آپ مجھے خود سے کیوں جدا کر رہے ہیں۔'' درشہوار نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ ''کم از کم مجھ پر تو اعتماد کیجئے۔''

''دری۔ میں نے بہت غور و فکر کے بعد ایک فیصلہ کیا ہے۔ یقین کرو اس دنیا سے میرا دل اچاٹ ہو چکا ہے۔ میں مرجانا چاہتا ہوں' مجھے مرجانے دو۔'' میں نے ٹوٹ کر کہا۔

درشہوار پر سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ بت بنی میری صورت تکتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مجھے احساس تھا کہ میری ان باتوں سے اس کے نازک احساسات پر ضرب لگی ہو گی لیکن اب میں اپنے سر پر کوئی بوجھ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ درشہوار چند ثانئے اسی جگہ کھڑی رہی وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ آخر وہ روتے ہوئے بولی۔ ''آپ نے خود اپنے آپ پر توبہ کے دروازے بند کر لئے ہیں۔ میں نے آپ سے لاکھ کہا کہ آپ پہاڑی پر واپس چلیں، آپ نہیں مانے' آپ نے بزرگوں کی شان میں گستاخی کی' آپ نے اپنے عظیم مسلک کو بڑی آسانی سے خیر باد کہہ دیا۔ آپ نے اپنی غلام روحوں سے ایسے کام لینے شروع کر دیئے جو آپ کو زیب نہیں دیتے تھے۔ آپ نے خود کب کسی کا خیال کیا ہے۔ آپ باوا جان کو بھول گئے اور انتقام کے جذبے میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ آپ نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ آپ کی وجہ سے کتنے بے گناہ انسانوں کا خون ہوا۔ کتنے عقیدت مند آپ کی دعاؤں سے محروم رہ گئے۔ آپ نے خود اپنا اعلیٰ اور مقدس شعار چھوڑ دیا۔ آپ نے نماز تک چھوڑ دی۔ نہ جانے آپ کو کیا ہو گیا ہے۔'' درشہوار ایک دم پھٹ پڑی۔

''تم مجھ پر فرد جرم عائد کر رہی ہو؟'' میں نے طنزاً کہا۔

''یہ فرد جرم نہیں' حقائق ہیں۔ وہ حقیقتیں جو آپ جیسے عالم و فاضل بزرگ کو ضائع کر گئیں۔'' درشہوار کے لہجے میں تلخی پیدا ہو گئی تھی۔

''میں رات بھر جاگتا رہا ہوں دری۔ اب تک جو ہوا سو ہوا۔ اب میری واپسی ممکن نہیں ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں' تم اس وقت مجھے سونے دو۔ کچھ اور اہم فیصلے کرنے کے لئے مجھے تنہائی کی ضرورت ہے' خدا کے لئے تم چلی جاؤ۔'' یہ بات میں نے بڑی تلخی اور سختی سے کہی تھی۔ پھر میں نے اپنے چہرے پر چادر ڈال لی اور درشہوار کی موجودگی سے بے پروا ہو کر سو گیا۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ وہ کب وہاں سے گئی۔

مجھے کوئی دس بجے صبح اکبر نے اچانک جگا دیا۔ رات بھر کی بیداری کی وجہ سے اب تک میری نیند پوری نہیں ہوئی تھی چنانچہ اکبر کی یہ جسارت مجھے بری لگی۔ میں اسے جھڑک دینا چاہتا تھا لیکن ضبط کر گیا۔ میں کچھ کہے بغیر اپنے جسم پر سے چادر ہٹا کر اٹھا اور قلعے کے باہر دریا کا رخ کیا۔ وہاں کے نیلے اور شفاف پانی میں نہا کر میرے جسم میں کسی قدر چستی آ گئی اور میں نے قلعے میں آ کر ناشتہ کیا۔ ثمینہ اور اکبر کے تیور سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی اہم بات کہنے کے لئے میری فراغت کے منتظر تھے۔ درشہوار ایک ستون سے سر ٹکائے اداس اور مضمحل کھڑی تھی۔ اس کا شاداب چہرہ کملایا ہوا تھا۔ اکبر اور ثمینہ بھی پہلو بدل رہے تھے۔ ان تینوں سے بے پروا ہو کر میں ناشتے میں مصروف رہا۔ جب میں فارغ ہو گیا تو اکبر میرے قریب آیا اور کسی قدر بے نیازی سے کہنے لگا۔ ''میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں''

''کہو!'' میں نے مختصر جواب دیا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ بیرسٹر راشد حسین کے بارے میں کچھ کہے گا۔

''شاہد میاں۔ باتیں تو بہت ہیں لیکن اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے اب اپنی دوستی پر اعتبار نہیں رہا اور شاید اب وہ لمحہ آ چکا ہے کہ میں دوستی کے تقاضے پورے نہ کر سکوں۔''

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا صاف صاف کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ آج کا دن میری زندگی کا اہم دن ہے' تم سے کچھ کھل کر باتیں ہو جائیں تو اچھا ہے۔ میں بھی کچھ اہم فیصلے کرنا چاہتا ہوں۔''

مجھے معلوم ہے کہ تم کیا فیصلے کرنا چاہتے ہو۔ تم نے فیصلے تو بہت پہلے کر لئے تھے۔ تمہاری اسی غلط طرز فکر کا خمیازہ تو ہم سب کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔'' اکبر کے لہجے میں آج بڑی تندی اور ترشی تھی۔

''مجھے احساس ہے کہ تم سب کو میری وجہ سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ اگر تم مجھے معاف کر سکتے ہو تو کر دو.....'' میں نے طنزاً کہا۔ ''لیکن میری درخواست ہے کہ تم لوگ میرے ساتھ رہ کر مزید مصائب اٹھانے کے بجائے مجھ سے دور ہو جاؤ۔ اسی میں تمہاری عافیت ہے اور اسی طرح تم مزید مصائب سے نجات پا سکتے ہو۔''

میں یہی بات تم سے کہنا چاہتا تھا لیکن میرا خیال ہے آخری بار مجھے تم سے ایک التجا کرنے کا موقع نہیں کھونا چاہئے۔ اس کے باوجود کہ اپنی درخواست کی بے اثری سے باخبر ہوں۔ پھر بھی میں تم سے یہ درخواست کروں گا کہ تم اپنے طور طریق' فکر اور انداز پر نظر ثانی کر لو تو بہتر ہے۔'' اکبر نے یہ درخواست اسی تلخ لہجے میں کی۔

''تمہارے مشورے کا شکریہ۔ میں ضرور نظر ثانی کروں گا۔'' میں نے اس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔

''میں وہ بات ضرور کہنا چاہتا ہوں جو تم سے جدا ہوتے وقت دوست اور بھائی ہونے کی حیثیت سے مجھے کہنی چاہئے' نہیں تو میرے دل میں ہمیشہ ایک خلش رہے گی۔ سنا ہے تم نے بیرسٹر راشد حسین کی آنکھیں بینائی سے محروم کر دی ہیں اور اس کا جسم مفلوج کر دیا ہے۔ میں اسے تمہاری سفلہ خواہشات کی انتہا کہوں گا۔ تم نے رشیدہ کے معصوم بچوں کو زندہ درگور کر دیا ہے' اس طرح تمہارے انسانیت سوز جذبہ انتقام کو تسکین مل گئی۔ اب اسے دھمکی نہ سمجھو تو میں کہوں کہ تم اونکار ناتھ کو زچ نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ تم اپنی فضیلتیں کھو چکے ہو بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ بزرگان دین کو

تمہاری سزا اور انتقام کا یہ انداز پسند نہیں۔تم بار بار ناکام ہوئے ہو۔اس خیال کو دل سے نکال دو تو بہتر ہے۔تم پستی کے راستے پر اتنی دور چلنے کے باوجود توبہ کر سکتے ہو۔اگر تمہیں کچھ بھی نہ ملا تو بھی کم از کم تمہارا دل تو اس بات پر مطمئن رہے گا کہ تم نے اپنے طور پر گناہوں کی معافی چاہی تھی۔''

''اکبر۔''میں نے گرج کر کہا!''یہ باتیں سنتے سنتے میں تھک چکا ہوں۔اب میرے لئے ان میں کوئی کشش نہیں رہ گئی ہے۔میرا کوئی مستقبل نہیں۔میں نے علی الصبح درشہوار کو بتا دیا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔موت میری منتظر ہے۔اب نصیحتوں کا وقت گیا میرے دوست۔باتیں کچھ اور ہوگئی ہیں۔میں تمہیں کیا بتاؤں۔''پھر میں نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کی۔''جاؤ ثمینہ کے ساتھ ایک نئی زندگی بسر کرو۔درشہوار تمہارے ساتھ ہے۔ان کی موجودگی میں تم پر کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔''

''مگر ہم تمہیں چھوڑ کر کیسے جائیں۔''اکبر نے یہ بات جذبات میں ڈوب کر کہی۔''تم نے تو ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔''

''تم جا سکتے ہو۔میں خود آج یا کل یہ قلعہ چھوڑ دوں گا۔''میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟''اکبر نے نرمی سے کہا۔

''یہ بات مجھ سے نہ پوچھو اکبر۔ممکن ہے کہ آئندہ ہماری تمہاری ملاقات کبھی نہ ہو۔ہمیں خوش دلی کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہونا چاہئے۔''میں نے حسرت سے کہا۔

اکبر میرے اس لہجے پر گریہ کرنے لگا۔اس کی ساری کدورت اور بیان کی تلخی میری شکستہ گفتگو کے بعد ایک دم کافور ہوگئی۔درشہوار سراسیمہ کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔وہ کچھ نہیں بول سکی۔

دوسری طرف ثمینہ اپنے باپ کی تباہی کا حال سن کر آہ وزاری کر رہی تھی۔اس وقت سارا ماحول سوگوار ہوگیا تھا۔

''میں تمہیں کسی مصیبت میں دیکھنا نہیں چاہتا شاہد میاں' اب بہت ہو چکا۔اب بھی تم مان جاؤ۔آؤ ہمارے ساتھ چلو یا پھر.....''

اکبر نے اس روح فرسا ماحول کا سکوت توڑا۔

اکبر نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تو میں نے کہا۔''پھر.....؟تم کچھ کہتے کہتے خاموش کیوں ہوگئے؟''

''کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔تم نے کہنے کے لئے چھوڑا ہی کیا ہے۔''اکبر نے منتشر اور پریشان لہجے میں کہا۔''ٹھیک ہے پھر ہم بھی یہاں سے نہیں جاتے۔ہم اسی قلعے میں محصور رہیں گے اور تمہارے تزکیہ نفس کی دعائیں کرتے رہیں گے۔ہم اس حالت میں تمہیں اکیلا بھی تو نہیں چھوڑ سکتے۔''

''نہیں اکبر میں خود یہاں سے جانے والا ہوں۔بخدا میں تم سے خود کہنے والا تھا کہ تم درشہوار کے ساتھ چلے جاؤ۔تم نے بساط سے بڑھ کر میرا ساتھ نبھایا ہے۔''میں نے طنزاً نہیں بلکہ حقیقی احسان مندی سے یہ جملے کہے۔

ہم دونوں میں اس مسئلے پر بہت دیر تک بحث وتکرار ہوتی رہی۔اکبر نے میری متغیر حالت دیکھ کر بیرسٹر راشد حسین کے بارے میں پھر کوئی ذکر نہیں کیا۔میں نے طے کر لیا تھا کہ آج میں انہیں ہر صورت رخصت کر دوں گا۔اکبر شروع میں تو بہت تلخ وترش رویئے کے ساتھ پیش آیا تھا۔مگر

میری اداس گفتگو سن کر اس کی ساری تلخی اور تیزی آنسوؤں اور التجاؤں میں ڈھل چکی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس نے آخر تک مجھے بہت سمجھایا لیکن میں نے اس کی کوئی بات نہیں مانی۔ دوپہر تک میں اور وہ ایک دوسرے سے الجھے رہے۔ آخر اکبر کو میں نے اس امر پر آمادہ کر ہی لیا کہ وہ قلعہ چھوڑ دے۔ میں نے اس سے کہا کہ۔ ''بھلا تم کب تک میرا انتظار کرو گے؟''

جب اکبر نے چار و ناچار میرے شدید اصرار کے باعث جانے پر آمادگی ظاہر کر دی تو میں نے درشہوار کی طرف دیکھا۔ مجھ میں اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ پہلی بار مجھے اس پر بہت ترس آیا اور میرا جی چاہا کہ میں اسے گلے لگا کر رخصت کروں' خوب روؤں اور کہوں کہ۔ ''میری جان الوداع۔ میری دری الوداع'' لیکن میں کچھ بھی تو نہ کہہ سکا۔ میں بس اسے دیکھتا رہا۔ وہ بھی مجھے صرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں ہزاروں شکوے تھے' لاکھوں گلے تھے۔ وہ جنوں کے ایک اعلیٰ قبیلے کی حسین و جمیل لڑکی جو مجھ سے محبت کی دعوے دار تھی' جس نے میری خاطر اپنے باپ اور قبیلے کو چھوڑ دیا تھا' اب وہ مجھ سے رخصت ہو رہی تھی' مجھے احساس تھا کہ یہ میری اور اس کی آخری ملاقات ہے۔ اس برتاؤ کے بعد اب وہ کبھی مجھے نہیں ملے گی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ سب رخصت ہو گے۔ یہ منظر بڑا دلدوز اور دلخراش تھا۔ اکبر بے حال ہوا جا رہا تھا۔ درشہوار نظر ملاتے ہوئے کترا رہی تھی۔ میرا خاندان مجھ سے رخصت ہو رہا تھا۔ میرے لوگ مجھ سے جدا ہو رہے تھے۔ ایک بار تو میرے جی میں آئی کہ میں انہیں روک لوں۔ ورنہ یہ سب بکھر جائیں گے۔ نہ جانے کیا ہو گا لیکن میں نے خود پر قابو پایا اور آنکھوں میں آنسو لائے بغیر انہیں اجنہ قبائل کی سرکردگی میں رخصت کر دیا۔ میں قلعے کے دروازے تک انہیں چھوڑنے گیا۔ میں درشہوار کی وہ نظر کبھی نہیں بھول سکتا جو اس نے آخری مرتبہ میرے چہرے پر ڈالی تھی۔ میرے سالہا سال کے رفیقوں کا وہ قافلہ اشکوں اور آہوں کے ساتھ مجھ سے دور ہوتا گیا اور میں قلعے کی دیوار پر چڑھ کر انہیں دیکھتا رہا۔ آخر جب وہ نظروں سے بالکل اوجھل ہو گئے تو میں قلعے میں واپس آ گیا اور میں نے اپنا چہرہ چادر میں چھپا لیا۔

❁.....❁.....❁

دوسری فصل

اکثر خواب سچے ہوتے ہیں۔ وہ انسان کو نیند میں اس کی بھولے ہوئے ماضی بلکہ مستقبل کی تصویر بھی دکھاتے ہیں۔ خواب میں وہ ماضی میں گم شدہ اپنی شخصیت کی شناخت بھی کر سکتا ہے۔ قدرت کبھی کبھی انسان کو ایسے موقع فراہم کرتی ہے۔ علیم الحق حقی نے ایک بار پھر ایک نہایت منفرد موضوع پر قلم اُٹھایا اور تخلیق پائی یہ کہانی..... دوسری فصل، جسکی بُنیاد ہندوؤں کے عقیدہ آواگون (دوسرا جنم) پر رکھی گئی ہے۔ ناول

دوسری فصل کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اب قلعے میں کوئی نہیں تھا۔ راج کماری شیلا کی جلوہ کارگاہ عشق رات کو سجتی تھی اور رات ابھی دور تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس قلعے میں کتنی چہل پہل تھی۔ مگر اب وہ محض ویرانیوں کا مسکن تھا اور صدیوں پہلے کا کوئی قبرستان معلوم ہوتا تھا اور میں شکستہ قبروں کا محافظ ایک آزردہ خاطر شخص یہ تنہائی میں نے خود اختیار کی تھی۔ اس لئے کوئی خاص پریشانی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ البتہ مجھے اس طرح کچھ سوچنے کا موقع مل گیا تھا۔ راج کماری شیلا سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق مجھے رات کو وہاں جانا تھا۔ اب مجھے دن اچھا نہیں لگتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ سورج کبھی طلوع نہ ہو صرف رات رہے اور میں اس شاہی طرب گاہ میں راجکماری کے ساتھ اپنی زندگی کی مسرت انگیز ساعتیں گزارتا رہوں۔ درشہوار کے جانے کے بعد مجھے اس کا خیال آیا۔ وہ بھی مجھ سے انتہائی اور آخری جذبوں کے ساتھ وابستگی کا اظہار کرتی تھی لیکن اس کے ضمن میں میرے لئے ہمیشہ ایک رکاوٹ اور ایک جھجک رہی۔ اس نے میرے اچھے دن' میرے علم و فضل کے دن دیکھے تھے' اس نے ضبط نفس اور پاکیزگی نفس کے موضوع پر میرے طویل بیانات سنے تھے۔ اس نے میرا وہ رنگ دیکھا تھا جس میں اس قسم کے جذبوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس کے لئے کئی بار میرے دل میں طوفان اٹھا تھا لیکن ہر بار کوئی نہ کوئی جھجک محسوس ہوتی تھی' کوئی نہ کوئی امتناع مجھ پر غالب آجاتا تھا' کوئی نہ کوئی روک ہمیشہ میرا دامن کھینچ لیتی تھی۔ میں اس کا سبب جانتا تھا اور وہ یہ کہ میں نے اس سے ہمیشہ فضیلت و بزرگی ہی کی باتیں کی تھیں۔ اس نے میرے علم و فضل اور بزرگی کا ارتقا اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ راجکماری ملی تو اس نے مجھے ایک نئی زندگی سے روشناس کرایا۔ اس نے اپنے عشق کا عملی مظاہرہ کیا۔ وہ مظاہرہ جس سے میں اب تک محروم رہا تھا۔ درشہوار کے جانے کے بعد میں راجکماری سے خاص ربط کا جواز ڈھونڈتا رہا تھا۔

ایک حسین روح مجھ پر غالب آگئی تھی۔ مجھ پر؟ جی ہاں ایک ایسے شخص پر جو ایک لمبی مدت سے لوگوں کو ضبط نفس کی تلقین اور نفسانی خواہشوں سے بچنے کی ہدایت کر رہا تھا۔

اچھا ہوا یہ لوگ چلے گئے' لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا واقعی میں اپنے مسلک سے منحرف ہو جاؤں؟ کیا مجھے راج کماری شیلا کی آتما کی ہدایت کے مطابق اروپ دیوتا کے استھان پر جانا چاہئے جو ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے؟ مجھ پر اس خیال ہی سے لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے خود پر لاحول پڑھی۔ میں بتوں کے آگے جھکنے اور ان سے کوئی درخواست کرنے کا خیال ہی دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ مانا کہ میری عبادت اور ریاضت چھوٹ چکی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں پتھر کے بے جان مجسمے پوجنے لگوں اور ان سے لطف و کرم کی بھیک مانگوں۔ اگرچہ میرا خدا مجھ سے روٹھ گیا تھا لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اس رحیم و کریم کے رحم و کرم سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جاتا اور انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے مجسموں کی پوجا شروع کر دیتا۔ میرا ذہن ایسے خلفشار سے دوچار تھا کہ اس کی کیفیت بیان کرنی مشکل ہے۔ پھر میں نے سوچا' میں راجکماری سے کہوں گا کہ وہ خود اروپ دیوتا کے پاس جائے اور اپنے طور پر اس سے میرے لئے رحم کی طالب ہو۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اگر میں نے راج کماری سے یہ کہہ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے بتوں پر اپنے یقین کا اظہار کر دیا ہے۔ نہیں' نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور پھر کیا یہ ضروری ہے کہ اروپ دیوتا راجکماری کی درخواست قبول کر ہی لے۔ اس طرح تو میں نادانستگی میں' آہستہ آہستہ دیوتاؤں کے قادر ہونے کے فریب میں مبتلا ہو رہا ہوں۔ کیا دیوتا واقعی کوئی اہمیت رکھتے ہیں؟ اگر اہمیت نہ رکھتے تو آخر اونکار ناتھ جیسے ذلیل لوگ کیسے وجود میں آتے؟ راج کماری اس عقیدت سے ان کا ذکر کیوں کرتی ''دیوتا یقیناً بہت

کچھ کر سکتے ہیں۔'' میرا دماغ جلنے لگا۔ نہیں یہ سب فرسودہ باتیں ہیں۔ ان میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ میں ایک کامل مذہب کا پیرو ہوں۔ میری نظر میں یہ سب کفر کی باتیں ہیں۔ اونکارناتھ ایک جادوگر ہے وہ بدروحوں کا عامل اور جادوئی عمل کا ماہر ہے۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ بتوں کے سامنے سر جھکاؤں۔ میں یقیناً اس فعل پر موت کو ترجیح دوں گا۔ مرجاؤں گا اور راجکماری شیلا کی آتما سے عالم ارواح میں ملوں گا۔ سوچتے سوچتے میں اپنے حواس کھو بیٹھا' مجھے یاد نہیں آ رہا ہے کہ اس دن میں نے دوپہر سے لے کر رات تک ایک ہی جگہ بیٹھ کر کیا کیا سوچا' کیا کیا مسترد کیا' مجھ پر جنون طاری تھا۔ میں اپنے ہوش میں نہیں تھا۔

سوچتے سوچتے میں اچانک بڑبڑانے لگتا اور میری آواز قلعے میں گونجنے لگتی تو مجھے احساس ہوتا کہ میں اس وقت جنونی کیفیات میں مبتلا ہوں۔ رات تک اجنہ قبائل میں سے کوئی واپس نہیں آیا تھا۔ اس رات مجھے کھانا دینے کے لئے بھی کوئی نہیں آیا تھا۔ میں قلعے سے باہر نکلا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر سیر ہو کر پانی پیا اور دوپہر کا بچا ہوا کھانا تلاش کرنے لگا۔ وہاں کچھ نہیں تھا صرف چند برتن پڑے تھے اور قلعہ سنسان تھا۔ جب چاند نے آسمان پر تسلط جما لیا اور سورج مکمل طور پر غروب ہو گیا تو میں دھڑکتے دل سے اس حصے کی طرف بڑھا جہاں میری راجکماری آغوش پھیلائے میری منتظر تھی۔ میں نے سوچا کہ میں راج کماری سے درخواست کروں گا کہ وہ اونکارناتھ کو سزا دینے کی کوئی صورت خود نکالے۔ اگر وہ انکار کرے گی تو اسی وقت' اس کے سامنے ہی' خودکشی کر کے اپنی موجودہ زندگی کا خاتمہ کر دوں گا۔ دوپہر سے رات تک مسلسل سوچتے رہنے سے اعصاب پر گہرا اثر پڑا تھا اور میں کچھ مشکوک سا' کچھ وسوسے دل میں لئے اپنے ایمان پر یقین میں کچھ تغیر سا محسوس کرتا ہوا' اس طرف جا رہا تھا۔ اب کوئی نہیں تھا جو میرے آوارہ خیالوں کی تردید کرتا۔ میں اپنی فکر کا مختار تھا۔ میرے ذہن نے نفس کی خواہش کے مطابق فیصلے کئے تھے اور میں انہی فیصلوں کے نرغے میں راجکماری کے گوشہ عشق کی طرف بڑھنے لگا۔ آگے بڑھا تو راہداری سنسان تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ویرانی دیکھ کر میرا دل ہولنے لگا۔ آج یہ سارے لوگ کہاں گئے۔ نہ دربان' نہ باندیاں' نہ کنیزیں' یہ کیسی خاموشی ہے؟ یہ سب لوگ کہاں غائب ہو گئے؟ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے تیزی سے راہداری عبور کی اور بھاگتا ہوا راج کماری کے خاص کمرے کی طرف بڑھا۔ وہاں بھی مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہر چیز شکستہ' ہر شے ویران تھی۔ یہ کیا ہو گیا؟ جب میں اپنا مضطرب دل سنبھالے ہوئے راجکماری کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں مجھے ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں صدیوں سے کوئی رہتا ہی نہیں تھا۔ کل تک یہ کمرہ حجلہ عروسی کی طرح سجا ہوا تھا اور اب ایسی ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں کمرے میں ادھر ادھر گھوما طاق میں مجھے اروپ دیوتا کی سنگ مرمر کی مورتی نظر آئی اور مجھے محسوس ہوا جیسے اروپ دیوتا کا بے جان مجسمہ میری بوکھلاہٹ اور بے بسی پر مسکرا رہا ہو۔ میں نے وہاں سے نظریں ہٹا لیں اور وحشت کے عالم میں کمرے سے باہر نکلا اور بے اختیار ہو کر پوری قوت سے راجکماری کو آوازیں دینی شروع کر دیں لیکن کسی طرف سے میری پکار پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میری آواز میرے ہی کانوں سے آ ٹکراتی تھی۔ یہ سب لوگ کہاں گئے۔ میں بری طرح چیخا۔ ''تم کہاں گئیں راج کماری؟ دیکھو میں آیا ہوں! میں تمہارا پردیپ۔ میں پردیپ ہوں۔'' پکارتے پکارتے میرا گلا بیٹھ گیا اور میں نے جنون کے عالم میں گریبان پھاڑ لیا۔ میں آدھی رات تک وہاں بیٹھا راج کماری اور اس کی کنیزوں کا منتظر رہا لیکن وہاں کوئی نہیں آیا اور جب مجھے ہر طرف سے مایوسی نے گھیر لیا تو میں وہاں سے چلا آیا۔ اجنہ قبائل ابھی تک واپس نہیں آئے

تھے۔ میں بستر پر دراز ہوگیا۔ نیند بھلا کیسے آتی۔ میں رات پھر کروٹیں بدلتا رہا اور میرا ذہن راج کماری کی اچانک گمشدگی کے بارے میں نہ جانے کیا کیا قیاس آرائیاں کرتا رہا۔ اسی کرب و اضطراب میں صبح ہوگئی اور میری زندگی کی سب سے مایوس صبح طلوع ہوئی۔ میں رات بھر جاگتا رہا تھا اور رات پھر وحشت میں راج کماری شیلا کو پکارتا اور اسے قلعے کے در و بام میں ڈھونڈتا رہا تھا۔ اکبر ثمینہ اور در شہوار کے جانے کے بعد ناشتے یا کھانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ رات کو بھی میں بھوکا سویا اور صبح ناشتے کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ قلعے سے دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ کہیں قریب جا کر میں اپنے پیٹ کا دوزخ بھر لیتا۔ قلعے کے سامنے دریا تھا' اسی کے صاف و شفاف پانی سے ناشتہ ہوسکتا تھا۔ میں نے نہا منہ پیٹ بھر کر پانی پیا اور پانی میں سر ڈال کر بوجھل دماغ کو سکون پہنچانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ اجنہ قبائل شام تک آجائیں گے لیکن ساری رات گزر چکی تھی اور ان کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ میرے لئے ادھر ادھر گھومنے کے سوا اب کوئی کام نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ادھر سے گاہے گاہے خانہ بدوشوں کے قافلے گزرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے یہ سوچا کہ شاید انہی لوگوں سے مدد حاصل کرسکوں' یہ سوچ کر میں بار بار قلعے سے باہر جاتا تھا۔ اتفاق سے اس دن کوئی قافلہ بھی نہیں گزرا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور اتنے تسلسل سے کیوں ہو رہا ہے..... راج کماری شیلا کی آتما اچانک کہاں چلی گئی ہے۔ وہ مجھے اروپ دیوتا کے پاس لے جانے کے لئے مصر تھی اور اسی وجہ سے میں نے اپنے عزیز ترین رفیقوں کی جدائی برداشت کی تھی..... اس نے مجھ سے رات کو آنے کا پختہ وعدہ لیا تھا۔ اب میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ مجھے رات کا پھر شدت سے انتظار تھا اور جب ایک نہایت طویل دن گزارنے کے بعد رات آئی تو میں بے تابی سے ان سیڑھیوں پر چڑھا جہاں سے گزر کر راج کماری شیلا کا صدیوں پرانا دربار سجتا تھا لیکن میری آنکھیں غم سے بھیگ گئیں۔ میں نے آج بھی وہاں کل جیسی ویرانی اور وحشت ناکی دیکھی۔ میں گزشتہ رات کی طرح آج بھی ساری رات راج کماری کے انتظار میں اس کی چوکھٹ پر سر رکھے روتا اور ٹھنڈی آہیں بھرتا رہا۔ آخر کار صبح ہوگئی اور میں وہاں سے ناکام و نامراد واپس آگیا۔

دو دن ہو چکے تھے میرے معدے میں ایک کھیل تک اڑ کر نہیں گئی تھی۔ بھوک کی شدت اور سمجھ میں نہ آنے والی صورت حال نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بھلا صرف پانی پی کر کب تک گزارا ہوتا۔ دوپہر کے بعد جب میری حالت بالکل ناقابل برداشت ہوگئی اور پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہوگیا تو میں اس مونس و غم گسار دریا کے کنارے پہنچا جہاں مجھے بڑا سکون ملتا تھا لیکن آج دریا کی روانی اور اس کا نیلگوں پانی بھی بے کیف نظر آرہا تھا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کروں۔ مجھے زندگی میں کبھی مچھلیاں پکڑنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے مچھلیوں کے شکار کے لئے کوئی چیز میرے پاس نہیں تھی۔ نہ کانٹا نہ جال' جال کا خیال آیا تو میں بھاگ کر قلعے کے اندر گیا اور اپنے اوڑھنے کی ایک بوسیدہ چادر لے کر دریا کے کھلے پانی میں کھڑا ہوگیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے چادر پھیلا دی اور اس کا ایک حصہ پاؤں سے دبا لیا۔ میں ایک ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں کثرت سے مچھلیاں ملنے کا امکان تھا۔ یہ طریقہ صبر آزما اور جان لیوا ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت موزوں بھی تھا۔ پھر بھی کوئی مچھلی میری طرف نہیں پھٹک رہی تھی۔ بھوک بڑی شدت کی تھی، میں اپنے قریب مچھلیاں دیکھ کر کبھی ہاتھ مارتا اور کبھی چادر مچھلیوں کی طرف ڈال دیتا۔ مگر میری ناتجربہ کاری کی بنا پر مچھلیاں مجھے جل دے جاتیں اور دیکھتے ہی دیکھتے میری زد سے نکل جاتیں۔

وقت بہت سُست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ میں شام تک مچھلیاں پکڑنے کی کوشش میں مصروف رہا لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر تھک کر اور نڈھال ہو کر میں دریا کے کنارے گر پڑا کچھ دیر ستانے کے بعد جب میں تازہ دم ہوا تو میں نے ایک کوشش اور کرنے کی ٹھانی۔ میں دریا میں اتر گیا اور بڑی خاموشی سے کھڑا رہا۔ چادر تھامے تھامے میرے ہاتھ شل ہو گئے۔ چادر پھیل بھی نہیں پاتی تھی کبھی میرے بالوں سے چپک جاتی کبھی ہاتھوں سے الجھ جاتی' عجیب مخمصے میں جان تھی۔ اس طرح کافی وقت گزر گیا۔ آخر بہت دیر بعد ایک بدنصیب مچھلی چادر میں پھنس ہی گئی۔ میں بتا نہیں سکتا کہ یہ مہم سر ہونے پر مجھے کس قدر خوشی ہوئی' کس قدر مسرت ہوئی۔ مچھلی دیکھ کر میری اشتہا دوچند ہو گئی۔ میں نے جلدی سے اسے چادر میں لپیٹ کر گٹھری سی بنالی اور بری طرح دبوچ لیا تاکہ نکل نہ جائے۔ میں بڑی تیزی سے قلعے کی طرف بڑھا۔ قلعے میں آگ جلانے کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ صرف چند برتن ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔ اب یہی ایک صورت نظر آتی تھی کہ کچی مچھلی کسی نہ کسی طرح زہر مار کر لوں۔ اور میں نے یہی کیا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اس درندگی سے کھانا کھایا تھا۔ کچی مچھلی کھانے کی وجہ سے رات کو معدے میں اتنی گرانی ہوئی کہ میں تڑپتا رہا لیکن میں اسی عالم میں بے تابانہ راج کماری شیلا کی جلوہ گاہ کی طرف گیا۔ آج بھی وہی ویرانی' سناٹا اور وہی محرومی درپیش تھی۔ پھر ایک رات' دوسری رات' تیسری رات' چوتھی رات اور اسی طرح چھ دن گزر گئے۔ نہ معلوم کیا افتاد پڑی تھی کہ کماری شیلا کی راہداری اور خاص کمرے کی روٹھی ہوئی رونق لوٹ کر نہ آئی۔ وہاں کوئی نہیں آیا۔ کسی باندی یا کنیز کی روح بھی نہیں آئی میں نے اس مدت میں کچی مچھلیوں پر ہی گزارا کیا اور راج کماری شیلا کے انتظار میں راتیں ٹہل کر گزار دیں۔ اس دوران مجھ پر جو کچھ گزری اس کا تصور کرنا اب مشکل ہے۔ پھر اسی عالم میں مجھے اکبر' ثمینہ اور درشہوار یاد آئے۔ میں نے ان کا خیال آنے پر بار بار سر جھٹکا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سب نے مل کر میرے خلاف کوئی سازش کی ہے راج کماری کی آتما ملنے کا پکا وعدہ کرنے کے باوجود غائب ہو گئی تھی۔ قلعے کے اجنہ کسی اطلاع کے بغیر چلے گئے تھے۔ کچھ سوچنے اور غور کرنے کا یارا نہیں تھا۔ ذہن مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ میں جتنا سوچتا اتنا ہی الجھ جاتا تھا۔ چھٹے دن میں کسی ارادے کے بغیر قلعے سے دور نکل گیا۔ چلتا رہا' نہ جانے کہاں تک چلتا رہا اور میں نے سوچا شاہد علی کب تک اس طرح بھٹکتے رہو گے؟ یہ تو ایک طرح کا جمود ہے اس جمود سے کیا حاصل ہو گا۔ بہتر ہے کہ حرکت کرو۔ چنانچہ میں ایک نئے عزم ایک نئے ارادے کے ساتھ قلعے میں واپس آیا بکھرے ہوئے برتن چادر میں باندھے اور قلعے پر الوداعی نظر ڈالی۔ اس قلعے میں' میں نے اپنی زندگی کے سب سے برے اور سب سے اچھے دن گزارے تھے۔ میرے سامنے کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بس میرے قدم ایک سمت اٹھے اور پھر اٹھتے ہی چلے گئے۔ تین دن تک مسلسل چلنے کے بعد میں ایک قریب کے دیہات میں پہنچ گیا۔ سادہ لوح دیہاتیوں نے میری حالت زار دیکھ کر مجھے کھانا کھلایا ارجب میرے اوسان کس قدر بحال ہوئے تو میں نے ان سے سوال یہ کیا۔ ''میں کس جگہ ہوں اور یہاں سے ہمالیہ کتنی دور اور کس سمت ہے؟''

وہ میرا سوال سن کر حیرت زدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگے جیسے وہ مجھے پاگل سمجھ رہے ہوں۔ انہوں نے ہمالیہ کی سمت اور فاصلے کے متعلق مجھے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ سمتوں اور فاصلوں کے متعلق ان کا علم بہت محدود تھا لیکن ان کی باتوں سے مجھے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ ہمالیہ یہاں سے خاصی دور ہے۔ ہمالیہ کی پہاڑیوں میں واقع اروپ دیوتا کے استھان' ایک بار میں ضرور جانا چاہتا تھا کیوں؟ اس کیوں کی میں کوئی تشریح نہیں کر سکتا۔ شاید زندگی سے محبت اور اسے قائم رکھنے کی یہ میری آخری کوشش تھی۔ اس طرح دیہات میں ایک رات اور گزارنے کے بعد میں ہمالیہ کی

طرف اس مجنونانہ دشت نوردی میں کوئی تین مہینے گزر گئے۔ دریا دریا' جنگل جنگل' پربت پربت' میں بیابانوں اور ویرانوں سے گزرا۔ جہاں جاتا وہاں کے دیہاتی میرے ساتھ اچھا سلوک کرتے اور میں شہری آبادیوں سے بچتا بچاتا' لمبے لمبے راستے عبور کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اس سفر کے مصائب و آلام کا ذکر شروع کروں تو شاید کبھی ختم نہ ہوں۔ میرے کپڑے پھٹ چکے تھے اور میرے پاس کوئی برتن بھی نہیں رہا تھا کیوں کہ ایک جگہ میں نے برتن بیچ کر کھانا کھالیا تھا۔ پاؤں میں چھالے پڑ چکے تھے اور سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے اس وقت میری حالت ایسی تھی کہ کوئی شناسا شخص بھی مجھے دیکھ لیتا تو پہچان نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی کچھ لوگوں نے مجھے پہچان لیا۔ جب ہمالیہ کے راستے میں مجھے ایک گنجان آبادی سے مجبوراً گزرنا پڑا تو پولیس نے مجھے کسی مفرور اور پاگل قاتل کے شبے میں گرفتار کرلیا۔ مجھ سے اس وقت ایک بڑی غلطی ہوگئی تھی میں نے پولیس کو اپنا صحیح نام شاہد علی بتا دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس علاقے میں بھلا شاہد علی سے کون واقف ہوگا مگر میرے شہر کے خوں ریز فرقہ وارانہ فسادات کی خبر یہاں پہنچ چکی تھی۔ میرا نام سن کر ایک پولیس انسپکٹر چونکا۔ اس نے مجھ سے ادھر ادھر کے سوالات کئے' میں اسے کوئی واضح جواب نہیں دے سکا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ الفاظ میرے منہ سے نکل ہی نہیں رہے تھے۔ اتنے طویل پیدل سفر' بھوک اور نقاہت نے مجھے بے حال کر رکھا تھا۔ میں بڑبڑا رہا تھا تین دن تک مجھے حوالات میں رکھا گیا۔ کڑی نگرانی کی گئی یہاں اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے دونوں وقت کھانے کو مل جاتا تھا۔ حوالات کا پہریدار دو ایک دن بعد مجھ پر اچانک خاصا مہربان ہوگیا۔ میں حوالات میں ایک کمبل لپیٹے اپنی سوچوں میں منہمک تھا کہ ایک کانسٹیبل کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی' وہ کسی دوسرے کانسٹیبل سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ ایک پہنچا ہوا شخص ہے۔ مسلمانوں کا کوئی بہت بڑا بزرگ ہے۔ پولیس کو بہت دنوں سے اس کی تلاش تھی۔ ہر جگہ اس کا فوٹو اور حلیہ لگا ہوا ہے مگر اسے گرفتار کر کے ان لوگوں نے اچھا نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس طرح ہم پر ضرور کوئی ناگہانی مصیبت آجائے گی معلوم ہوا ہے پہلے بھی کئی بار پولیس اسے گرفتار کر چکی ہے اور ہر بار اس نے منہ کی کھائی ہے۔ اب اسے نہ جانے کہاں بھیجا جا رہا ہے۔ ٹھاکر جی اسے آزاد کر دیں تو اچھا ہے ورنہ سمجھ لو کہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''

یہ گفتگو سن کر پوری بات میری سمجھ میں آگئی لیکن مجھ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ میں ہمالیہ پہنچ کر اروپ دیوتا سے ملنے کی خواہش رکھتا تھا اور یہ خواہش پوری کرنے کے لئے میں نے بڑے پاپڑ بیلے تھے۔ میلوں کا سفر طے کیا تھا اور اب جب کہ ہمالیہ تک پہنچنے کے لئے زیادہ سے زیادہ پندرہ دن کی مسافت رہ گئی تھی تو میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس حادثے کے باعث میری عقل خبط ہوگئی تھی اور مجھے اپنا کوئی ہوش نہ رہا۔ یہی وجہ تھی کہ میں آئندہ پیش آسکنے والے واقعات کے سلسلے میں متردد نہیں تھا۔ میں اطمینان سے لمبی تان کر سو گیا۔

دوسرے دن صبح مجھے انتہائی پوشیدہ طریقے سے ایک وین میں بٹھا دیا گیا۔ میں نے کوئی استفسار نہیں کیا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ جب میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑنے لگیں اس وقت بھی میں نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت میں نے ایک پولیس والے کو صرف مسکرا کر دیکھا تھا۔ وہ میری سرخ آنکھیں دیکھ کر لرز گیا تھا اور زمین پر گر پڑا تھا۔ پھر ایک دوسرے کانسٹیبل نے بڑھ کر مجھے ہتھکڑی پہنا دی تھی۔ ان لوگوں کے چہرے پر کوئی خوشی نہیں تھی بلکہ تاسف تھا۔ وہ بڑے خوفزدہ معلوم ہوتے تھے جیسے میں ابھی کوئی کرشمہ دکھا کر ان پر مصیبتیں نازل کر دوں گا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ جس شاہد علی کا نام انہوں نے سنا تھا اور جس کی کرامات سے وہ ڈرے ہوئے تھے' وہ کبھی کا مر چکا ہے۔ شاہد علی تو اب

محض ایک چلتی پھرتی لاش ہے۔ وہ اس دنیا کا سب سے زیادہ تنہا انسان ہے' ایک شخص بے روح اور بے جذبہ۔

پھر مجھے ریل کے ایک بند ڈبے میں ٹھونس دیا گیا۔ تین مسلح گارڈ میرے ساتھ تھے۔ اس سلسلے میں ہر طرح احتیاط برتی گئی تھی کہ مجھے باہر کا کوئی شخص نہ دیکھنے پائے۔ مجھے یاد نہیں کہ یہ پابہ زنجیر سفر کتنے دن جاری رہا۔ کتنی بار گاڑی بدلی گئی تھی' مجھے کہاں لایا گیا اور مجھ سے کیا کہا گیا۔ مجھے کب عدالت میں پیش کیا گیا اور کیا سزا تجویز ہوئی۔ مجھ سے کیا سوالات کئے گئے اور میں نے ان کا کیا جواب دیا..... پہاڑی سے آنے کے بعد سے آج تک میں اپنے عزائم اور فیصلوں میں ناکام ہی ہوتا رہا تھا۔ جب چاروں طرف سے مایوس ہو کر میں اروپ دیوتا کے استھان پر جا رہا تھا تو مجھے وہاں جانے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ اتنے ناکام' اتنے محروم اور اتنے آزردہ شخص کے دل و دماغ کا کیا عالم ہوگا۔ ٹھوکریں' تلخیاں' ناکامیاں اور شکستیں جس کا مقدر بن چکی ہوں۔ میں پیہم شکستوں سے اتنا چور ہو گیا تھا کہ اب زندگی اور موت کی تمیز بھی مشکل ہو گئی تھی۔ جیل میں مجھے پھانسی اور عمر قید کی سزاؤں کے مجرموں کے ساتھ رکھا گیا۔ مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ میں لوٹ پھر کر کہاں آ گیا ہوں' وہ میرا شہر تھا۔ وہاں کے کئی مجرم مجھے پہچانتے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر بے ساختہ ہاتھ چومنے لگے۔ میں نے ان سے نہیں پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ انہی چہروں میں سے ایک شناسا چہرہ میری نظروں کے سامنے آیا۔ میں نے اسے پہچاننے کی کوشش کی۔ وہ سلیم تھا۔ سلیم جو میاں صاحب کے زمانے میں اور اس کے بعد پہاڑی پر ہر ماہ کے آخری بدھ کو منعقد ہونے والی نشستوں میں شریک ہوا کرتا تھا اور بڑے جوش و خروش سے مذہب و روحانیات تصوف اور مابعد الطبیعات پر زبردست نکتہ چینیاں کرتا تھا۔ وہ ایک ملحد تھا لیکن میاں صاحب اس پر شفقت کی نظر رکھتے تھے۔ اس نے ایک بار اونکار ناتھ کو چھیڑ کر اس کے چند جادوئی تماشے دیکھ کر اس کا مذاق بھی اڑایا تھا۔ سلیم کو جیل کے اس تنگ و تاریک ماحول میں دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ کوئی شخص یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا تعلیم یافتہ اور ذہین شخص خونی مجرموں کی اس جیل میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو حیرت سے دیکھتا رہ گیا اور بڑے جذباتی انداز میں بڑھ کر مجھ سے گلے لگ گیا اور رقت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔ ''میرے بھائی شاہد علی آپ؟ آخر انہوں نے آپ کو گرفتار کر ہی لیا۔''

''ہاں'' میں نے اس کے جذباتی لہجے کا بے نیازی سے جواب دیا۔

''مگر آپ کی یہ حالت کیسے ہو گئی۔'' انہوں نے آپ کو کہاں سے گرفتار کیا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' میں نے اس کا منہ تکتے ہوئے کہا۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے میاں صاحب۔ میں سلیم ہوں کیا آپ نے مجھے بھی نہیں پہچانا؟ یقیناً ان بدمعاشوں نے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

میں خاموش رہا۔ وہ جھجکتے جھجکتے خود ہی بولنے لگا۔ ''بھلا دیکھئے تو حالات نے کیا رخ اختیار کیا ہے۔ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ میں اور آپ اس حالت کو پہنچ جائیں گے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ میں مذہب پر قربان ہو گیا۔ جی ہاں' میں جو ایک زمانے میں مذہب کا منکر تھا اور روحیت و روحانیت کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور مادے کی افضلیت کا قائل تھا۔ آپ کو نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا المیہ ہوا ہے۔ آپ کے پہاڑی سے چلے جانے کے بعد شہر میں آپ کے متعلق چرچے ہوئے اور چھوٹے موٹے واقعات نے خونریز فرقہ وارانہ فسادات کی شکل اختیار کر لی تو مجھ سے یہ ناانصافی نہ

دیکھی گئی۔ نہتے مسلمانوں کے محلوں پر مسلح ہندو ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے گھروں کو آگ لگانا شروع کر دیا اور ہماری ماؤں بہنوں کی عصمت پر حملے کئے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ نہ جانے میرے اندر کا مسلمان کیسے جاگ اٹھا۔ میں نے موقع پر ہی کئی شورہ پشت ہندو غنڈوں کو قتل کر دیا اور پھر بہت سوں کو بعد میں چن چن کر ہلاک کر دیا۔ میں بھی فسادات کی آگ میں کود پڑا۔ فسادی ہو گیا۔ آخر پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا۔ مقدمہ چلا اور عمر قید کی سزا ہو گئی۔''

میں نے اس کی تاثر انگیز گفتگو پر کوئی توجہ نہ دی اور اسے دیکھ کر پلکیں جھپکانے لگا مجھے اس بات پر شرم آئی کہ سلیم جیسے ایک ملحد کی ایمانی غیرت جوش میں آ گئی لیکن مجھ جیسا ایک فضیلت مآب بزرگ بے غیرتی کی حد تک گمراہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ اپنا دین و ایمان نفس کی مٹی میں جھونک کر اروپ دیوتا کے استھان تک جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ وہ میری بے نیازی دیکھ کر مجھے گھور کر دیکھنے لگا اور سہمے ہوئے لہجے میں بولا'' آپ کو کیا ہو گیا ہے؟۔ آخر آپ میری کسی بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔''

'' کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔'' میں نے چونک کر جواب دیا۔

''اس نے مزید کوئی بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک ڈیڑھ ہفتے تک وہ میری خدمت کرتا رہا اور اس نے جلد ہی مجھے اس قابل کر دیا کہ میں اس کی بات سن کر اسے کوئی جواب دے سکوں۔ وہ جیل میں کافی مقبول شخص تھا۔ سب اس کی عزت کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک تعلیم یافتہ مہذب شخص تھا۔ اس کی گفتگو میں شائستگی اور گہرائی تھی۔ میں پہاڑی کی نشستوں کے زمانے ہی سے اس کی دلکش گفتگو اور متجسس شخصیت سے متاثر تھا۔ غالباً وہ جلد ہی میری کیفیت تاڑ گیا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ میری یہ ہیت کذائی' قلندری اور مجذوبیت کے سبب نہیں ہے بلکہ گہرے صدمات کی وجہ سے ہے' اس نے میری بڑی خاطر کی' اپنے کھانے کا کچھ حصہ بھی وہ مجھے دے دیا کرتا تھا۔ پھر وہ کرید کرید کر مجھ سے سوالات کرنے لگا اور میں نے مختلف نشستوں میں اپنی تمام سرگزشت بے کم و کاست اسے سنا دی۔ اس کی عنایت اور نگہداشت سے یہ فائدہ ہوا کہ میری کھوئی ہوئی یادداشت بحال ہونے لگی۔ اب رفتہ رفتہ مجھے یاد آنے لگا کہ گزشتہ دنوں میں نے کہاں کہاں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سلیم نے میری المناک سرگزشت سن کر مجھے اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ میں جیل سے فرار ہو جاؤں اور واپس پہاڑی پر چلا جاؤ۔ وہاں پولیس مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی اور جیل سے فرار کو میرا کوئی روحانی کرشمہ سمجھ کر محتاط ہو جائے گی۔ میں نے سختی سے فرار کی تجویز کو مسترد کر دیا اور بقیہ زندگی جیل ہی میں گزارنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن وہ اپنی تجویز پر بضد رہا۔ آخر اس نے کافی غور و خوض کے بعد جیل کے سرکردہ بدمعاشوں کے ساتھ ایک جامع منصوبہ بنایا۔ وہ سب میرے ایک اشارے پر جان دینے کو تیار تھے۔ جس رات مجھے جیل سے فرار ہونا تھا' اس رات قیدیوں نے مل کر جیل کے ایک حصے میں آگ لگا دی۔ آگ کے شعلے بھڑکے تو قید خانے کے محافظ اس طرف بھاگے۔ تھوڑی ہی دیر میں منصوبے کے عین مطابق ہاہا کار مچ گئی۔ سلیم نے سپاہیوں کی توجہ ہٹانے کے لئے جیل میں ایسی افراتفری پھیلائی اور اس قدر شور مچوایا کہ قیامت صغرا کا منظر نظر آنے لگا۔ اسی لمحے کوٹھریوں کے دروازے ٹوٹ گئے اور قیدیوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

چند قیدیوں نے اس ہنگامے میں تالے توڑنے کا کام اپنے ذمے لے لیا تھا۔ ایک مکروہ چہرے کے مجرم بشیر احمد نے مجھے بڑی احتیاط سے اٹھا کر پھرتی سے اپنی کمر پر لاد لیا اور باہر کھلے میدان میں لا کر چھوڑ دیا۔ محافظوں کی بڑی تعداد آگ بجھانے کی ترکیبوں میں مصروف ادھر ادھر دوڑ

رہی تھی۔ کچھ لوگ قیدیوں کا پیچھا کر رہے تھے اور کچھ لوگ آگ پر قابو پانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اسی اثناء میں ایک کانسٹیبل نے مجھے چند دوسرے قیدیوں کو کوٹھری سے فرار ہوتے اور بھاگتے ہوئے دیکھ لیا' اس نے ہوائی فائر شروع کر دیئے۔ بشیر احمد بھاگ کر اس پر چڑھ دوڑا اور اسے سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اس نے اس کی بندوق چھین کر اس کے سینے پر تان دی۔ پھر تین چار مجرموں نے اسے پکڑ لیا اور بشیر احمد نے بندوق سنبھال کر دروازے کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ میں نے بھی اس کی پیروی کی۔ دروازے کے سامنے سے تین محافظ بندوقیں تانے بشیر احمد کی طرف لپکے لیکن اس نے انہیں کسی کارروائی کا موقع نہیں دیا۔ اس نے کمال ہوشیاری سے دو محافظوں کو وہیں ڈھیر کر دیا اور تیسرے کو زخمی کر دیا۔ وہ زخمی محافظ کی جیب سے چابی نکال کر بھاری بھرکم دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ پشت کی طرف سے ایک فائر ہوا اور بشیر احمد کراہ کر گر گیا۔ گرتے گرتے بھی اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں فوراً وہاں سے فرار ہو جاؤں۔ اس کی ٹانگ سے خون بری طرح بہنے لگا تھا۔ میں نے اس کی زخمی ٹانگ دیکھ کر بھاگنے میں تساہل کیا تو وہ مجھ پر بری طرح غرانے لگا۔ میں نے اس کی منشا کے مطابق اس کے ہاتھ سے بندوق اور چابیاں لے لیں' بڑی عجلت سے دروازہ کھولا اور اندھیرے میں جہاں منہ اٹھا بھاگتا ہی چلا گیا۔ پھر میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ گلیاں جانی پہچانی تھیں۔ یہ میرا شہر تھا۔ میں نے آگے پہنچ کر جیل کا لباس اتار دیا اور اسے ایک مکان کی چھت پر پھینک دیا اور اب میرے جسم پر صرف ایک چادر رہ گئی تھی جو اس نے مجھے فراہم کی تھی' میں نے سارا جسم چادر میں چھپا لیا۔ پھر میرے قدم بڑی تیزی سے پہاڑی کی طرف اٹھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں' میں پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا اور اوپر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا لیکن ابھی میں بلندی پر نہیں چڑھا تھا کہ مجھے اونکار ناتھ کا خیال آ گیا۔

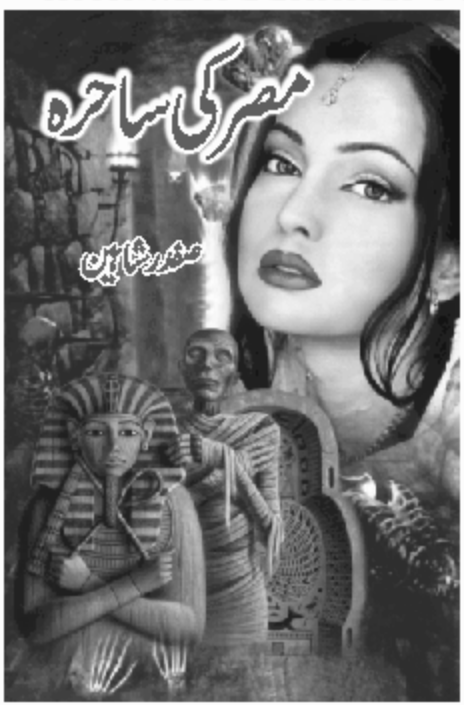

بندوق میرے ہاتھ میں تھی اور میرے سر پر خون سوار تھا' میں پلٹ پڑا اور راستے میں پڑنے والے پہلے مندر میں بے جھجک داخل ہو گیا اور وہاں کے پجاری پر بندوق تان کر میں نے اونکار ناتھ کا پتا پوچھنا چاہا۔ میری صورت دیکھ کر وہ دبلا پتا پجاری سر سے پاؤں تک کانپنے لگا' اس کی گھگی بندھ گئی اور اس نے خوفزدہ لہجے میں بتایا کہ اونکار ناتھ کئی مہینے سے اس شہر میں موجود نہیں ہے اور ان دنوں متھرا میں جاپ کر رہا ہے۔ میں نے اسے یہ دھمکی دی کہ وہ میرے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائے اور وہاں سے چلا آیا۔ متھرا ہمارے شہر سے اتنا دور نہیں تھا جتنا قلعے سے ہمالیہ۔ میں نے پہاڑی پر واپس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور متھرا جانے کا ارادہ کر لیا۔ متھرا جانے کے لئے اگر میں اسی شہر سے کسی سواری پر سوار ہوتا تو راستے میں دوبارہ گرفتار ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ میں نے متھرا کی مخالف سمت بھاگنا شروع کر دیا۔ اندھیری رات تھی میں لڑھکتا پڑھکتا آبادی سے دور نکل گیا۔ دوسرا دن میں نے ایک مہربان دیہاتی کی کوٹھری میں چھپ کر گزارا۔ اس نے مجھے اپنا کرتا اور پاجامہ دیا۔ رات آئی تو میں نے پھر بھاگنا شروع کر دیا آخر آدھی رات کو میں ایک ایسے اسٹیشن پر پہنچ گیا جہاں سے متھرا جانے والی ٹرین آسانی سے مل سکتی تھی۔ بیس گھنٹے کا راستہ تھا لیکن دن میں سفر جاری رکھنا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ بہر حال رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر میں ایک ٹرین میں بیٹھ گیا اور صبح ہونے سے پہلے ایک قصبے میں اتر گیا بندوق اب بھی میرے پاس تھی۔ میں دن بھر قصبے کے نواح میں چھپا رہا اور رات کو پھر چل پڑا۔ اسی طرح جنون کے عالم میں چھپتا چھپاتا میں کوئی ڈیڑھ ہفتے بعد متھرا پہنچ گیا۔ میں نے رات کو مختلف مندروں اور مرگھٹوں میں اونکار ناتھ کو تلاش کیا' میرا ارادہ تھا کہ ایک گولی ضرور اس کے سینے میں اتاروں گا چاہے اس کے بعد کچھ بھی ہو۔

لیکن تین راتوں کی مسلسل تلاش کے باوجود وہ نہیں ملا۔ تھک ہار کر میں نے اس کی تلاش چھوڑ دی اور متھرا سے آگے بڑھ گیا اور ناگپور تک پہنچ گیا۔ یہاں رکنا بھی مناسب نہیں تھا اس لئے میں ٹھہرا نہیں میں ناگپور سے کچھ آگے نکل کر جنگلوں اور پہاڑوں سے گزرنے لگا۔ یہاں میں نے بندوق سے کچھ شکار کئے تاکہ پیٹ کی آگ بجھا سکوں اس طرح میرے کارتوس ختم ہو گئے اب خالی بندوق میرے پاس رہ گئی تھی' میں نے ایک گڑھے میں پھینک دی۔

پھر ایک دن میں شدید بھوک اور نقاہت کے عالم میں ایک بستی کی مسجد کے قریب گر گیا۔ ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک حجرے میں پایا۔ ایک کمزور جسم کا شخص مجھ پر جھکا ہوا دعائیں پڑھ رہا تھا' میں نے آنکھیں کھولیں تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور رحم دلی سے کہنے لگا۔

''تم کون ہو بھائی کہاں سے آئے ہو' کہاں جا رہے ہو؟''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر پوچھا آخر اس کے کئی بار پوچھنے کے بعد میں نے کہا۔ ''میرا نام شاہد علی ہے' اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے' کوئی گھر نہیں ہے' کوئی سہارا نہیں ہے۔''

اس نے کہا۔ ''جب کسی کا کوئی نہیں ہوتا تو خدا ہوتا ہے۔''

میں نے مایوسی سے کہا۔ ''خدا بھی مجھ سے روٹھ گیا ہے۔''

''توبہ توبہ'' وہ اپنے ہاتھ کانوں پر رکھ کر بولا۔ کفر کیوں بکتے ہو بھائی' بہت مایوس معلوم ہوتے ہو۔ خیر زندگی اسی کا نام ہے۔''

''کیا میں زندہ ہوں۔''میں نے حیرت سے پوچھا۔

''خدا کا شکر ہے میرے بھائی شاہد علی خدا تمہیں زندہ رکھے۔''تم پوری ایک رات بعد ہوش میں آئے ہو' اللہ نے یہ میری رات بھر کی تیمارداری کا پھل دیا ہے کہ تم بولنے لگے ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس نے دکھ دیئے ہیں شاید میں تمہارے کسی کام آسکوں۔''وہ شفقت سے بولا۔

''کسی نے نہیں مولوی صاحب.....میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا''آپ کیا کیجئے گا سن کر۔''

اس نے کہا''اس وقت تم ایک مسجد کے حجرے میں ہو' میرا نام اشرف علی ہے' میں اس مسجد میں امامت کرتا ہوں ہوں۔ایک زمانہ ہو گیا اللہ کو میرا کام کچھ ایسا پسند آ گیا ہے کہ اب کسی دوسرے کام میں جی ہی نہیں لگتا۔''

میں نے خاموشی اختیار کی تو اشرف علی بولا۔''بھوک لگ رہی ہو گی' اٹھو منہ ہاتھ دھولو اور کچھ کھالو۔''

اشرف علی بہت رحم دل اور نیک شخص تھا۔ مجھے اس کی باتوں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک سادہ لوح شخص ہے اور نہایت شفیق طبیعت کا حامل ہے۔جب میں نے سیر ہو کر کھانا کھالیا اور اس سے رخصت ہونا چاہا تو اس نے مجھے جانے نہیں دیا اور روک کر ہر طرح سے میری دلجوئی کرنے لگا اس نے مجھ سے نماز کی تلقین کی اور مجھے اپنے اجلے کپڑے پہنا دیئے۔میں نے بہت دنوں بعد خشوع خضوع سے نماز پڑھی مگر میری نماز شاید ہی قبول ہوئی ہو کیونکہ وہ میں نے اشرف علی کے اصرار پر پڑھی تھی یہی وجہ تھی کہ نماز پڑھ کر مجھے کوئی سکون نہیں ملا۔

مجھے اس حجرے میں پڑے ہوئے کئی روز ہو گئے۔محلے کے گھروں سے اشرف علی کے لئے دونوں وقت کھانا آتا تھا اور وہ مجھے اپنے ساتھ کھلاتا تھا۔کھانا عموماً اتنا زیادہ آجاتا تھا کہ دو آدمیوں کے کھانے کے باوجود بچ رہتا تھا جو اشرف علی کسی فقیر کو دے دیتا تھا۔

میں دن بھر حجرے میں پڑا رہتا اور رات کو اچانک بڑبڑانے لگتا تھا۔میں بے خودی کے عالم میں شیلا شیلا پکارنے لگتا تھا۔بوڑھا مولوی اشرف علی راتوں کو جاگ کر مجھ پر درود شریف پڑھ کر پھونکتا اور میرا ماضی جاننے کے لئے مجھ سے مختلف سوالات کرتا۔اس عرصے میں میری حالت کچھ زیادہ نہیں سنبھلی۔میں صبح سے شام تک خاموش حجرے میں پڑا دیواریں تکا کرتا اور سرد آہیں بھرا کرتا تھا۔ایک مہینے تک جب مجھے کوئی افاقہ نہ ہوا اور مولوی اشرف علی مجھے سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا تو ایک دن اس نے کہا۔''میاں شاہد علی میرا خیال ہے تمہارا مرض میرے بس کا نہیں ہے۔اس بستی سے کچھ دور ایک پہنچے ہوئے بزرگ آئے ہوئے ہیں۔آؤ ان کے پاس چلیں' شاید وہ تمہارے قلب کی تطہیر کے لئے کوئی دعا فرمادیں۔میں ان کی خدمت میں کئی بار حاضر ہو چکا ہوں اور مجھے یقین ہے وہ ایک کامل بزرگ ہیں' خدا نے انہیں بہت کچھ دیا ہے۔''

میں نے ہنس کر کہا۔''کون بزرگ وہ کیا کریں گے؟''

''وہ خدا سے تمہارے لئے دعا کریں گے۔''اشرف علی نے بہت اعتماد سے کہا۔

''میرے لئے اب کوئی دعا اثر نہیں رکھتی۔''میں نے بے دلی سے کہا۔

''لیکن میں تمہیں وہاں ضرور لے چلوں۔''اشرف علی نے زچ ہو کر کہا۔

''ٹھیک ہے مگر یقین کرو۔میں ایک لاعلاج مریض ہوں اور موت کا منتظر ہوں۔''

''موت کسے نہیں آتی میرے بھائی مگر کسی کو بے وقت موت بھی نہیں آتی۔''

مولوی اشرف علی نہ مانا۔اس نے مجھ سے دوسرے دن صبح صاف کپڑے پہن کر چلنے کے لئے کہا۔میں بے دلی سے اٹھا' کپڑے وغیرہ تبدیل کئے اور کسی بچے کی طرح اشرف علی کے ساتھ چل دیا۔فاصلہ اچھا خاصا تھا' اشرف علی نے ایک بس پکڑی اور ایک جگہ بس سے اترنے کے بعد کافی طویل راستہ پیدل طے کیا' وہ مجھے راستے بھر اولیائے کرام کی کرامتوں کے بارے میں بتاتا رہا، میں خاموشی سے اس کے پندونصائح سنتا رہا 'میرا ذہن خالی تھا اور اس وقت صرف مولوی اشرف علی کی دلجوئی کی خاطر اس کے ساتھ جا رہا تھا۔

جب ان بزرگ کی قیام گاہ قریب آئی تو مجھے اپنی پہاڑی یاد آ گئی۔وہاں عقیدت مندوں کا ایک ججوم تھا ججوم کا ہر شخص حاضری کے لئے اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا بزرگ کی قیام گاہ کوٹھری نما ایک مکان پر مشتمل تھی۔اسے چاروں طرف سے سبزے اور اونچے اونچے درختوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔میں بھی اشرف علی کے ساتھ قطار میں بیٹھ گیا۔اشرف علی مؤدب اور خاموش بیٹھا ہوا تھا لیکن میں مرعوب نہیں تھا اور بے نیازی سے ادھر ادھر تک رہا تھا۔وہ بار بار مجھے ٹوکتا اور احترام کا سبق دیتا رہا۔آخر سہ پہر کو ایک شخص نے ہمیں اندر جانے کا اشارہ کیا۔اشرف علی نے مجھ سے کہا۔''دیکھو 'ادب سے کوئی گستاخی سرزد نہ ہو کوٹھری میں داخل ہوتے ہی سلام کرنا اور قدموں میں گر جانا' خدا نے چاہا تو تمہارے دن پھر جائیں گے۔''

میں بادل نخواستہ اٹھا' سامنے کوٹھری تھی اور اس کا دروازہ بند تھا۔جیسے ہی اشرف نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور ہم نے اندر قدم رکھا تو میرے قدموں سے زمین نکل گئی بلکہ زمین نے میرے قدم پکڑ لئے۔میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔وہاں بڑے میاں صاحب تمام تر جاہ وجلال کے ساتھ موجود تھے۔میں نے یقین کرنے کے لئے ایک بار پھر ان کی طرف دیکھا' ان کی آنکھوں میں سرخی تھی اور وہ مجھے دروازہ پر کھڑا دیکھ کر سرتاپا کانپ رہے تھے۔ان کے قریب ہی پنجرے میں بند مینا نے میری آمد پر بری طرح پھڑ پھڑانا شروع کر دیا تھا اور بڑے صاف لفظوں میں کہہ رہی تھی

''پردیپ 'پردیپ تم آ گئے پردیپ۔''

''راج کماری شیلا۔'' میں نے اپنا دل پکڑ لیا۔ساری بات واضح تھی' قلعے میں راج کماری کی آتما اور اس کے غلام اور باندیوں کی اچانک گمشدگی کی وجہ سامنے تھی' میاں صاحب نے اپنی بے پناہ روحانی طاقتوں سے مضطرب روحوں کے اس گروہ کو قید کر رکھا تھا۔مینا جب مجھے دیکھ کر پھڑ پھڑائی اور چیخنے چلانے لگی تو میاں صاحب نے اسے غضب کی نگاہ سے دیکھا' مینا سہم کر خاموش ہوگئی۔میری حالت بہت غیر تھی۔میں وہیں گر پڑا 'یادداشت میں صرف یہ امر محفوظ رہ گیا کہ اس وقت میرا دماغ بری طرح چکرا گیا تھا اور میں سنبھلنے کی کوشش کے باوجود زمین پر پڑا تھا۔

❁......❁......❁

جب میری آنکھیں کھلیں تو میں کوٹھری سے باہر سبزے پر بے سدھ پڑا تھا۔اشرف علی حیران و پریشان انداز سے مجھ پر جھکا ہوا تھا اور مجھے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کر رہا تھا۔میاں صاحب کی کوٹھری کے باہر اب بھی بہت سے عقیدت مند موجود تھے ان میں سے بیشتر افراد مجھے مشکوک نظروں سے گھور رہے تھے۔میں نے بے بسی سے کوٹھری کی سمت دیکھا تو وہاں مجھے ابوالحسن اور درشہوار بھی نظر آئے۔درشہوار کی آنکھوں میں حسرت تھی۔میں نے جلدی سے نظریں پھیر لیں اور اپنے مضمحل اور منتشر اعصاب قابو میں کرنے کی کوشش کی۔میں اٹھ کھڑا ہوا اب ساری باتیں میری سمجھ

میں آچکی تھیں۔ یہ صرف مقام کی تبدیلی تھی' میاں صاحب پھر ظاہر ہو گئے تھے اور اپنے تمام تر کروفر اور جاہ وجلال سے خدمت خلق میں مصروف تھے۔ سب کچھ وہی تھا صرف میں ان سے علیحدہ ہو گیا تھا' اسی وجہ سے میرے لئے سب کی نگاہوں میں اجنبیت تھی۔ جب میں کھڑا ہوا تو مجھے کسی قدر ندامت کا احساس ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے راج کماری شیلا کی فریاد نے بے چین کر دیا۔ میں راجکماری کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اشرف علی نے میرے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا کر پوچھا۔ ''شاہد علی کیا تم میاں صاحب سے واقف ہو؟''

''یہ ایک طویل کہانی ہے اشرف علی۔'' میں نے مختصر اجواب دیا۔ ''تم ٹھہرو میں ذرا میاں صاحب سے مل کر آتا ہوں۔''

''رک جاؤ شاہد علی۔'' اشرف علی نے میرے شانے کو پکڑ کر کہا۔ ''تمہیں نہیں معلوم کہ میاں صاحب نے ہی تمہیں بے ہوشی کی حالت میں اپنے حجرے سے باہر نکلوایا تھا۔ میرا خیال ہے اس وقت تمہارا ان کے روبرو جانا مناسب نہیں ہے وہ تم سے سخت برہم نظر آتے تھے۔''

میں نے اشرف علی کی بات نظر انداز کر کے قدم بڑھائے' ہجوم کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں میں تماشا بنا ہوا تھا۔ مجھے کوٹھری کی سمت جاتا دیکھ کر چند دراز ریش اشخاص غصے میں آگے بڑھے اور میرے راستے میں حائل ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے بڑی نفرت سے مجھے مخاطب کیا۔ ''تم میاں صاحب سے نہیں مل سکتے' یہ ان کا حکم ہے چلے جاؤ یہاں سے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔''

''مگر' مگر میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے التجا آمیز انداز میں کہا۔

''صاحب زادے کسی اور در پر کوشش کرو' یہاں کے دروازے اپنے لئے بند سمجھو۔'' ایک دوسرے شخص نے مداخلت کی۔

''مگر میرا قصور؟'' میں نے آہستہ سے دریافت کیا۔

''میاں صاحب ایک روشن ضمیر بزرگ ہیں صاحبزادے یقیناً انہوں نے تمہارے اندر چھپا ہوا شیطان بھانپ لیا ہے۔ آج پہلا اتفاق ہے کہ انہوں نے کسی سوالی کو دھتکارا ہے۔ تم غالباً یہاں کسی نیک ارادے سے نہیں آئے تھے۔ بہتر ہو گا کہ واپس چلے جاؤ اور خدا سے اپنے ان گناہوں کی معافی مانگو جن کی شدت محسوس کر کے اس جلیل القدر بزرگ نے تمہیں التفات کے لائق نہیں سمجھا۔'' ایک پڑھے لکھے شخص نے نصیحت آمیز انداز میں فہمائش کی۔

میرا عجیب عالم تھا' ذہن کسی ایک فیصلے پر نہیں پہنچ رہا تھا۔ کبھی کچھ سوچتا تھا' کبھی کچھ۔ مجھے سب سے زیادہ فکر راج کماری کی تھی جسے یہاں اس حالت میں دیکھ کر میری عقل خبط ہو گئی تھی۔ وہ مجھ سے ملنے کے لئے مضطرب تھی اور اب میں اسے ہر قیمت پر میاں صاحب کے عتاب سے بچانا چاہتا تھا۔ میاں صاحب کے ارادت مندوں کی دخل اندازی نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ معاً میری نظر پھر کوٹھری کی جانب اٹھی وہاں در شہوار کھڑی تھی اور سراسیمگی سے مجھے تک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر میرے لئے ہمدردی کا جذبہ موجود تھا۔ میری طرف سے نظر ہٹا کر اس نے ابوالحسن سے کچھ کہا اور ابوالحسن نے نفی میں گردن ہلا دی۔ ابوالحسن کے اس انداز پر میری رہی سہی امیدیں بھی ختم ہو گئیں۔ میرا جی چاہا کہ میں ابوالحسن سے جا کر کہوں ''آہ آپ بھی مجھے بھول گئے۔'' مگر میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ ابوالحسن سے کوئی گزارش کرنے کے خیال ہی سے مجھے اپنے آپ پر غصہ آیا اور میں چارو ناچار گردن جھکائے اشرف علی کی طرف چلا گیا جو ابھی تک حیران کھڑا صورت حال کو سمجھنے کی کوشش میں بری طرح پریشان نظر آ رہا تھا۔ میں

قریب گیا تو اس نے پوچھا۔ ''ماجرا کیا ہے شاہد علی؟''

میاں صاحب نے آج سے کوئی دو تین ماہ پہلے اس بستی میں قدم رکھا ہے۔ اس مدت میں ان کی خانقاہ سے کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں گیا۔ پوری بستی میں ان کی بزرگی اور خوش خلقی کے چرچے ہیں جو شخص بھی ان کے پاس جاتا ہے' وہ دل سے ان کا معتقد ہو جاتا ہے لیکن تمہارے سلسلے میں محترم بزرگ کا رویہ عجیب تھا ایسا کیوں ہوا شاہد علی؟''

''مت پوچھو اشرف علی۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔'' میں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

اشرف علی مصر ہو گیا۔ ''تم ضرور مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔ مجھے وہ بات بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کر لو۔''

''مجھ سے غلطی ہو گئی اشرف علی' ہمیں وہاں نہیں جانا چاہئے تھا۔ کاش مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تم نے دیکھا ہو گا کہ مجھے دیکھ کر پنجرے میں بند ایک مینا نے پھڑ پھڑانا شروع کر دیا تھا۔ بس میاں صاحب اس بات پر ناراض ہو گئے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ اشرف علی کی آنکھوں میں حیرت بھر گئی۔

''کیا مطلب؟ بخدا میں نہیں سمجھا۔ ایک پرندے سے تمہارا کیا تعلق؟ تم کچھ بے معنی اور مبہم باتیں کر رہے ہو۔'' پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''ہاں مجھے یاد آیا وہ مینا تمہیں دیکھ کر ''پردیپ پردیپ'' پکار رہی تھی۔ تم ہندو تو نہیں ہو؟''

''خدا کے لئے اس وقت مجھے پریشان نہ کرو' خاموش ہو جاؤ' میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اشرف علی کے سوالوں سے بچنے کے لئے کہا۔ یہ واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے تھے کہ ان گنت وسوسوں اور اندیشوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ واپسی پر میں اپنا قد چھوٹا محسوس کر رہا تھا اور بے زاری سے مضحکہ خیز انداز میں سر اور ہاتھ ہلاتا جا رہا تھا۔ اشرف علی میری وحشت دیکھ کر خوفزدہ سا تھا اور مجھ سے بار بار سوالات کر رہا تھا۔ میں بار بار اسے جھڑک دیتا تھا۔ راج کماری شیلا کی بے بسی کا احساس مجھے خون کے آنسو رلا رہا تھا۔ وہ شیلا جس سے میں نے سب سے زیادہ محبت کی تھی۔ اب اس کی روح ایک پرندے کے جسم میں قید تھی میں اپنے خیالوں میں سرگرداں اشرف علی کے سوالات سے بچنے کے لئے اس سے کچھ آگے نکل گیا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اشرف علی میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ مسجد پہنچ کر میں سیدھا حجرے میں گیا اور نڈھال ہو کر بستر پر گر پڑا۔ چند لمحوں بعد اشرف علی اندر داخل ہوا اس کی سانس پھولی ہوئی تھی وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''شاہد علی آج تمہیں بتانا ہی ہو گا کہ تمہارا ماضی کیا تھا؟ میں نے اکثر بے خودی کے عالم میں تمہیں شیلا شیلا پکارتے سنا ہے آج وہ مینا تمہیں پردیپ پردیپ کہہ کر پکار رہی تھی۔ مجھے سچ سچ بتاؤ یہ سب کیا ہے؟ تم سے میاں صاحب جیسی نیک اور خدا ترس شخصیت نے بھی منہ پھیر لیا آخر کیوں؟''

''مولوی اشرف علی۔'' میں نے بگڑ کر کہا۔ ''کچھ دیر کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ ابھی میرے دل و دماغ اس قابل نہیں کہ میں تمہیں اپنی بدنصیبی کی داستان سنا سکوں۔''

مولوی اشرف علی نیک شخص تھا۔ مجھے الجھا ہوا دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

دو روز گزر گئے' مولوی اشرف علی نے متعدد بار اصرار کیا کہ میں اپنا ماضی اس کے سامنے بے نقاب کر دوں لیکن میں نے اس کی طرف توجہ

نہ دی۔ میں راج کماری شیلا کی آتما کی بازیابی کے منصوبے بناتا رہا کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی تھی جس پر عمل کرنا ممکن ہوتا۔

تیسرے دن میرے اندر چھپے ہوئے کسی شخص نے مجھے ایک راہ سجھادی۔ اس وقت میرے سامنے اشرف علی تھا جو بہت سادہ اور نیک دل شخص تھا۔ میں نے سوچا اگر میں کسی طرح اسے ہموار کرلوں تو کام بن سکتا ہے۔ یہ کام مشکل نہیں تھا چنانچہ میں نے اسے اپنے متعلق کچھ اچٹتی ہوئی باتیں بتائیں' میں نے شیلا کے بارے میں اسے بتایا کہ وہ ایک ہندو عورت کی روح ہے جسے سکون دینے کے لئے میں پردیپ بن گیا تھا۔ میں نے کچھ اتنے تاثر انگیز انداز سے واقعات سنائے کہ اشرف علی میری صورت تکنے لگا۔ اسے حیرت تھی کہ میں روحوں کے بارے میں کتنی روانی سے بات کررہا ہوں۔ اس پر سکوت طاری ہوگیا جیسے وہ میری سرگزشت سن کر یقین کرنے اور نہ کرنے کی کیفیت میں مبتلا ہو۔ ''سنو اشرف علی میں اعتراف کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں راج کماری شیلا کے لئے اپنی راہ سے بھٹک گیا ہوں۔ اپنا مقام اور مسلک بھول گیا ہوں' میں نے شیلا سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک اس کی بے چین آتما کو قرار نہیں آجائے گا' میں دنیا کی تمام عبادتوں سے دور رہوں گا' اسے تم میری غلطی کہو یا حماقت لیکن جو کچھ ہوا' وہ میں نے تمہارے سامنے پیش کردیا ہے۔''

''شاہد علی تم کتنی عجیب باتیں کررہے ہو۔ ایک روح سے تم نے وعدہ کیا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا ہے شاید تم مجھے خوفزدہ کررہے ہو۔'' اشرف علی نے معصومیت سے کہا۔

''نہیں اشرف علی۔ یہ سب سچ ہے۔ میں نے روحانی اور ماورائی قوتوں کے بارے میں تمہیں بہت سرسری سی باتیں بتائی ہیں۔ اس عالم رنگ بو میں ان کی تعداد بہت کم ہے جن کی آنکھیں ماورائے ادراک دیکھنے پر قادر ہوتی ہیں۔ یہ خوبی بڑی ریاضت کے بعد آتی ہے' عبادت گزار شخص ایک ایسا پہلوان ہوجاتا ہے جس کے تمام حواس ہر اعتبار سے عام آدمیوں کے حواس سے قوی اور مختلف ہوجاتے ہیں۔ میں نے بھی کچھ سیکھا ہے' کچھ ریاض کیا ہے لیکن میں غالباً اس کا متحمل نہیں ہوسکا۔''

میں نے ایک مؤثر تقریر کی جو اشرف علی نے خاموشی اور حیرت سے سنی جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

''شاہد علی تم نے بہت برا کیا جو ایک روح کی خاطر اپنے مسلک سے دور ہوگئے۔ اب میاں صاحب کی ناراضگی کی وجہ میری سمجھ میں آچکی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اب بھی وقت ہے کہ تم سلامتی کی راہ پر آجاؤ' خداوند کریم کی ذات بابرکات تم پر یقیناً مہربان ہوگی اور کیا عجب کہ تم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرلو۔''

''مجھے اپنی غلطیوں کا احساس ہے۔'' میں نے اشرف علی کو اکھڑتا دیکھ کر ندامت سے کہا۔ ''لیکن میں نے ایک روح سے وعدہ کیا تھا' وہ روح جسے مجھ سے عشق ہے' میرے لئے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو میں اپنی بقیہ زندگی گمراہی میں گزاردوں اور گناہوں کا بوجھ اٹھائے دنیا سے رخصت ہوجاؤں یا پھر شیلا کو میاں صاحب سے حاصل کرکے اس کی آتما کو آزاد کراؤں اگر میں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو مجھے سکون نہیں ملے گا' اور سکون نہ ملا تو میں منتشر رہوں گا۔ میں عبادت ضرور کروں گا مگر تم سمجھ سکتے ہو کہ ذہنی انتشار کی عبادت کیسی عبادت ہوگی' میرا دل تو کہیں اور رہے گا۔''

جب میں نے دیکھا کہ اشرف علی نے شیلا کے واقعات سے کوئی خاص اثر قبول نہیں کیا تو میں نے مبالغے سے بھی گریز نہیں کیا۔ میں نے

اسے کچھ جھوٹی باتیں بھی بتائیں اور کہا' کیا ایک مسلمان کو اپنے وعدے سے منکر ہو جانا چاہئے۔ کیا میں یونہی خاموش ہو کر بیٹھ رہوں۔

''شاہد علی ایک مسلمان کی حیثیت سے میں تمہیں دوسرے راستے پر چلنے کی تلقین کروں گا اگر تم نے نیک نیتی اور سچے دل سے توبہ کر لی تو یقین جانو خدا تمہیں معاف کر دے گا۔''

''ہاں تمہاری بات درست ہے لیکن یہ اسی طرح ممکن ہے کہ تم میری کچھ مدد کرو۔ میں تم سے ایک کام لینا چاہتا ہوں مجھے یقین ہے اگر تم میاں صاحب کے پاس جا کر ان سے مینا کا پنجرا طلب کرو تو وہ تمہیں مایوس نہیں کریں گے۔'' میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''لیکن میں' میں یہ.....'' اشرف علی انکار پر مصر تھا۔

میں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے اور اسے مجبور کیا کہ وہ اس معمولی سے کام کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اشرف علی مجھے صبر و سکون کی تلقین کرتا رہا لیکن میں بضد رہا۔ پھر میں اپنی گفتگو کو ایک ایسے موڑ پر لے گیا جہاں اشرف علی کوئی فیصلہ کر سکتا تھا۔ میں نے بہت سے جھوٹ بولے' مبالغے کئے' حاشیہ آرائی سے کام لیا اور آخر اشرف علی میری قوت بیان سے متاثر ہو گیا اور اس نے بادل نخواستہ پنجرا لے کر آنے کے لئے آمادگی ظاہر کر دی۔

وہ رات میں نے امید و بیم کی کیفیتوں میں گزاری۔ مجھے اپنی کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ میاں صاحب دلوں کا راز پڑھنے کی قوت رکھتے تھے۔ مستقبل کی باتیں ان پر آشکار ہو جاتی تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میرا یہ فریب بھی ان سے مخفی نہیں رہ سکے گا لیکن اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق میں نے امید کا چراغ تیز ہواؤں کی زد پر روشن کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے ایک موہوم سی امید تھی کہ میاں صاحب شاید اشرف علی کی درخواست رد نہ کریں۔

دوسری صبح فجر کی نماز کے بعد مولوی اشرف علی میاں صاحب کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی میرے اعصاب میں جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ایک لمحہ کامیابی کی بشارت لے کر آتا تھا تو دوسرا لمحہ مایوسی کی پیشگوئی کر دیتا تھا۔ مجھ سے حجرے میں انتظار نہیں کیا گیا۔ میں مسجد سے باہر نکل کر ٹہلنے لگا۔ آخر خدا خدا کر کے دور سے اشرف علی آتا دکھائی دیا' میں بے تحاشا بھاگ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ مولوی اشرف علی مینا کا پنجرا لئے میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے پنجرا اس طرح اچک لیا جیسے مجھے خطرہ ہو کہ کہیں اشرف علی اسے دوبارہ واپس نہ لے جائے۔ اس نے میرا دیوانہ پن دیکھ کر تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''خدا تمہیں ایمان کی روشنی سے سرفراز کرے شاہد علی، میاں صاحب سے یہ پنجرا حاصل کرنے میں جو دشواری پیش آئی ہے' وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ میں تمہارے حق میں دعا کروں گا لیکن تم نے مجھ سے غلط بیانی سے کام لیا اس کا مجھے دکھ ہے۔''

میں نے چونک کر وضاحت طلب نظروں سے اشرف علی کو دیکھا۔ وہ افسردہ لہجے میں بول۔ ''اس مینا نے مجھے میاں صاحب کی موجودگی میں خود اپنی زبان سے تمام باتیں بتا دی ہیں۔ تم نے مجھ سے بہت جھوٹ بولا ہے' شاہد علی اگر تم صاف گوئی سے کام لیتے تو بھی میں تمہارا کام کر دیتا۔''

''ہاں مجھے اعتراف ہے اشرف علی کہ میں نے تم سے کچھ غلط بیانی سے کام لیا تھا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے معاف کر دو' مجھے یقین تھا کہ اگر میں تم سے حقیقت حال کا اظہار کر دیتا تو شاید تم بھی مجھ سے وہی سلوک کرتے جو میاں صاحب نے کیا تھا۔ بہر حال میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ

تم میرے کام آئے۔''

میں بڑی سچائی سے عرض کروں کہ اس وقت مجھے خود اپنا لب ولہجہ نفرت کے قابل محسوس ہو رہا تھا۔ اشرف علی کو یقیناً اس رویے کی توقع نہیں تھی لیکن اب میرے پاس گزری ہوئی غلطیوں کی طرف توجہ کرنے کا وقت ہی کہاں تھا' میں راج کماری شیلا کو پا لینے کے بعد اب اشرف علی کی ناگواری بھی خوشی سے برداشت کر رہا تھا۔ میں پنجرا ہاتھ میں تھامے تیزی سے حجرے میں داخل ہوا اور پنجرے کو اپنی آغوش میں بھر کر بولا۔'' آخر تم مجھے مل ہی گئیں' دیکھو تمہارا پردیپ تمہارے پاس ہے' اب مجھے تم سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔''

میں وارفتگی اور سرمستی کے عالم میں نہ جانے کیا کیا کہتا اور راج کماری سے اپنی والہانہ محبت کی تجدید کرتا رہا۔ ویران قلعے میں پیش آنے والے بے پناہ عشق کی یادیں پھر سے تازہ ہو گئیں لیکن مینا بند پنجرے میں محض پھڑ پھڑاتی رہی' اس نے جواب میں کچھ بھی نہ کہا مجھے اس کی خاموشی بڑی گراں گزر رہی تھی۔ جب وہ بہت دیر تک کچھ نہ بولی تو میں زچ ہو کر بولا۔'' شیلا تم خاموش کیوں ہو؟ میں پردیپ ہوں' کیا مجھے حاصل کر کے تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی' مسلسل کئی روز تک ویران قلعے میں تمہارے لئے بھوکا پیاسا تڑپتا رہا ہوں' مجھے آواز دو' میرے کان تمہاری دل نشین آواز سننے کے لئے بے تاب ہیں۔'' مینا نے بے پروائی سے پنجرے کی جالیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ وہ ایسی بے نیاز تھی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو' وہ مجھ سے بے حد خائف اور سہمی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کی خاموشی سے میرے صبر کا پیمانہ جھلک اٹھا۔ میں نے پنجرے کو زور زور سے جھنجھوڑ ڈالا۔'' بولو راجکماری شیلا' کیا تمہیں میری حالت پر ترس نہیں آ رہا ہے' تمہیں اپنے اروپ دیوتا کی قسم مجھے پردیپ کہہ کر پکارو! مجھ سے باتیں کرو۔''

مینا پنجرے میں ادھر ادھر چکراتی رہی' میں حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے آوازیں دیتا رہا۔ مجھ پر شدید مایوسی کا غلبہ تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں میاں صاحب نے اپنی روحانی قوتوں کے ذریعے پنجرا دیتے وقت راج کماری کی روح کو کسی اور جگہ تو مقید نہیں کر دیا یقیناً ایسا ہی ہوا ہے۔ اشرف علی نے ان سے مینا طلب کی تھی' انہوں نے اس کی درخواست قبول فرمالی اور مینا اس کے حوالے کر دی۔ ورنہ راج کماری تو میاں صاحب کی موجودگی میں بھی مجھے دیکھ کر بے اختیار پکارنے لگی تھی بھلا اس وقت کیوں خاموش ہے۔ میرا شبہ رفتہ رفتہ یقین میں تبدیل ہو گیا۔ اشرف علی دروازے پر کھڑا میری مجنونانہ حرکتوں پر انگشت بدنداں تھا۔ میں ناکامی اور مایوسی کے احساس سے مغلوب ہو کر جھلا گیا اور میں نے اسی جھلاہٹ میں مینا کا پنجرا دور پھینک دیا۔ پھر میں نے اشرف علی کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا اور چلایا۔'' اشرف علی' میاں صاحب نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے اور اس زیادتی میں تم بھی ان کے برابر کے شریک ہو' میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا' میری بات کا صحیح جواب دو شیلا کہاں ہے؟''

میرا جنون انتہا کو پہنچ گیا۔ اشرف علی میرے شکنجے میں جکڑا ہوا لرز رہا تھا۔ میں اس کے گلے پر اپنی گرفت مضبوط کرتا رہا پھر اچانک میں نے اسے ایک جھٹکا دے کر حجرے کے پختہ فرش پر پٹخ دیا اور غصے میں پیر پٹختا ہوا مسجد سے باہر نکل گیا۔ میرا رخ میاں صاحب کی قیام گاہ کی طرف تھا۔ میں راج کماری کے بارے میں میاں صاحب سے کوئی فیصلہ کرنے اور اسے ہر صورت میں حاصل کرنے کے لئے مسجد سے نکلا تھا۔ میں نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ میں شیلا کی خاطر میاں صاحب کے تمام پرندے جلا کر خاک کر دوں گا۔ میں اس ذلیل زندگی سے تنگ آ کر موت کو گلے لگانے پر بھی آمادہ ہو چکا تھا۔ کچھ دور تک میں تیز تیز چلتا رہا پھر میں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ میرے دل میں طوفان ابل رہے تھے۔ میں راج کماری

کی خیریت دریافت کرنے کے لئے بے حال ہوا جا رہا تھا۔

میں بستی سے دور میاں صاحب کی قیام گاہ کے قریب پہنچ گیا' تو وہاں عقیدت مندوں کی ایک فوج جمع تھی۔ وہاں میں نے ابوالحسن اور درشہوار کو بھی دیکھا اور درشہوار مجھے دیکھ کر چونکی مگر میں نے اس کی بھی کوئی پروانہ کی۔ میں تمام رکاوٹیں پھلانگ کر میاں صاحب کی کوٹھری کے اندر پہنچنے کے لئے پر تول رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں وہاں تک جانے میں کامیاب ہوتا' میاں صاحب کے عقیدت مندوں نے بڑھ کر مجھے گھیر لیا یہ لوگ تین روز قبل مجھے یہاں رسوا ہوتا دیکھ چکے تھے۔ اس روز مجھے ایک دراز ریش بزرگ نے پہلی بار وہاں سے نکل جانے کے لئے کہا تھا۔ اس وقت وہی طیش کے عالم میں میرے قریب آ کر بولے ''تو پھر آ گیا مردود؟ دفع ہو جا' تجھے جرأت کیسے ہوئی کم بخت۔ اتنا سوچ کہ تیری موجودگی میں ان کے دینی مشاغل میں خلل ڈالے گی۔ کچھ تو خدا کا خوف کرنا نجار۔''

''بڑے صاحب آپ راستے سے ہٹ جایئے۔'' میں نے راہ میں حائل ہونے والے شخص کو دھکا دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ میری یہ حرکت دیکھ کر میاں صاحب کے عقیدت مندوں نے مجھ پر یلغار کر دی اور مجھے گھسیٹ کر کوٹھری سے دور کر دیا۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ میری تکا بوٹی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مجھے اپنی پہاڑی کا ایک گزرا ہوا واقعہ یاد آ گیا جہاں میرا ایک عقیدت مند غصے میں ایک انسپکٹر کے گلے پڑ گیا تھا۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ ایسی جگہوں پر کشت وخون پسند نہیں کیا جاتا اس لئے میاں صاحب کے عقیدت مند آخر وقت تک اس سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے ایک بار پھر زور آزمائی کی اور انہوں نے ایک بار پھر مجھے حقارت سے دور کر دیا۔ وہ مجھ سے سخت برہم اور مشتعل نظر آ رہے تھے۔ میں نے وہاں خود کو بے دست و پا محسوس کیا اور بے بسی سے کوٹھری کی طرف دیکھا۔ درشہوار میری رسوائی کا یہ منظر خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں مجھ سے چار ہوئیں تو وہ کچھ سوچ کر میاں صاحب کی کوٹھری میں داخل ہو گئی۔ مجھے اختلاج ہونے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میاں صاحب کی خدمت میں میری باریابی کی اجازت حاصل کرنے کے ارادے سے گئی ہے۔ میں حجرے کے دروازے پر نظریں جمائے رہا۔ چند لمحوں بعد درشہوار واپس آئی' اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا' اس کی خوب صورت آنکھوں سے حسرت عیاں تھی۔ اس نے نگاہیں نیچی کر لیں اور پھر اچانک ابوالحسن کے کان میں کچھ کہا۔ ابوالحسن نے جواب میں اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کی پشت تھپتھپانے لگے۔ اب میرا وہاں رکنا مناسب نہ تھا۔ میرا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور میں واپسی کے راستے پر چل پڑا' کسی ایسے مسافر کی طرح جس کے تمام ساتھی بچھڑ گئے ہوں جو دشت میں تنہا گھوم رہا ہو اور جسے راستے کا پتہ تک نہ ہو۔ ابھی میں کوٹھری سے کوئی ایک فرلانگ دور گیا ہوں گا کہ اذان کی آواز کانوں میں گونجی۔ اچانک میرے ذہن میں ایک عجیب وغریب ترکیب آ گئی' مجھے معلوم تھا کہ میاں صاحب نماز اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ ادا کرنے کے عادی ہیں' ان کے اس معمول میں کبھی کوئی فرق نہیں آتا تھا' جلدی سے لپک کر ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ میں یہ موقع ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ جتنی دیر میاں صاحب اور ان کے عقیدت مند نماز ادا کرنے میں مصروف رہتے' اتنی دیر میں میرا کام بن سکتا تھا۔ میں درخت کی آڑ میں چھپا کھڑا رہا' اب میری نظریں میاں صاحب کی کوٹھری کی طرف مرکوز تھیں۔ سبزے پر عقیدت مندوں نے سنتیں پڑھنی شروع کر دیں تھیں۔ ادھر میں آنے والے لمحات کے لئے اپنے آپ کو پوری طرح مستعد کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میاں صاحب لکڑی ٹیکتے ہوئے باہر آئے۔ اب وہ خاصے ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے انہیں دو افراد نے سہارا دے رکھا تھا۔ میرے

دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ایک ایک پل اضطراب میں گزر رہا تھا۔جیسے ہی نماز کے لئے صفیں آراستہ ہوگئیں اور میاں صاحب نے نیت کے لئے ہاتھ باندھے' میں پھرتی سے درخت کی آڑ سے نکل کر حجرے کی طرف دوڑنے لگا مجھے اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا۔میاں صاحب اور ان کے عقیدت مند نماز میں مصروف تھے۔اس وقت کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو میرے راستے میں حائل ہوتا درشہوار اور ابوالحسن بھی کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔میں بھاگتا ہوا حجرے میں داخل ہوگیا۔وہاں متعدد پنجرے موجود تھے اور ان پنجروں میں متعدد پرندے بند تھے۔میری سانس پھول رہی تھی' میں نے ایک طائرانہ نظر تمام پنجروں پر ڈالی' یکلخت ایک طوطے نے پھڑ پھڑا کر چلانا شروع کر دیا۔

''پردیپ پردیپ!'' تم آگئے راجکمار۔مجھے یہاں سے نکالو پردیپ' میری آتما تمہارے لئے تڑپ رہی ہے۔''

خوشی اور فتح مندی کے احساس سے میرا انگ انگ مسکانے لگا۔میں جھپٹ کر آگے بڑھا اور میں نے چشم زدن میں طوطے کا پنجرا اٹھایا پھر میں واپسی کے ارادے سے پلٹنے ہی والا تھا کہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ابوالحسن زہریلی نظروں اور غضب آلود چہرے کے ساتھ دروازے پر کھڑے تھے۔میں نے بھی انہیں اس طرح دیکھا جیسے میں ان سے شدید بے زار ہوں۔''تم یہاں تک آگئے شاہد علی' اتنی پستی' چوری بھی شروع کر دی ہے۔''

''ابوالحسن آپ کو حق ہے آپ مجھے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔میں آپ کو اپنا اتالیق سمجھتا ہوں۔پھر بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ میرے راستے کی رکاوٹ بنیں اور ہمارے درمیان کوئی تلخ صورت حال پیدا ہو۔میں یہ پنجرا یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں۔بہتر ہے آپ اس معاملے میں دخل نہ دیں۔یہ پنجرا میرے ساتھ جائے گا۔''میں نے سنجیدگی سے کہا۔

ابوالحسن نے پُرسکون انداز میں جواب دیا۔''شاہد علی تم میاں صاحب کے حکم کے بغیر اس حجرے سے ایک چٹکی خاک بھی باہر نہیں لے جاسکتے۔بہتر ہوگا پنجرا واپس رکھ دو۔''

''ابوالحسن!'' مجھے طیش آگیا' راجکماری شیلا کی آتما پردیپ پردیپ پکار کر مجھے کچھ کر گزرنے پر اکسا رہی تھی۔میں نے بگڑے ہوئے تیور سے انہیں مخاطب کیا۔''اگر آپ نے پنجرے کی واپسی کے لئے ضد کی تو میرے لئے ضروری ہوگا کہ مجبوراً آپ کو راستے سے ہٹا دوں۔میں اس عزم سے یہاں آیا ہوں کہ پنجرا ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔''

ابوالحسن میرے تیور دیکھ کر زیر لب مسکرائے۔''شاہد علی معلوم ہوتا ہے تمہاری عاقبت کے ساتھ ساتھ تمہارا دماغ بھی خراب ہوگیا ہے۔تم ابھی تک ہواؤں میں اڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

میرے پاس ابوالحسن سے بحث کرنے کا وقت نہیں تھا کیونکہ راجکماری کو حاصل کرنے کے بعد اسے چھوڑنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔میں نے ابوالحسن کو راستے سے ہٹانے کی ٹھان لی۔میں فیصلہ کر کے آگے بڑھا لیکن دوسرے ہی لمحے چار جن ابوالحسن کا اشارہ پا کر نمودار ہوئے۔یہ چاروں غالباً پہلے سے وہاں موجود تھے۔پنجرا میرے ہاتھ سے چھین لیا گیا۔اس کے بعد ان چاروں نے مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیا اور میاں صاحب کی کوٹھری سے دور پھینک کر الٹے قدموں واپس چلے گئے۔ایک زمانہ تھا کہ ابوالحسن اور جنوں کا یہ قبیلہ میرے سامنے گردن جھکائے میرے احکام کا منتظر رہتا تھا' میری ایک جنبش نظر سے سیاہ وسفید کا فیصلہ ہو جاتا تھا لیکن آج انہی ابوالحسن نے میرے ساتھ جارحانہ سلوک کیا اور ان

کے رفیق جنات نے مجھے بڑی بے دردی اور بے رحمی سے دھکے مارے۔ میں نے میاں صاحب کی طرف دیکھا جو ہر بات سے بے نیاز بارگاہ ایزدی میں سربسجود تھے میں ساکت وصامت کھڑا قسمت کی گردش پر آنسو بہا رہا تھا۔

میاں صاحب نماز ادا کرنے کے بعد حجرے میں واپس چلے گئے نماز کے بعد وہاں موجود دوسرے افراد نے اپنے چہروں سے اسی نفرت کا اظہار کیا جس کا میں عادی ہو گیا تھا۔ مجھے ان کی نفرت یا محبت سے کوئی سروکار نہ تھا میں تو کسی نہ کسی طرح اپنا گوہر مقصود حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کو کیا معلوم کہ یہ شخص دنیا سے کس قدر عاجز ہے' یہ کیوں زندہ ہے۔ عشق وانتقام کی وہ کیسی آگ ہے جو اس کے سینے میں سلگ رہی ہے۔ انہیں کیا احساس ہوتا کہ ان کے سامنے کل کا ایک محترم بزرگ موجود تھا۔ اب میں اپنے عظیم ماضی کی کوئی رعایت ان سے نہیں لینا چاہتا تھا۔ میرا جسم دکھنے لگا کیونکہ راجکماری کی بازیابی کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ چار و ناچار میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہا۔ اب مجھے ہر طرف اداسی ہی اداسی اور ناکامی ہی ناکامی نظر آ رہی تھی۔ میں انہی فکروں میں غلطاں و پیچاں سبزے پر اوندھا پڑا تھا کہ ایک مانوس آواز میرے کانوں میں بارود کے شور کی طرح ٹکرائی۔ ایسا محسوس ہوا کہ میرے کانوں کے پاس بم پھٹا ہو۔

''آخر تم مجھے مل گئے میاں شاہد علی میں تمہیں مختلف شہروں اور بستیوں میں تلاش کر رہا تھا۔'' میں نے پلٹ کر دیکھا۔ پنڈت اونکار ناتھ اپنی تمام خباثتوں کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا اور مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میرا سب سے بڑا دشمن اس وقت میرے سامنے تھا۔

اس کے اس طرح سامنے آنے سے مجھے گزرے ہوئے تمام صدمے یاد آ گئے اور زخم رسنے لگے۔ وہ پھر صبر وضبط کا امتحان لینے آ گیا تھا۔ اس وقت میں سب کچھ بھول گیا۔ میں نے راجکماری شیلا کو بھی فراموش کر دیا اور تیزی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہی وہ خبیث اور مردود شخص تھا جس نے مجھے آزمائشوں میں ڈال کر مجھ سے سب کچھ چھین لیا تھا' میری تمام بربادیوں کا ذمے دار تھا۔ اس نے میرے اندر چھپے ہوئے ایک شیطان صفت شخص کو ابھار دیا جو عبادت و ریاضت کے باوجود میرے اندر سے نہیں نکل سکا تھا۔ ابھی میرے باطن کی پوری طرح تطہیر بھی نہ ہوئی تھی کہ اونکار ناتھ نے مجھ سے زور آزمائی شروع کر دی۔ قبل از وقت ہنگامہ کھڑا کر دیا اگر میں اونکار ناتھ پر سبقت لے جانے کا جذبہ دبا لیتا' انا پر قابو پا لیتا اور اپنے سرکش نفس کو مطیع کر لیتا تو مجھے اتنے سانحوں سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ اونکار ناتھ کے آنے سے پہلے ہی میں اپنی زندگی ختم کر لینے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہا تھا اور جب مرنا ہی ٹھہرا تو پھر کسی چیز کی کیا پروا؟ کسی چیز سے خوف کیسا؟ میں نے سوچ لیا کہ میں اپنی تمام روحانی طاقتوں کے چھن جانے کے باوجود اس نابکار سے ضرور پنجہ آزمائی کروں گا چاہے اس کے نتائج کتنے ہی ہولناک نکلیں۔

''جاپ ختم کرتے ہی میں تمہاری تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ مجھے وشواس تھا کہ شاہد علی تم کہیں کونے کھدرے میں چھپے ہوئے ہو گے۔ آج میں آخری فیصلہ کرنے کے ارادے سے آیا ہوں' تمہارے پاس اگر کوئی زور اب بھی باقی رہ گیا ہو تو آزما لو میاں جی، میں تمہیں موقع دیتا ہوں۔'' اونکار ناتھ کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

''کمینے ذلیل۔ میں آج تجھے جہنم رسید کرے چھوڑوں گا۔'' یہ کہہ کر میں ذرا بھی مہلت دیئے بغیر اس سے لپٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ اونکار ناتھ کسی منتر کا جاپ کرتا اور اپنے بیروں کو مدد کے لئے بلاتا' میں اس کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا۔ اس کی منحوس شکل دیکھتے ہی مجھ پر جنون طاری

ہو گیا تھا۔

اونکار ناتھ میرے اس اچانک حملے سے ایک پل کے لئے لڑکھڑا کر رہ گیا لیکن دوسرے ہی پل اس نے کسی کھلونے کی طرح مجھے کمر سے تھام کر اٹھایا اور سبزے پر اچھال دیا۔ میں اس کی بے پناہ طاقت کا اندازہ کر کے ششدر رہ گیا۔ میں سبزے پر ٹیڑھا گرا تھا اس لئے میرے کولہے میں شدید چوٹ آئی تھی۔ میں نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی مگر صرف کراہ کر رہ گیا۔

''شکتی پراپت (حاصل) کرنے کے لئے منش کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں مورکھ' من کو مارنا پڑتا ہے۔ تو کیا جانے گیان دھیان کسے کہتے ہیں۔'' اونکار ناتھ تحقیر آمیز انداز میں مجھ سے مخاطب تھا۔ میں نے ایک بار پھر اٹھنے کی ناکام کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اونکار ناتھ میری ناکامی دیکھ کر استہزایہ لہجے میں بولا۔ ''میاں شاہد علی اٹھو' تم نے تو مجھے نرکھ میں جھونکنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب اتنے لاچار کیوں نظر آ رہے ہو' کوئی وظیفہ پڑھو بلاؤ اپنے موکلوں کو' آواز دو اپنے مرشد کو انہیں حکم دو کہ وہ مجھے جلا کر بھسم کر دیں۔''

اونکار ناتھ کی نفرت انگیز باتیں ناقابل برداشت تھیں۔ میں اپنے جسم کی ساری توانائی اکٹھا کر کے ایک بار پھر جوش میں اٹھ کھڑا ہوا اور کسی پاگل کی طرح اونکار ناتھ کے گریبان سے الجھ گیا لیکن اس بار بھی اونکار ناتھ نے مجھے ایک ہی جھٹکے میں دور پھینک دیا اور کڑک کر بولا۔ ''یہ کیا بچوں جیسی حرکتیں کر رہے ہو میاں شاہد علی۔ تمہاری روحانی قوتوں کو کیا ہو گیا؟ جان پڑتا ہے کہ اب تمہارے دن پورے ہو گئے ہیں۔ سمے بیت چکا ہے' تم نے رشیدہ اور اس کے بچوں کو برباد کیا' بیرسٹر اور اس کے بچوں کو اندھا اور مفلوج کیا' پر نتو یہ بھول گئے کہ میں ابھی زندہ ہوں۔ اچھا خبردار اب اپنی موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شما کا وچار دل میں نہ لانا شاہد علی، مجھے معلوم ہے تم میرے چرنوں میں بھکاریوں کی طرح لوٹ لگاؤ گے۔ پر نتو اب تمہاری معافی کا وقت گیا' تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے میاں صاحب نے تمہیں کیا دان کیا تھا' تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ میں نے پہاڑی پر اپنی شکتی کا ایک مظاہرہ کر کے تمہیں خود سے دور رکھنے کا کیسا سبق دیا تھا۔ تم نہ جانے خود کو کیا سمجھتے تھے۔''

میاں صاحب کا حجرہ میری نظروں کے سامنے تھا۔ ان کے عقیدت مند حجرے میں باریابی کے منتظر تھے۔ کسی ایک نے بھی میری طرف توجہ نہیں کی۔ مجھے جلد ہی احساس ہو گیا کہ اب اونکار ناتھ سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ میں پوری طرح اس کے قبضے میں ہوں آج یہ تماشا اختتام کو پہنچ رہا ہے' میں اسی کشمکش کے عالم میں نہ جانے کیوں مبہم حسرتوں اور موہوم آرزوؤں کے ساتھ میاں صاحب کی کوٹھری کی سمت دیکھنے لگا جیسے مجھے وہاں سے کوئی معجزہ رونما ہونے کی توقع ہو۔

اونکار ناتھ بولا۔ ''اس کٹیا کی طرف کیا دیکھ رہے ہو شاہد علی' کیا وہاں تمہارا کوئی دھرماتما موجود ہے اگر موجود ہو تو اسے بھی بلا لو۔ چلو پرانے تعلقات کی بنا پر کم سے کم یہ رعایت تو تمہیں دے ہی دوں۔''

میں کچھ کرنے اور کہنے کی ہمت نہ رکھتا تھا مگر پلک جھپکائے بغیر کھا جانے والی نگاہوں سے اونکار ناتھ کو دیکھتا رہا اگرچہ اب مجھے میاں صاحب سے کوئی خاص امید نہیں تھی۔ کوئی خاص انس نہیں تھا' کیوں کہ انہوں نے راج کماری کی آتما کو قید کر کے میرے غموں میں اور اضافہ کر دیا تھا پھر بھی پتہ نہیں کیوں مجھے میاں صاحب کی شان میں کوئی نازیبا بات سننا گوارا نہ تھی خصوصاً اونکار ناتھ کی ناپاک زبان سے سننا۔ چنانچہ میں نے تلخ لہجے میں

جواب دیا۔ ''اونکار ناتھ یہ صحیح ہے کہ میں تمہارے گستاخانہ طرز عمل کا پوری طرح جواب دینے سے معذور ہوں لیکن میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ تم کوٹھری والے بزرگ کی شان میں کوئی اوچھی بات منہ سے نہ نکالنا۔ تمہاری لڑائی صرف مجھ سے ہے' مجھے جو چاہے کہہ لو اگر مجھ سے نمٹنا چاہو تو نمٹ سکتے ہو۔''

''کوٹھری والے بزرگ۔'' اونکار ناتھ نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ ''انہیں آواز دو کہ وہ بھی اونکار ناتھ کو دیکھ لیں' اس کے دھرم کی سچائی مان لیں۔'' پھر گرج کر کہنے لگا۔ ''مورکھ تو اس سمے اونکار ناتھ کے قبضے میں ہے۔ اس دھرتی پر کون ہے جو اونکار ناتھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے۔ تجھے اگر اپنے کوٹھری والے دھرماتما پر اتنا ہی گھمنڈ ہے تو اسے بھی بلا لے۔''

میں اس جذبے کو کوئی نام دینے سے قاصر ہوں۔ مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ اونکار ناتھ کی زبانی میاں صاحب کی شان میں مسلسل گستاخانہ الفاظ سن کر مجھ پر خوف اور لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے سہمی ہوئی نظروں سے دوبارہ حجرے کی طرف دیکھا اور سر تا پا لرز اٹھا۔ میاں صاحب تمام تر تمکنت' تمام تر وقار اور جاہ و جلال کے ساتھ لکڑی ٹیکتے ہوئے تیزی سے ہماری طرف آ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اونکار ناتھ انہیں دیکھ نہیں سکا کیوں کہ ان کی طرف اس کی پشت تھی۔ مجھے اس بات پر بڑا تعجب تھا کہ میاں صاحب اس وقت کسی دوسرے آدمی کے سہارے کے بغیر چل رہے تھے ان کا کوئی عقیدت مند اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔ سب دم بخود کھڑے میاں صاحب کو ہماری طرف آتا دیکھ رہے تھے۔ میں میاں صاحب کی نظروں کی تاب نہ لا سکا میں نے جلدی سے نظریں جھکا لیں میرے رگ و پے میں خوف کی لہر دوڑ رہی تھی میرا دل انجانی دہشت سے دھڑک رہا تھا اسی لمحے اونکار ناتھ نے بڑی رعونت سے سرد لہجے میں سوال کیا۔ ''شاہد علی کس وچار میں گم ہو کیا کسی روٹھے ہوئے موکل کو منانے کی کوشش میں سمے برباد کر رہے ہو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈرتے ڈرتے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ میاں صاحب اونکار ناتھ کے بہت قریب پہنچ چکے تھے لیکن اونکار ناتھ ان کی آمد سے بے خبر تھا۔ وہ اپنی طاقت کے زعم میں بکواس کئے جا رہا تھا مگر پھر اس نے اچانک آہٹ پا کر کسی چالاک آدم خور چیتے کی مانند پھرتی سے مڑ کر دیکھا' وہ میاں صاحب کو اپنے روبرو دیکھ کر چونک پڑا۔ ایک ثانیے کے لئے اس کا چہرہ متغیر ہوا پھر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا اور میاں صاحب سے سرد اور تند لہجے میں مخاطب ہوا۔ ''آپ! میں نے تو سنا تھا کہ آپ کا دیہانت ہو چکا ہے۔''

''اونکار ناتھ'' میاں صاحب نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے انتہائی صبر و تحمل سے دریافت فرمایا ''یہاں کس مقصد سے آئے ہو؟ کیا مجھ سے کوئی کام آ پھنسا ہے۔''

اونکار ناتھ نے مجھ پر حقارت کی نظر ڈال کر کہا۔ ''آج کل مجھے صرف ایک ہی چنتا رہتی ہے میاں صاحب کہ اپنے دشمنوں کا سر کچل ڈالوں' آج اسی ارادے سے نکل آیا تھا۔''

''میری تمہاری بھلا کیا دشمنی اونکار ناتھ۔'' میاں صاحب نے پورے سکون سے کہا۔ ''اتنے دنوں کہاں رہے؟''

''لمبی کہانی ہے میاں جی کبھی اطمینان سے سناؤں گا۔'' اونکار ناتھ نے زہر خند سے کہا۔ ''اس سمے تو میں آپ کے اس چیلے کو یہ بتانے آیا ہوں کہ شکتی کسے کہتے ہیں۔ اس نے مجھے کچھ زیادہ ہی پریشان کر دیا تھا میاں جی۔''

میں بہت غور سے میاں صاحب کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اونکار ناتھ کا جواب سن کر ان کے چہرے پر غصے کی لہر آ کر گزر گئی اور وہ بڑی نرمی سے بولے۔ ''اونکار ناتھ چھوڑو بھی یہ باتیں' صحیح معنوں میں طاقت ور وہی ہے جو اپنے سے کمزور کو معاف کر دے۔ تم تو پنڈت ہو' تم نے پڑھا لکھا بھی بہت ہے۔ تمہیں خوب معلوم ہوگا کہ دھرم کیا سکھاتا ہے۔ کوئی دھرم کمزوروں پر ہاتھ اٹھانا نہیں سکھاتا۔''

''جی ہاں میاں جی۔'' اونکار ناتھ نے قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔ ''مجھے خبر ہے دھرم کیا سکھاتا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سے آپ اپنی کٹی سے نکل کر میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ آخر آپ کو اپنے چیلے کی محبت کھینچ ہی لائی۔ پرنتو اتنا دھیان کرنا میاں جی کہ میں نے بھی کچھ سیکھا ہے۔ کچھ سمجھا ہے' میری عمر بھی کچھ حاصل کرنے میں گزر گئی ہے۔ آپ کی طرح میں نے بھی بہت دنوں خاک چھانی ہے لیکن میں نے گھٹنے ٹیکنے نہیں سیکھے میاں جی۔''

میاں صاحب غصے کی شدت میں کانپنے لگے۔ ان کی شعلہ بار نظریں اونکار ناتھ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میرا خیال تھا کہ اب ضرور میاں صاحب کا عتاب اونکار ناتھ پر نازل ہوگا لیکن وہ ایک پار پھر نرمی سے بولے۔ ''غصہ کرنا تم جیسے پنڈت کو اچھا نہیں لگتا۔ آؤ میرے ساتھ اندر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔''

''تم چلو میاں جی میں جس کام سے آیا ہوں ذرا اس سے نمٹ لوں میں ذرا آپ کے اس چیلے کے بھیجے سے کیڑے جھاڑ کر آتا ہوں۔'' اونکار ناتھ اپنی ضد پر اڑا رہا۔

میاں صاحب سنجیدہ ہو گئے اور قدرے درشت لہجے میں بولے۔ ''یہ میری عبادت اور ریاضت کی جگہ ہے پنڈت' میں یہاں کسی قسم کا دنگا فساد پسند نہیں کروں گا۔ اگر تم اس نابکار سے بدلہ لینے کے درپے ہو تو اسے یہاں سے لے جاؤ اور پھر جو تمہارے جی میں آئے کرنا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں میاں جی۔'' اونکار ناتھ نے میاں صاحب کی باتوں سے چڑ کر کہا۔ ''آپ بھلا اپنی نظروں کے سامنے اپنے چیلے کی درگت کیسے دیکھ سکیں گے۔ پرنتو میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ میرا فیصلہ اٹل ہے' میں اس اپرادھی کو اسی جگہ کتے کی موت ماروں گا۔ دیکھتا ہوں کہ آج مجھے کون روکتا ہے۔''

اونکار ناتھ کا آخری جملہ سن کر میاں صاحب کا نورانی چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ وہ جلال کی کیفیت میں بولے۔ ''پنڈت تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ اپنی زبان کو لگام دو۔ میں آج تک تمہیں طرح دیتا رہا ہوں۔ میں نے بحث مباحثوں کے درمیان بھی کبھی تمہاری کوئی بات رد نہیں کی۔ میری خاموشی نے غالباً تمہیں خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ درگزر کی عادت سیکھو پنڈت ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔''

''میاں جی!'' اونکار ناتھ تلملا کر تیز لہجے میں بولا۔ ''کسی اور پر آنکھیں لال پیلی کرنا۔ پنڈت اونکار ناتھ ڈرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ بہت تنگ آ چکا ہے۔ اس نے اس مردود کو ختم کرنے کے لئے تپسیا کی ہے' اب اونکار ناتھ کسی کی دھونس میں نہیں آئے گا۔''

''نابکار مردود۔'' میاں صاحب غیظ و غضب کی کیفیتوں سے دوچار تھے انہوں نے اپنی سرخ نگاہیں پنڈت اونکار ناتھ کے چہرے پر مرکوز کر دیں اور گرج کر بولے۔ ''نابدان کے کیڑے تجھے دیوی دیوتاؤں کی شکتی پر اتنا گھمنڈ ہے؟ بس اب بہت ہو چکا' آج تو اپنی گندی طاقتیں بھی

آزمالے، ٹھیک ہے ذرا تیری آنکھوں کی پٹی بھی کھل جائے اگر بعد میں تو زندہ رہے تو صرف پیدا کرنے والے کی خاطر' اس کی رضا اور خوشنودی کے لئے زندہ رہے ورنہ بہتر ہے کہ تو مر جائے۔''

میں نے اونکارناتھ کی طرف دیکھا۔ وہ میاں صاحب کو بری طرح گھور رہا تھا۔ اس نے میاں صاحب سے کچھ کہنا چاہا' اس کے ہونٹ ہلے ' ہلتے رہے لیکن آواز ندارد تھی اور جب خود اونکارناتھ کو آواز سے محروم ہو جانے کا احساس ہوا تو وہ گھبرا گیا۔ اس کی آنکھوں میں غصے کے بجائے الجھن کے تاثرات پھیل گئے۔ وہ تلملا کر تیزی سے زمین پر جھکا مٹی کی ایک چٹکی اٹھا کر منہ کے قریب لے گیا پھر اس نے دل ہی دل میں کچھ پڑھ کر پھونکا اور مٹی میاں صاحب کی جانب پھینکی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اونکارناتھ کے ساتھ میں بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ کیوں کہ وہ مٹی چنبیلی کے پھول میں تبدیل ہو کر میاں صاحب کے قدموں میں جا پڑی۔ عقیدت مندوں کے ہجوم کے باوجود وہاں موت کا سا سناٹا تھا۔ ہر شخص سکتے کے عالم میں کھڑا تھا۔

اونکارناتھ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔ دوسری طرف میاں صاحب اسے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ چنبیلی کا پھول ان کے قدموں میں پڑا تھا میاں صاحب نے پنڈت اونکارناتھ کو سپاٹ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پنڈت پریشان کیوں ہوتے ہو' تمہیں تو بے تحاش جنتر منتر آتے ہوں گے۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال لو اور کوئی حربہ آزما کر دیکھ لو۔''

اونکارناتھ میاں صاحب کا اطمینان دیکھ کر مضطرب ہو گیا۔ ایک بار پھر اس نے حلق پھاڑ کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کا حلق صرف کھلتا اور بند ہوتا رہا' کوئی آواز سنائی نہیں دی۔

''غصہ آدمی کو پاگل بنا دیتا ہے پنڈت! اسی وجہ سے میں نے تمہاری قوت گویائی سلب کر لی ہے۔'' میاں صاحب نے نرمی سے کہا۔ ''جو کام اطمینان سے کرنے کے بجائے جلد بازی سے کیا جائے اس کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ انسان کو ہر قدم سوچ سمجھ کر اور پھونک پھونک کر اٹھانا چاہئے' تم تو پنڈت ہو مہان شکتی کے مالک۔''

پنڈت اونکارناتھ کے چہرے پر غصے اور الجھن کے تاثرات ابھرے' ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی درندہ ہے اور اپنے شکار کو دبوچ لینے کے لئے کسی سنہرے موقع کا منتظر ہے۔ پنڈت کی کیفیت میں کچھ دیر تک کوئی فرق نہیں آیا پھر میاں صاحب نے نرم آواز میں اسے مخاطب کیا۔ ''سنو پنڈت میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ غصہ تھوک دو اور ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے۔''

جواب میں اونکارناتھ نے منہ بنا کر زمین پر تھوک دیا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اچانک وہ پیچھے ہٹا اور ایک درخت کے قریب پہنچ گیا جو وہاں سے دس قدم دور تھا۔ میرا خیال تھا کہ اونکارناتھ فرار ہو جانے کے لئے پر تول رہا ہے۔ اونکارناتھ نے درخت کے قریب رک کر بڑی جھلاہٹ سے ایک پتا توڑا اور اس کے چار ٹکڑے کر کے اسے زمین پر پھینک دیا۔ پتے کے ٹکڑے زمین پر گرتے ہی جو کچھ ہوا وہ مجھے ششدر کرنے کے لئے کافی تھا۔ پتے کے ٹکڑوں نے زمین پر گرتے ہی خونخوار نیولوں کی صورت اختیار کر لی۔ بڑے بڑے ہیبت ناک نیولے خطرناک انداز میں لہراتے ہوئے میاں صاحب کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں نے میاں صاحب کے چہرے پر نظر ڈالی وہ مطمئن انداز میں مسکرا رہے تھے۔ نیولوں اور میاں صاحب کے درمیانی فاصلہ بتدریج گھٹتا جا رہا تھا۔ جب نیولے میاں صاحب سے محض ایک گز کے فاصلے پر رہ گئے تو میں نے میاں صاحب کو شہادت

کی انگلی آسمان کی جانب بلند کرتے ہوئے دیکھا۔دوسرے ہی لمحے چاروں نیولے ایک ہیبت ناک اور کریہہ چیخ حلق سے نکالتے ہوئے تیزی سے فضا میں بلند ہوئے اور کچھ دور پہنچ کر پھر زمین پر گر پڑے۔اونکارناتھ اپنے جنتر کے بیروں کا عبرتناک انجام دیکھ رہا تھا۔اسی اثناء میں نہ جانے کہاں سے چار عقاب جھپٹ کر آئے اور نیولوں کو اپنے پنجوں میں دبا کر بڑی برق رفتاری کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

''یاحق' یاحق'' عقیدت مندوں نے یہ معجزہ دیکھ کر نعرے بلند کئے۔اونکارناتھ اپنی جگہ کھڑا بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا جیسے طوفانی ہواؤں نے اس کا وجود لرزہ بہ اندام کر دیا ہو۔میاں صاحب کے چہرے سے جاہ وجلال ٹپک رہا تھا۔ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔میں کانپ اٹھا اور عقیدت مندوں نے نظریں جھکا لیں۔

''جہنمی میرا منہ کیا تک رہا ہے کچھ اور جنتر منتر تجھے یاد ہوں تو وہ بھی آزما لے۔اپنے بیروں کی مدد کے لئے کیوں نہیں بلاتا مردود' کبھی تو نے یہ بھی سوچا کہ تجھے یہ طاقت کس نے اور کس لئے عطا کی ہے۔تو نے طاقت تو حاصل کر لی لیکن یہ بھول گیا کہ جس نے تجھے طاقت بخشی ہے وہ تجھے کمزور بھی کر سکتا ہے۔میاں صاحب جلال کی حالت میں نصیحت کرتے رہے۔اونکارناتھ خاموش کھڑا رہا۔اس کے چہرے کی حالت بالکل بدل گئی تھی سرخی کی جگہ زردی نے لے لی تھی۔آنکھوں سے بے بسی مترشح تھی۔میاں صاحب چپ ہوئے تو وہ تیزی سے آگے بڑھا اور میاں صاحب کے قدموں میں گر پڑا۔اس کی نظریں میاں صاحب سے رحم وعنایت کی طلب گار تھیں۔میاں صاحب چند لمحے آسمان کی طرف تکتے رہے پھر ان کی حالت اعتدال پر آ گئی اور انہں نے اونکارناتھ کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئے فرمایا۔''آواز بند ہونے سے کچھ گھٹن محسوس ہوئی؟''

اونکارناتھ نے میاں صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ لئے میاں صاحب نے مزید کہا۔''پنڈت اگر خود کو بلوان سمجھتا ہے تو بلوانوں جیسی شان بھی پیدا کر' انسان اور حیوان کا فرق سمجھنے کی کوشش کر' جا میں نے تجھے معاف کیا' دور ہو جا میری نظروں سے' زندہ رہنا چاہتا ہے تو کمزوروں کے کام آنا سیکھ۔'' میاں صاحب دیر تک اسے نصیحت کرتے رہے۔

باسکرولی کا آتشی کتا

کتاب گھر آپ کے لئے لایا ہے مشہور سراغ رساں شرلاک ہومز کا ناول ''باسکرولی کا آتشی کتا''۔ یہ ناول مشہور رائٹر سر آرتھر کونن ڈائل کی شہرہ آفاق کتاب "The Hound of Baskervilles" کا اردو ترجمہ ہے۔ ۲۰۹۱ میں تحریر کئے گئے اس ناول پر اب تک ہالی وڈ کی کئی فلمیں اور ڈرامے بن چکے ہیں۔سر آرتھر نے شرلاک ہومز کا کردار اٹھارویں صدی میں متعارف کروایا تھا لیکن اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کر لیں کے ایک صدی سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود یہ کردار جاسوسی ناول پڑھنے والوں میں آج بھی اتنا ہی مقبول ہے۔ اس ناول کو کتاب گھر کے **جاسوسی ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''میاں جی!'' میاں صاحب کی معافی کے بعد اونکار ناتھ کی آواز دوبارہ بحال ہوگئی تھی اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''میں نے آپ کو غلط سمجھا ' مجھے شما کر دیجئے میاں جی۔ آپ نے صحیح اپدیش دیا ہے، میں اسے سدا یاد رکھوں گا۔ میرے من کے اندھیارے دور ہو گئے ہیں۔ میں آپ کی کرپا کبھی نہیں بھولوں گا۔ مجھ پر بھروسا کیجئے میاں جی۔''

میاں صاحب نے زبان سے کچھ نہیں کہا صرف ہاتھ کے اشارے سے اونکار ناتھ کو چلے جانے کی ہدایت کی۔ اونکار ناتھ نے جھک کر میاں صاحب کے قدم چھوئے اور ایک سرسری نظر میری طرف ڈالی پھر گھوم کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میری نگاہیں دور تک اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ اس کے نظروں سے دور ہوتے ہی میں نے پلٹ کر دیکھا تو میاں صاحب وہاں نہیں تھے' جھونپڑی میں جا چکے تھے۔ عقیدت مند حجرے کے دروازے پر قطار بنائے کھڑے اپنی اپنی باری کے منتظر تھے۔ میں کچھ دیر تک عقیدت و احترام سے میاں صاحب کے حجرے کی طرف دیکھتا رہا پھر میرے قدم خود بخود حجرے کی جانب بڑھنے لگے۔ میں میاں صاحب سے ملاقات کے لئے بڑا مضطرب تھا لیکن ان تک میری رسائی نہ ہو سکی۔ میاں صاحب کے کچھ ایسے عقیدت مند میری راہ کی دیوار بن گئے جو پہلے بھی مجھے دھتکار چکے تھے۔ ایک شخص نے زچ ہو کر کہا۔ ''آخر تو کیوں ایک نیک بزرگ کی عبادت میں خلل ڈالنے چلا آتا ہے تیری وجہ سے خواہ مخواہ میاں صاحب کا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ خبردار اگر تو نے آئندہ ادھر کا رخ کیا پھر ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

اس شخص کی بات سن کر میرے دل پر چوٹ لگی۔ میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ میں نے حجرے کی سمت آخری نظر ڈالی اور کسی سے کچھ کہے بغیر سر جھکا کر واپس ہو گیا۔ میں اب سر بسر منتشر تھا' کبھی مجھے اس طوطے کا خیال آتا جس کے قالب میں راجکماری شیلا کی آتما قید تھی' کبھی میاں صاحب کی باتیں سوچ کر میرا دل دھڑکنے لگتا' غرضیکہ میرا ذہن اس وقت متضاد خیالوں اور فکروں میں الجھا ہوا تھا۔ اسی انتشار و اضطراب کی حالت میں جب میں نے مسجد میں قدم رکھا تو مولوی اشرف علی بے قراری سے میرے قریب آیا۔ ''تم کہاں چلے گئے تھے شاہد علی مجھے خدشہ تھا کہ غصے کی حالت میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو۔ شکر ہے کہ تم صحیح سلامت واپس آ گئے۔ میں نے تمہاری سلامتی کے لئے دو رکعت شکرانے کی منت مانی تھی۔ تم حجرے میں چلو میں منت ادا کر کے آیا۔ تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟''

اشرف علی کے کہنے پر مجھے یاد آیا کہ میں نے مسجد سے روانگی کے وقت اس سے کیا سلوک کیا تھا مجھے دیکھ کر اشرف علی کو نفرت سے منہ پھیر لینا چاہئے تھا لیکن اس شریف النفس شخص نے میری سلامتی کے لئے منت مانی تھی۔ میں شرمسار اور تھکا تھکا سا حجرے میں داخل ہوا اور بستر پر گر کر سوچنے لگا۔ میں نے اپنے لئے کسی آخری راستے کا تعین کرنا چاہتا تھا لیکن ذہن ساتھ دینے کے قابل کہاں تھا۔

تین روز تک میری کیفیت دیوانوں جیسی رہی' بھوک پیاس غائب ہو چکی تھی' میں پہروں اپنے بارے میں سوچتا۔ دماغ پھوڑے کی مانند دکھنے لگتا تو میں آبادی سے دور ویرانے کی طرف نکل جاتا' رات گئے لوٹتا اور چپ چاپ بستر میں دبک جاتا۔ اشرف علی نے میری دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا لیکن میری حالت گرتی ہی چلی گئی۔ میں چوتھے دن ویرانے کی خاک چھان کر مغرب کے وقت واپس پہنچا تو مسجد کے دروازے پر اکبر سے ملاقات ہو گئی وہ نماز پڑھ کر باہر نکل رہا تھا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں' دل چاہا کہ دوڑ کر اپنے دوست کو کلیجے سے لگا لوں لیکن

ہمت نہیں پڑی کیونکہ میں جانتا تھا کہ اکبر مجھ سے ناراض ہے۔ اسے کچھ باتوں پر مجھ سے شدید اختلاف تھا۔ میں نے نظریں جھکالیں اور کترا کر نکل جانا چاہا لیکن اکبر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا تیزی سے میرے قریب آیا اور مسرت بھرے لہجے میں بولا۔ ''شاہد علی تم؟ میں نے تمہیں جانے کہاں کہاں تلاش کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم بخیر و عافیت ہو۔''

اکبر کے لہجے میں طور طریق میں وہی خلوص تھا' وہی چاشنی اور اپنائیت تھی۔ میں بے اختیار اس سے لپٹ گیا پھر میں اسے حجرے میں لے گیا اور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس وقت میں اکبر کو اپنی آپ بیتی سناتا رہا میں نے اپنی تمام قلبی و ذہنی الجھنوں سے اسے آگاہ کر دیا۔ وہ حیران حیران میری عجیب و غریب سرگزشت سنتا رہا۔ اس کا اصرار تھا کہ میں اس کے ساتھ چلوں لیکن میں اب کہاں جاتا۔ میں شمینہ کو منہ دکھانے کے قابل ہی کہاں تھا۔ میں نے گفتگو کا رخ موڑ دیا اور اکبر کو اونکار ناتھ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں میاں صاحب کا ذکر آیا تو اکبر نے حیرت سے دریافت کیا ''سچ؟ کیا میاں صاحب پھر ظاہر ہو گئے ہیں۔ مجھے ان کا پتہ بتاؤ میں پہلی فرصت میں شمینہ کو لے کر ان کی قدم بوسی کے لئے جاؤں گا۔''

میں نے اکبر کو میاں صاحب کا پتا بتا دیا اور دبی زبان میں میاں صاحب سے اپنی ادھوری ملاقاتوں کا ذکر کیا تو اکبر نہایت خلوص سے بولا۔ ''شاہد علی خدا کرے تم پھر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لو۔ میں میاں صاحب کے سلسلے میں قبل از وقت کوئی وعدہ نہیں کرتا البتہ کوشش ضرور کروں گا کہ وہ تمہیں صدق دل سے معاف کر دیں۔ اس کے سوا میری کوئی خواہش نہیں ہے۔''

میں نے ندامت سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے میرے دوست کہ تم میرے لئے ضرور کوشش کرو گے۔ میں بھی اب یہی چاہتا ہوں' میاں صاحب سے میری صرف ایک درخواست ضرور کرنا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو راجکماری شیلا کی آتما کو آزاد کر دیں۔''

اکبر علی نماز پڑھنے کے بعد واپس چلا گیا۔ اس نے گاہے بگاہے آتے رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ اکبر سے ملاقات نے میرے ذہن کو سکون بخشا۔ اس رات میں نے نئے سرے سے اپنے ماضی اور حال پر غور کیا اور اپنے برے اعمال پر نظر ڈالی تو شرم سے میرا سر جھک گیا۔ میاں صاحب کے مبارک دیدار نے میری الجھی ہوئی زندگی کی تمام گرہیں کھول دی تھیں اور میں پوری طرح تائب ہو گیا تھا۔ رات بھر میری آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہتے رہے۔ مولوی اشرف علی میری یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گیا' وہ نہ جانے کیا کیا پڑھ کر پھونکتا رہا۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے میں نے اٹھ کر غسل کیا۔ اشرف علی کا دیا ہوا جوڑا پہنا اور مسجد میں جا کر صدق دل سے سربسجود ہو گیا مجھ پر کیف و مستی کی کچھ عجیب کیفیت طاری تھی' آج ایک مدت بعد میں نے بڑی نیک نیتی اور خلوص دل سے خدا کے حضور سجدہ کیا تھا۔ میری آنکھیں اشک بار تھیں' میں اپنی پیشانی جائے نماز پر رگڑ رہا تھا۔ مجھے اس عالم میں دیکھ کر اشرف علی کو جو خوشی ہوئی وہ اس کی نظروں سے عیاں تھی۔

زندگی کے اس انقلاب نے مجھے ایک بار پھر دنیا کے ہنگاموں سے بے نیاز کر دیا۔ میں عبادت و ریاضت' ورد وظائف اور تسبیح و درود میں اتنا ڈوب گیا کہ مجھے کھانے پینے کا ہوش نہ رہتا۔ میں جس راہ سے بھٹک گیا تھا اب اس کا نشان دوبارہ پا گیا تھا۔ میں بڑی صاف گوئی سے عرض کروں کہ میری یہ عبادت محض توبہ کی خاطر تھی۔ مجھے اب کسی روحانی طاقت کی کوئی تمنا نہیں تھی میں نے سب کچھ بھول کر خود کو رب العزت کے ذکر میں مصروف

کر دیا۔ صبح سے شام تک میں یادِ خدا میں محو رہتا اور گناہوں سے توبہ کرتا رہتا۔ اس نئی زندگی نے مجھے روحانی مسرتوں سے سرفراز کر دیا۔ میں دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز ہو گیا۔ پنج گانہ نمازوں اور تہجد گزاری کے ساتھ ساتھ میں نے میاں صاحب کے بتائے ہوئے وظیفوں کا ورد بھی شروع کر دیا۔

تقریباً ڈیڑھ سال ذکرِ الٰہی میں گزر گیا اس عرصے میں کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا جس کا تذکرہ کیا جائے۔ البتہ ایک روز ایک بات ایسی ضرور ہوئی تھی جس سے مجھے احساس ہوا کہ خداوند کریم نے میری عبادتیں کسی قدر قبول کر لی ہیں اور توبہ کے دروازے مجھ پر کھول دیئے گئے ہیں۔

مولوی اشرف علی پاس پڑوس میں رہنے والوں کی حتی المقدور خدمت کرتا رہتا تھا۔ وہ قرآنی آیات کے تعویذ لکھ کر لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد معصوم بچوں کو پھونکنے کا نیک کام انجام دیتا تھا اور معذور لوگوں کے لئے پانی دم کر کے بھیجتا تھا۔ ایک روز وہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھا بچوں پر دم کر رہا تھا۔ میں اس کے قریب ہی بیٹھا ایک وظیفے کا ورد کر رہا تھا کہ ایک عورت کی آواز میری محویت میں خلل انداز ہوئی۔ اس نے بڑی رقت بھری آواز میں مولوی اشرف علی سے کہا۔ ''مولوی صاحب خدا کے لئے کوئی ایسا تعویذ دیجئے کہ میرا بچہ بچ جائے۔ بڑی دعاؤں کے بعد خدا نے میری گود ہری کی ہے' میرا شوہر بڑا ظالم اور شکی ہے۔ جب سے بچہ بیمار ہوا ہے اس کا طور طریق پھر سے جارحانہ ہو گیا ہے وہ اکثر مجھے طلاق کی دھمکی دیتا رہتا ہے' اب اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر بچے کو کچھ ہو گیا تو مجھے گھر سے نکال دے گا۔ میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں' مولوی صاحب میرے بچے کو بچا لیجئے۔ خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو میں زندہ درگور ہو جاؤں گی۔''

''اللہ کارساز ہے بی بی۔ اس کی رحمتوں سے مایوسی گناہ ہے۔'' مولوی اشرف علی نے ٹھنڈی آہ بھر کر جواب دیا۔ ''حکیم صاحب نے بچے کے سلسلے میں کیا کہا ہے؟''

''وہ کہتے ہیں چیچک خطرناک ہو گئی ہے۔ یہ مر جائے گا۔'' عورت کے لہجے میں شدید کرب تھا۔

اس خلل اندازی سے میرا ذہن منتشر ہو رہا تھا پھر جب میں نے عورت کی بات سنی تو مجھے خون کا دباؤ اپنے دماغ پر محسوس ہوا' میں چپ نہ رہ سکا اور قدرے درشت لہجے میں بولا۔ حکیم بکتا ہے قدرت تیرے بچے کو بچائے گی جا چلی جا۔''

عورت پریشان تھی میری تیز آواز سن کر سہم گئی۔ مولوی اشرف علی کو بھی میرے لہجے کی سختی سے تعجب ہوا۔ وہ کھنکار کر دبی زبان میں بولا۔ ''شاہد میاں یہ عورت بڑی مظلوم ہے' میری درخواست ہے کہ آپ بھی اس کے حق میں دعا کریں۔''

''کہہ تو دیا اس کا بچہ ٹھیک ہو جائے گا اور کیا چاہتی ہے۔'' میں نے دوسری بار چڑچڑے پن سے جواب دیا اور اٹھ کر حجرے میں آ گیا اور دوبارہ وظیفے کے ورد میں مشغول ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم یہ میں نے کیوں کہا تھا اور کس طاقت کے زیر اثر کہا تھا۔ دوسرے روز شام کے وقت وہی عورت دوبارہ آئی۔ میں اس وقت مسجد کے دروازے کے قریب ایک چبوترے پر بیٹھا تھا۔ عورت ایک لمحے کے لئے جھجکی پھر لپک کر اس نے میرے پیر تھام لئے اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میاں صاحب کل آپ نے میرے بچے کے لئے دعا کی تھی' آج وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اب اس کے جسم پر چیچک کا ایک بھی دھبا نہیں ہے۔ محلہ بھر حیران ہے۔''

مجھے عورت کی بات سن کر تعجب ہوا۔ صرف ایک روز میں چیچک کے دانوں کا غائب ہو جانا ایک عجیب بات تھی۔ یہ کیسے ممکن ہوا؟ کیا خدا

نے میری زبان سے نکلی ہوئی بات کو قبولیت کی سعادت عطا کر دی۔ اس خیال کے ذہن میں ابھرتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ میں اسی چبوترے پر سجدے میں گر پڑا میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے' عورت کب واپس گئی مجھے اس کا کوئی علم نہیں البتہ جب یہ رقت انگیز کیفیت دور ہوئی تو مجھے پھر شبہ سا ہوا کہ شاید خدا نے میری زبان کی تاثیر واپس کر دی ہے۔

اس تبدیلی نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میں یادالٰہی میں پہلے سے زیادہ مشغول ہو گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ عبادت کا جذبہ جنون کی حدیں چھونے لگا۔ پہلے میں اکبر کی آمد پر تھوڑا بہت وقت نکال لیتا تھا اور کبھی کبھی مولوی اشرف علی سے کچھ دیر گفتگو کر کے یہ سوچ لیا کرتا تھا کہ میں اس دنیا میں تنہا نہیں ہوں لیکن اب اکثر ایسا ہوتا کہ اکبر آتا میرے فارغ ہونے کا منتظر رہتا لیکن مجھے مسلسل مشغول دیکھ کر واپس لوٹ جاتا۔ اشرف علی سے بھی اب شاذ و نادر ہی گفتگو ہوتی۔ میں ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں گم اور میاں صاحب کے ودیعت کردہ وظیفوں کے ورد میں کھویا رہتا۔

❁.....❁.....❁

کئی مہینے اور گزر گئے۔ میں اس عرصے میں اپنا ماضی بالکل فراموش کر چکا تھا مجھے اتنی فرصت کہاں تھی کہ پلٹ کر دیکھتا۔ مولوی اشرف علی عشاء کی نماز کے بعد جلدی سو جانے کے عادی تھے لیکن میں آدھی آدھی رات گزر جانے کے بعد بھی جاگتا رہتا اور مختلف وظائف پڑھتا رہتا۔ ایک روز میں رات گئے' حسب معمول کسی وظیفے کا ورد کر رہا تھا کہ خوشبو کا ایک نہایت لطیف جھونکا آیا اور میرے دل و دماغ معطر کر گیا۔ مسجد میں کوئی پھولدار درخت نہ تھا۔ اس لئے مجھے خوشبو سونگھ کر حیرت ہوئی یکسوئی میں خلل پیدا ہوا تو میں نے اٹھ کر حجرے کا دروازہ بند کرنا چاہا لیکن دروازے پر نظر ڈالتے ہی میں چونک پڑا۔ راجکماری شیلا انسانی پیکر میں اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ میرے سامنے کھڑی شکایت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ یہ لمحہ میرے لئے بڑا کٹھن تھا۔ شیلا نے ایک طویل عرصے بعد اچانک سامنے آ کر مجھے چونکا دیا۔ میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ماضی کا دھندلا دھندلا عکس اجاگر ہونے لگا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں اتنے زور سے بند کیں کہ ان میں درد ہونے لگا اور خون کی گردش تیز ہو گئی۔

راجکماری شیلا دروازے پر کھڑی مستانہ وار مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے وہ لمحے یاد آئے جو میں قلعے کے ویران حصے میں راج کماری کی مضطرب روح کے ساتھ گزار چکا تھا۔ اب وہ ایک عرصے کے بعد پھر دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ میں نے اپنے ذہنی انتشار پر قابو پانے کے لئے نظریں پھیر لیں۔ تسبیح کے دانوں پر انگلیوں کی حرکت تیز کر دی۔ ایک طویل عرصے بعد مجھے روحانی سکون نصیب ہوا تھا۔ اب میں کسی صورت اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میرے سرکش نفس نے مجھے جن ہولناک تماشوں سے دوچار کیا تھا۔ اب مجھے ان کی تصور ہی سے وحشت ہوتی تھی۔

میاں صاحب سے دوبارہ ملاقات کے بعد مجھے اپنی کھوئی ہوئی منزل کا سراغ مل گیا تھا میں پلٹ کر اب ان راستوں پر نہیں جانا چاہتا تھا جہاں رسوائیاں ہی رسوائیاں تھیں' آزار ہی آزار تھے۔ راج کماری کو دیکھ کر عارضی طور پر میری عبادت میں خلل پڑا لیکن پھر میں جلد ہی وظیفے کے ورد میں مشغول ہو گیا۔ دیر تک مجھے کسی بات کا ہوش نہ رہا لیکن جب دوسری بار خوشبوؤں میں بسا ہوا کا پرکیف جھونکا مجھے پھر محسوس ہوا تو میری محویت ٹوٹ گئی۔ میں نے حجرے کی چوکھٹ کی جانب غصے سے دیکھا۔ راج کماری اب بھی وہاں کھڑی تھی اور اس کے چہرے پر شادابی کی جگہ اداسی نے لے لی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر وہ مسکرائی اور مترنم آواز میں کہنے لگی۔ ''پردیپ یہ میں ہوں تمہاری شیلا۔ میں کتنی دیر سے تمہارے دروازے پر

کھڑی ہوں شاید تم اپنی شیلا سے ناراض ہو گیا۔ مجھ سے کوئی بھول ہو گئی؟''

کبھی راج کماری کی ایک مسکراہٹ میرے یقین و اعتماد کو ہلا کر رکھ دیتی تھی۔ اسے اپنی آغوش میں سمیٹ کر دنیا سے بہت دور چلے جانے کو جی چاہتا تھا لیکن اس وقت میری کیفیت برعکس تھی۔ راج کماری شیلا کی روح مجھے اس وقت سراب نظر آ رہی تھی۔ میں اس کی دلنشین مسکراہٹ سے متاثر نہ ہو سکا۔ اس کی مترنم آواز میرے دل کو گرما نہ سکی' میں نے بے چینی اور بے زاری سے اس کی طرف دیکھا اور ہاتھ جھٹک کر اسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

میں نے زمانے کی ٹھوکروں کے بعد عشق حقیقی کا راز پا لیا تھا۔ اب راجکماری شیلا کی بے قراری کیا حیثیت رکھتی تھی۔

میں وظیفے کے ورد میں ہمہ تن غرق تھا کہ خوشبو کا وہی نفیس اور لطیف جھونکا پھر میری عبادت میں مخل ہوا۔ اب میں نے پلٹ کر حجرے کے دروازے کی سمت نہیں دیکھا نظریں بند کر کے یاد الٰہی میں ڈوب جانے کی کوشش کرنے لگا۔ میری زبان میرے ہونٹ اور دل کی ایک ایک دھڑکن وظیفے کے الفاظ کا ورد کرنے لگی تیز خوشبو میرے گرد و پیش کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ میرا دماغ معطر ہو رہا تھا۔ میں اپنے استغراق میں تھا کہ حجرے کے دروازے سے بدلی ہوئی آواز آئی۔ ''خوب مگر کیا آپ ہماری طرف بھی دیکھنا پسند نہیں فرمائیں گے۔''

اس آواز میں نہ جانے کی سحر تھا' کیسی التجا تھی کہ سر تا پا میرے جسم میں بجلی دوڑ گئی تسبیح کے دانوں پر انگلیوں کی گردش تھم گئی۔ میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو گنگ رہ گیا مجھے اپنی نگاہوں پر دھوکا ہو رہا تھا۔ درشہوار حجرے کی چوکھٹ پر کھڑی مجھے عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

مجھے تعجب تھا کہ راج کماری شیلا کی جگہ اچانک درشہوار نے کیسے لے لی کہیں یہ راج کماری کی آوارہ روح کا کوئی فریب تو نہیں لیکن نہیں جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ فریب نہیں حقیقت تھی میں حیرت و استعجاب کی تصویر بنا درشہوار کو دیکھ رہا تھا کہ اس کے یاقوتی لبوں کو حرکت ہوئی۔ ''اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟ کیا آپ نے اپنی دری کو نہیں پہچانا؟''

''دری تم یہاں؟'' میں نے بکھرے بکھرے الفاظ میں اپنی حیرت کا اظہار کیا تو درشہوار کا چہرہ کسی شگفتہ پھول کی مانند شاداب شاداب نظر آنے لگا وہ بڑے معصوم لہجے میں بولی۔ ''آپ اتنے حیرت زدہ کیوں ہیں؟ میں تو کبھی آپ سے دور نہیں ہوئی تھی۔''

حسین درشہوار کی موجودگی کا احساس اور اس کی شرمگیں نظروں میں ایک پیغام محسوس کر کے مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ بڑی پاکیزہ نظر آ رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ بے اختیار اٹھ کر اس کی کشادہ پیشانی چوم لوں اور عاجزی کے ساتھ اپنے اس رویے کی معافی چاہوں جس نے اسے قلبی اذیت پہنچائی تھی۔ راج کماری کے حسین فریب میں مبتلا ہو کر کتنی بار میں نے درشہوار سے بدکلامی اور اس کی دل شکنی کی تھی۔ میں اس کے احساسات فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی قربانیوں کا کوئی صلہ نہ دیا تھا۔ شرمندگی کے احساس کی شدت نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور باوجود کوشش کے معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے پر میں قادر نہ ہو سکا۔ چپ چاپ بیٹھا رہا تو درشہوار کے ہونٹ دوبارہ کھلے۔

''میں آپ کو لینے آئی ہوں آیئے میرے ساتھ چلیے۔''

''دری۔'' میں نے مضمحل آواز میں کہا۔ ''میرا دل اب دنیا کے ہنگاموں سے دور ہو گیا ہے۔ یقین کرو اب میں اس فانی دنیا کی ہر شے

سے رشتہ توڑ کر یادِ خدا میں غرق ہو جانا چاہتا ہوں۔ اب باقی زندگی توبہ استغفار میں گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ میاں صاحب کی ناراضگی نے کیا رنگ دکھایا۔ کاش میں نے تمہاری اور ابوالحسن کی نصیحت مان لی ہوتی' مشوروں پر عمل کیا ہوتا، تو آج اس ذلت اور رسوائی کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہوتا۔ میں نے بڑے گناہ کئے ہیں دری' ان گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس وقت بہت کم ہے، میرا نامہ اعمال بڑا سیاہ ہے، خدا مجھے معاف کر دے بس اب میں یہی چاہتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بھی کچھ ناروا سلوک کئے ہیں۔ میں شرمندہ ہوں دری مجھے معاف کر دو۔''

درشہوار مجھے شوخ نظروں سے دیکھ کر بولی۔ آپ مجھے کیوں گناہ گار کرتے ہیں' میرا دل آپ کی طرف سے کب ناشاد ہوا البتہ آپ نے راج کماری شیلا کی روح کو ضرور دکھ پہنچایا ہے۔''

''بہتر ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرو دری۔'' میں نے ندامت سے کہا۔ ''جو ہو گیا اسے یاد مت دلاؤ' اس ذکر سے بڑی اذیت ہوتی ہے' سوچتا ہوں تو خود سے نفرت ہوتی ہے۔''

''راج کماری ابھی آئی تھی نا آپ کے پاس؟''

''ہاں۔'' میں نے ناگواری سے جواب دیا۔ ''وہ غالباً از سرِ نو میری گمراہی پر مصر تھی۔''

''میری دعا ہے کہ اس کی بے چین روح کو قرار آ جائے۔'' درشہوار نے مجھے عقیدت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''مگر راج کماری آپ کے پاس کیسے آتی۔ سنئے آپ جسے راج کماری سمجھ رہے تھے وہ تو میں تھی۔''

''تم۔ دری تم؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''تمہیں راج کماری کا بھیس بدلنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ اچھا تو تم مجھے آزمانا چاہتی تھیں۔ دیکھا میں کتنا بے اعتماد ہو گیا ہوں۔ اب بھی میں ایک مشکوک شخص ہوں۔''

''نہیں' نہیں۔'' دری پہلو بدل کر بولی۔ ''میں یہ جرأت نہیں کر سکتی وہ میاں صاحب کا حکم تھا جس نے مجھے راج کماری شیلا کی شکل و صورت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا' غالباً میاں صاحب کو آپ کا امتحان مقصود تھا' بہر حال مجھے خوشی ہے کہ آپ اس امتحان میں پورے اترے۔''

''کیا؟ واقعی تم میاں صاحب کے حکم سے یہاں آئی ہو؟'' مجھے اختلاج ہونے لگا۔

''ہاں' میں آپ کو لینے آئی ہوں' میاں صاحب نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔'' درشہوار نے زیرِ لب مسکرا کر جواب دیا۔

درشہوار کا آخری جملہ مجھ پر شادیِ مرگ کی کیفیت طاری کر گیا' مجھے اپنی قوت گویائی سلب ہوتی محسوس ہوئی۔ کانوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا' میاں صاحب اتنی جلدی مجھے معاف کر دیں گے اور قدم بوسی کے شرف سے نوازیں گے۔ مجھے امید نہ تھی' نہ جانے کتنے لمحے گزر گئے' میں سکتے کے عالم میں درشہوار کی شکل دیکھتا رہا پھر میرا دل بھر آیا۔ مجھ پر رقت طاری ہو گئی' میں جہاں بیٹھا تھا' وہیں سجدے میں گر گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ درشہوار میرے قریب کھڑی رہی اس نے میرے سجدہ شکر میں خلل ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ جب آنسوؤں کا تار ٹوٹا اور میری حالت سنبھلی تو میں نے ایک بار پھر درشہوار کو دیکھ کر عاجزی سے پوچھا۔ ''دری' خدارا مجھے سچ سچ بتاؤ کہ کیا حقیقتاً میاں صاحب نے مجھ بدبخت کو معاف کر دیا ہے۔ یقین نہیں آتا کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔''

''ہاں۔'' دری نے جذبات سے مغلوب ہوکر رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''مجھے اسی لئے یہاں بھیجا گیا ہے کہ میں آپ کو ساتھ لے چلوں۔''

درشہوار کا جواب پاکر میں تیزی سے اٹھا' باہر آکر حوض کے پانی سے چہرے کو تازہ کیا اور درشہوار کے ساتھ ہولیا۔ میں نے مولوی اشرف علی کو نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مسجد کے باہر آکر دروازے کو بھیڑا اور میاں صاحب کی قیام گاہ کی طرف تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ میرے شوق کا عجیب عالم تھا دل چاہتا تھا کہ پر لگ جائیں اور میں اڑ کر جلد از جلد میاں صاحب کے قدموں تک پہنچ جاؤں۔ راستے میں درشہوار نے مجھے بتایا کہ میاں صاحب کے دشمنوں کی طبیعت چند دنوں سے ناساز ہے۔ وہ نہ جانے کیا کیا بتا رہی تھی' پرانی باتوں اور قصوں کو دہرا رہی تھی' میں ایک نئے جذبے سے سرشار لمبے لمبے قدم اٹھا رہا تھا۔ میں آگے قدم بڑھا رہا تھا اور اپنے مسلک، یقین و اعتقاد پر جمے رہنے کے عزم کو پختہ کرتا جا رہا تھا۔ منزل قریب آرہی تھی اور میں اپنے باطن کو پہلے سے زیادہ پاک و صاف محسوس کر رہا تھا۔

راستے میں ہر سو تاریکی تھی اور ہو کا عالم تھا لیکن جب میں میاں صاحب کے حجرے کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ پورا علاقہ روشن ہے۔ میاں صاحب کے کچھ عقیدت مند اس وقت بھی حجرے کے باہر موجود تھے۔ مجھے ان کے چہرے سوگوار نظر آئے غالباً وہ میاں صاحب کی تیمارداری کی تمنا لے کر پہنچے تھے۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ حجرے سے کچھ دور تھا کہ معاً میری نظر ابوالحسن پر پڑی' وہ حجرے سے نکل کر تیزی سے میری طرف آئے اور میرا استقبال کرتے ہوئے بولے۔ ''شاہد میاں! میں آپ کو رشد و ہدایت کی واپسی پر مبارکباد دیتا ہوں' خدا کرے اب آپ ہمیشہ ثابت قدم رہیں۔''

میں جواب دینے کے بجائے آگے بڑھ کر گرمجوشی سے ابوالحسن سے بغل گیر ہوا پھر پوچھا۔ ''نصیب دشمناں' میاں صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''فی الحال تو کوئی افاقہ نظر نہیں آتا' ابھی آپ ہی کو یاد کر رہے تھے۔''

میں تیز تیز قدم اٹھاتا حجرے میں داخل ہوا۔ اس وقت کسی عقیدت مند نے میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میری حالت میاں صاحب کی علالت کی خبر سن کر غیر ہو رہی تھی۔

حجرے میں داخل ہوتے ہی میرے قدم ٹھٹک گئے' میاں صاحب پلنگ پر آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ ان کے چہرے سے اضمحلال عیاں تھا، وہ بہت لاغر اور کمزور نظر آرہے تھے۔ لیکن اس ضعف و نقاہت کے باوجود چہرے پر نور ہی نور تھا۔ میری آنکھوں نے میاں صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں، میں بے اختیار رو پڑا اور میاں صاحب کا ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے ملتا رہا، ابوالحسن اور درشہوار بھی حجرے میں موجود تھے مجھ پر رقت طاری تھی۔ میں سسکیاں لے رہا تھا، آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہ لیتے تھے مگر اس گریہ و بکا ندامت و خجالت میں ایک طرح کی لذت محسوس ہوتی تھی۔ میں ان کے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دے رہا تھا کہ میاں صاحب کی نحیف آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''شاہد علی، تم آگئے۔ مجھے یقین تھا کہ ایک دن تم ضرور واپس آؤ گے۔ شکر ہے تم پھر اسی راستے پر چل رہے ہو جو حق اور ایمان کا راستہ ہے، خدا تمہارے دل کو ایمان

کی روشنی سے منور کرے، تم نے نفس کی سرکشی خوب دیکھ لی اور اس کا انجام بھی دیکھ لیا۔''

میاں صاحب کے شفقت آمیز انداز سے میری رقت میں کمی نہ آئی۔ ہچکیاں بندھ گئیں، ابوالحسن کے اشارے پر درشہوار نے حجرے میں رکھی ہوئی صراحی سے پانی نکال کر مجھے دیا تو میرے ہوش کس قدر ٹھکانے آئے۔ اب آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟'' میں نے کانپتی ہوئی آواز میں دریافت کیا تو میاں صاحب کے ہونٹوں پر ایک مضمحل سا تبسم ابھر آیا۔ اپنا دست شفقت میرے سر پر پھیرتے ہوئے بولے۔

''میری دعا ہے کہ خدا بھی تمہیں معاف کرے، دل سے توبہ کرو دعا ضرور قبول ہوگی۔''

''میاں صاحب!'' میں نے ان کے ہاتھ تھام کر عاجزی اور انکساری سے کہا۔ ''جب آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے تو مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے کی اجازت بھی عطا فرما دیں، میں اپنی باقی زندگی آپ کی خدمت میں گزارنے کا آرزومند ہوں، یقین کیجئے میرے لئے اس سے بڑی مسرت اور کچھ نہیں ہے۔''

''میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے شاہد علی۔،، میاں صاحب بولے۔،، علالت اور کمزوری کے باعث اب میرا اٹھنا بیٹھنا بھی محال ہے۔ میرے عقیدت مندوں کو تمہاری ضرورت ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ تم یہ کام پھر سنبھال لو، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔،،

،، یہ میری خوش نصیبی ہوگی میاں صاحب کہ میں ضرورت مندوں کے کسی کام آسکوں۔،، میں نے خوشی کے جذبے سے سرشار ہو کر جواب دیا۔

میاں صاحب کچھ دیر تک مجھے نصیحت کرتے رہے پھر بولے۔

،، شاہد علی تم نے راجکماری کے ضمن میں کچھ دریافت نہیں کیا؟،، میں میاں صاحب کے روئے مبارک کی طرف عقیدت مند نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ راجکماری کا تذکرہ سن کر میں نے جھکل ہو کر نظریں جھکا لیں تو میاں صاحب نے کہا۔،، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے راجکماری کی روح کو نہ صرف آزاد کر دیا ہے بلکہ اس کی بے قرار روح کے سکون کے لیے دعا کی ہے، اب وہ قلعے میں نہیں ہیں، یقیناً اسے سکون مل گیا ہے۔،،

میاں صاحب سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میاں صاحب نے کچھ دیر باتیں کی اور پھر آنکھیں بند کر لیں، ان پر غالباً نیند کا غلبہ طاری ہو رہا تھا، میں سرک کر نیچے ہوا اور میاں صاحب کے پیر دبانے لگا، درشہوار نے میرے لئے بستر کا انتظام کر دیا، ابوالحسن نے مجھے آرام کرنے کو کہا لیکن میں میاں صاحب کی خدمت کی سعادت سے دل بھر کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا کچھ دیر بعد ابوالحسن اور درشہوار چلے گئے چلتے وقت درشہوار نے مجھے جن نظروں سے دیکھا ان میں عقیدت، محبت اور مسرت کی چمک نمایاں تھی، میں نے ایک مدت کے بعد اس کے چہرے پر حوروں جیسی شادابی دیکھی۔

میاں صاحب کی قدم بوسی اور رفاقت کا شرف حاصل کر کے میری زندگی منقلب ہوگئی، میرا شعور بیدار اور پختہ ہوتا گیا۔ جیسے جیسے اصل شعور یعنی عرفان الٰہی حاصل ہوتا ہے، سفلی صفات ماند پڑ جاتی ہیں اور اصلی صفات اجاگر ہوتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے انسان کو دو ذاتوں سے نوازا ہے، ذات ادنیٰ اور ذات اعلیٰ جو اپنی صفات ادنیٰ پر قابو پا لیتا ہے اور ذات اعلیٰ یا صفات علوی کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس کی روح قوی اور اس کا باطن منور ہو جاتا ہے، فضیلتیں اس کے عقب میں چلتی ہیں۔ یہ ہماری کتنی بدقسمتی ہے کہ جو صفات اعلیٰ ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، حیوانی اور شیطانی

صفات ان پر غالب آجاتی ہیں۔انسان کی حیثیت اس دنیا میں ایک مسافر کی سی ہے جس نے اس چند روزہ سفر میں دیانت راست گوئی اور پاک بازی کا راستہ اختیار کیا اس نے اپنی دائمی زندگی کے لیے کتنے امکانات پیدا کر لیے۔انسان ایک صاف اور روشن قلب اور دماغ لے کر پیدا ہوتا ہے،لیکن اس دنیا میں آکر اسے زنگ لگا لیتا ہے،گو اللہ رب العزت کا جمال ہمیشہ سامنے رہتا ہے مگر کتنے ہی لوگ اپنے قلب و دماغ کو جمال ربانی کی دید سے محروم کر دیتے ہیں،میاں صاحب کے حکم پر میں نے اپنے شب و روز درود و مناجات،وظائف و عبادت کے لیے وقف کر دیے۔میاں صاحب کی دعاؤں کی بدولت میں پھر وہی پرانا شاہد علی بن چکا تھا۔میری زبان کی تاثیر واپس آچکی تھی،میری دعاؤں کو قبولیت کا شرف نصیب ہوتا تھا۔میرے اردگرد ہمہ وقت عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا۔ابوالحسن اور اس کے قبیلے کے اجنہ میرا لحاظ کرنے لگے تھے اور درشہوار تو میرے اس انہماک و استغراق کو دیکھ کر پھولے نہ سماتی تھی۔دن جیسے جیسے گزرتے گئے۔میاں صاحب کی علالت بڑھتی گئی' اب انہوں نے بات چیت کرنی بھی بہت کم کر دی تھی' کمزوری تشویش ناک حد تک بڑھ گئی تھی میں جتنی دیر عقیدت مندوں اور حاجت مندوں کی خدمت میں مصروف رہتا۔ابوالحسن اور درشہوار میاں صاحب کی خدمت کیلئے موجود رہتے میں فراغت پاتا تو وہ دونوں چلے جاتے۔میاں صاحب کی کیفیت یہ تھی کہ ہمہ وقت آنکھیں بند کیے پڑے رہتے لیکن ان کے ہونٹ ہمیشہ متحرک رہتے تھے' غالباً وہ اس حالت میں بھی یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے وہ بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے،میں نماز کے لئے کچھ دیر کو اٹھتا پھر میاں صاحب کی خدمت میں مصروف ہو جاتا۔کبھی جب میں میاں صاحب کی بیماری کے نتائج پر گہرائی میں غور کرتا تو مجھے جھرجھری آجاتی' میں رونے لگتا۔پہروں بے چین رہتا اور سوچتا کہ اگر خدانخواستہ میرے اندیشے درست ثابت ہوئے تو میں بڑی سعادت سے محروم ہو جاؤں گا۔میں میاں صاحب کے بغیر کیا مجھ پر ان کی شفقتیں اور عنایتیں بے حساب تھیں' وہ میرے لئے خضر تھے' انہوں نے مجھے فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچایا تھا۔انہوں نے ایک مرتبہ نظروں سے پردہ کر لیا تھا تو میں بھٹک گیا تھا' اب اگر وہ رخصت ہو گئے تو نہ جانے میرا کیا ہو گا۔

غرضیکہ میاں صاحب کی حالت روز بروز گرتی گئی اور میری تشویش میں اضافہ ہوتا رہا۔انہی دنوں قدرت نے مجھ سے ایک اور امتحان لیا۔ایک روز حسب معمول ضرورت مندوں کی خدمت میں مصروف تھا کہ میاں صاحب کے ایک پرانے خدمت گزار نے جو عقیدت مندوں کو حجرے میں لاتا لے جاتا تھا' ایک برقع پوش خاتون کو سامنے سامنے پیش کیا' ہر چند کہ عورت کا چہرہ نقاب کی آڑ میں تھا لیکن نہ جانے کیوں میرے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا۔مجھے تعجب تھا' صبح سے شام تک ضرورت مندوں کا تانتا بندھا رہتا' ان میں عورتیں بھی شامل ہوتیں پھر آخر اس برقع پوش خاتون کو دیکھ کر مجھے تعجب کیوں ہوا؟ میں چند ثانیے دل و دماغ کے اس تغیر پر غور کرتا رہا پھر خاتون سے بولا۔''بی بی کہو' کیا پریشانی لاحق ہے تمہیں؟''

اس سے پہلے کہ برقع پوش خاتون کوئی جواب دیتی باہر سے ایک نسوانی چیخ کی آواز سنائی دی' کسی عورت نے دیوانہ وار قہقہے لگانے شروع کر دیے پھر اس کے بے ربط جملے میری قوت سماعت سے ٹکرائے۔''تم۔تم سب پاگل ہو.....۔تو.....بکرے' مجھے کیا گھور رہا ہے.....ہاہاہا.....پکڑو پکڑو.....بول کہاں ہیں میرے بچے؟''

باہر عورت کی چیخ پکار جاری تھی' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں' میں اس تغیر کی وجہ جاننے کی کوشش میں مصروف تھا کہ برقع پوش خاتون نے اپنا نقاب پلٹ دیا۔میرے دل پر ایک گھونسا لگا اور تجسس بیک نظر ختم ہو گیا،تمام گرہیں کھلتی چلی گئیں۔میں نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے

دبالیا لیکن نظریں بدستور برقع پوش عورت کے چہرے پر مرکوز رہیں جو ثمینہ کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔ گناہوں کے احساس نے مجھے لرزہ براندام کر دیا۔ میں اپنے حواس مجتمع کرنے کی فکر میں تھا کہ ثمینہ نے ادب اور سنجیدگی سے کہا۔ ''میاں صاحب' آج ایک پریشان عورت آپ کے در پر سوالی بن کر آئی ہے' میں نے آپ کی بزرگی کے بہت چرچے سنے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ کوئی سوالی اس در سے خالی ہاتھ واپس نہیں گیا۔ ثمینہ جذباتی انداز میں کہہ رہی تھی پھر اس نے برقعے کا دامن ہاتھوں سے پھیلا کر رقت بھری آواز میں کہا۔ ''میں آپ کے سامنے جھولی پھیلاتی ہوں میاں صاحب' میری بہن کی حالت پر رحم فرمایئے' اسے اس کا ذہنی سکون واپس دلوا دیجئے' اس کے لئے دعا کیجئے''۔

میری آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے اور دل و دماغ میں ہیجان برپا تھا۔ گو رشیدہ حجرے کے اندر نہیں تھی لیکن میری آنکھیں باہر کا منظر دیکھنے کی استطاعت رکھتی تھیں' میں نے آنکھیں بند کر لیں اور دیکھا رشیدہ شدت دیوانگی میں اپنے بال نوچ اور کپڑے پھاڑ رہی تھی' لوگوں نے اسے جکڑ رکھا تھا' میں اس منظر کو دیکھ کر سرتاپا کانپ اٹھا' ثمینہ نے میری خاموشی محسوس کی تو فریاد کرنے لگی۔ ''میاں صاحب' کیا ایک سوالی آپ کے در سے خالی جھولی لیے واپس جائے گی۔ کیا بہن کو بھائی کی چوکھٹ سے بے نیل و مرام لوٹنا پڑے گا۔''

''ثمینہ میری بہن۔'' میں نے بلند آواز میں کہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

میں حجرے سے باہر آیا تو تمام عقیدت مندوں کے سر احتراماً جھک گئے۔ میں نے رشیدہ پر نظر ڈالی اس کی حالت قابل رحم تھی۔ اکبر نے اسے پوری قوت سے جکڑ رکھا تھا۔ وہ دیوانہ وار چلا رہی تھی اور واہی تباہی بک رہی تھی' قریب ہی راشد حسین بیٹھا تھا' کبھی وہ بیرسٹر تھا' دولت کے نشے میں اس نے مظلوموں پر ظلم توڑے تھے' میں اور میرا پورا خاندان اس کے مظالم کا نشانہ بنے تھے لیکن آج وہی راشد حسین ایک اندھے اپاہج کی صورت میں میرے سامنے بیٹھا تھا۔ چند لمحوں میں متضاد کیفیتیں گزر گئیں' پھر میں چونکا' خود میرا سر بھی جھک گیا۔ میں نے ایک وظیفے کا ورد کیا اور آگے بڑھ کر رشیدہ پر پھونک دیا۔ مجھے اس جلالی وظیفے کا اثر معلوم تھا لیکن دوسرے افراد محو حیرت رہ گئے۔

میرا پھونکنا تھا کہ رشیدہ نے ایک زوردار چیخ ماری اور تیورا کر فرش پر الٹ گئی اور یوں تڑپنے لگی جیسے کسی مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا گیا ہو۔ ہجوم انگشت بدنداں تھا لیکن اکبر اور ثمینہ بے چین نظر آتے تھے۔ اکبر تیزی سے میری طرف بڑھا لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ میری تمام تر توجہ رشیدہ کی طرف تھی' کچھ دیر میں رشیدہ پر نظریں جمائے رہا پھر میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے' میرا عمل کامیاب ہو چکا تھا' میں نے خداوند کریم کا شکر ادا کیا۔

رشیدہ کی حالت اب مختلف تھی' وہ اب زمین پر ساکت پڑی یوں پلکیں جھپکا رہی تھی جیسے طویل نیند سے بیدار ہوئی ہو۔ کچھ لمحے یہی حالت رہی پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی' اپنے گرد نامحرموں کا ہجوم دیکھا تو سہم گئی پھر ثمینہ پر نظر پڑی تو دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ میں نے ثمینہ کی طرف دیکھا' اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جگمگا رہے تھے' میں نے اکبر کو قریب بلا کر کہا۔ ''راشد حسین کو اندر لے آؤ۔''

میں کسی احساس برتری سے نہیں بلکہ بڑے انکسار و عجز سے عرض کروں کہ میاں صاحب کی برکتوں اور ان کی عنایتوں کی وجہ سے میں نے جو کچھ حاصل کیا اس سے بنی نوع انسان کے ہزاروں افراد کو فیض پہنچا چکا تھا' قدرت نے میری زبان میں وہ تاثیر دی تھی کہ میں جو کہتا وہ پورا ہوتا لیکن

جتنی روحانی خوشی مجھے راشد حسین اور رشیدہ کی صحت یابی سے ہوئی وہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو' جیسے قدرت نے میرے گناہوں کا کفارہ قبول کر لیا ہو' رشیدہ اور راشد حسین نے مجھ سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی تو میں نے خلوص دل سے ان کو معاف کر دیا۔ اکبر کی نظریں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ ثمینہ نے جاتے وقت کہا۔ ''میاں صاحب' میں آپ کا یہ احسان تمام عمر یاد رکھوں گی۔''

''ثمینہ۔ تمہارے لئے میں صرف شاہد بھائی ہوں' مجھے خوشی ہوگی اگر تم مجھے محض بھائی صاحب کہا کرو۔''

''بھائی صاحب۔'' ثمینہ کی آنکھیں نمناک ہوگئیں' اور میں نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی کا بوسہ لیا' اسے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور پھر ضرورت مندوں کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔

میاں صاحب کی حالت تھی کہ سنبھل نہیں پا رہی تھی' میں رات کو حجرے سے دور جا کر خداوند کریم کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا اور رو رو کر' گڑ گڑا کر میاں صاحب کے لئے درازی عمر کی دعائیں مانگتا۔ درشہوار مجھے سمجھاتی' صبر کی تلقین کرتی لیکن نہ جانے کیوں مجھے کسی کروٹ سکون نہ ملتا۔ ذہن پر ہر وقت ایک بوجھ سا رہتا۔ ایک شب میں حجرے سے دور بیٹھا' میاں صاحب کی درازی عمر کی دعائیں مانگ رہا تھا' آنسو میری آنکھوں سے رواں تھے کہ درشہوار آئی۔ جب میں نے دعا ختم کی تو اس نے کہا۔ ''اس طرح رو رو کر تو آپ اپنی صحت خراب کر لیں گے کم از کم آپ کو اپنے ہزاروں ارادت مندوں کی خاطر اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے' ابا جان نے بھی مجھے ہدایت کی تھی کہ میں آپ کو سمجھاؤں۔''

''دری!'' میں نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ ''ابوالحسن' میرے محسن ہیں' انہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی ہے' تم نے بھی میرا بڑا ساتھ دیا ہے لیکن کیا کروں' میاں صاحب کی بیماری دیکھ کر میری قوت برداشت ختم ہو جاتی ہے' نہ جانے مجھے کیا ہو جاتا ہے' میں سوچتا ہوں دری! اگر خدانخواستہ میرے سر سے میاں صاحب کا سایہ اٹھ گیا تو میں کیا کروں گا۔ میں تو کچھ بھی نہ رہوں گا۔ خدا جانے پھر کیا ہو جائے۔''

''صبر سے کام لیجئے۔'' دری نے مجھے سمجھاتے ہوئے محبت سے کہا۔ ''میاں صاحب کی علالت نے ابا جان اور قبیلے کے دوسرے اجنہ کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ خدا کو جو منظور ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اس کے معاملات میں کون دخل دے سکتا ہے' آپ اتنے ہراساں ہو گئے تو ان کا جلیل و عظیم منصب کون سنبھالے گا۔''

''میں سمجھتا ہوں لیکن دل نہیں مانتا۔'' میں نے بجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

درشہوار کیا کر سکتی تھی' بس مجھے سمجھاتی رہی' اس کی باتیں اس کی نصیحتیں دل کو لگتی تھیں لیکن نہ جانے کیوں آج یہ احساس شدید ہو گیا تھا کہ میاں صاحب کا سایہ میرے سر سے اٹھنے والا ہے۔ میں نے اپنے خیالات سے لاکھ چھٹکارا پانا چاہا لیکن دل تھا کہ امڈا آ رہا تھا۔ قدرت کو ضرور کچھ منظور تھا جو میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا۔ میں درشہوار سے گفتگو میں محو تھا کہ ابوالحسن کا ایک نائب تیزی سے دوڑتا ہوا آیا۔ ''شاہد میاں' میاں صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں۔''

یہ پیغام سن کر میرے دل کو ایک دھچکا لگا' میاں صاحب نے گزشتہ دو تین روز سے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی' مستقل بے ہوشی اور غنودگی کی کیفیتوں سے دوچار تھے' اس کے باوجود اس وقت انہوں نے مجھے یاد کیا تھا! میں لپک کر اندر کمرے میں جا پہنچا تو میاں صاحب کو ہوش و حواس میں

پایا۔ وہ ابوالحسن سے گفتگو کر رہے تھے۔ اجنہ قبیلے کے کچھ بزرگ بھی ہاتھ باندھے ہوئے موجود تھے' میں کمرے میں داخل ہوا تو میاں صاحب نے اجنہ کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ ان کے اشارے کی تعمیل کی گئی' کمرے میں میرے اور میاں صاحب کے سوا اب کوئی نہیں تھا' میں نے آگے بڑھ کر میاں صاحب کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور کہا۔ ''یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی طبیعت اس وقت بہتر ہے۔''

''شاہد علی۔'' میاں صاحب نے نہایت نحیف آواز میں کہا۔ ''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں' میں جو کچھ کہوں وہ غور سے سنتے رہو۔''

میں ہمہ تن گوش ہو گیا میاں صاحب کچھ توقف کے بعد بولے۔ ''جو قدرت کو منظور ہو وہ ضرور پورا ہوتا ہے شاہد علی۔ میری دعا ہے کہ تم خوش رہو اور راستی کی منزل پر قائم رہو۔'' میاں صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے بیٹے ایک بات یاد رکھنا کبھی کسی کا دل دکھانے کی کوشش نہ کرنا' دوبارہ اپنے نفس کے فریب میں نہ آنا۔ کوئی قدم ایسا نہ اٹھانا جو خدا اور اس کے رسول کے ارشادات کے منافی ہو۔ سن لو' تم نے جو جبر کیا اور دنیا کی ترغیب و تحریص سے کنارہ کیا ہے' اس کی بنا پر تم نے اپنے لئے ایک مقام بنا لیا ہے۔ یہ زندگی چند روزہ ہے اور یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ جو شخص آزمائش کے اس مرحلے سے گزر گیا خدا اسے سرخرو کرتا ہے' درگزر کرنے کی عادت ڈالو' اس دنیا سے سب کو جانا ہے اور دوسری دنیا میں جواب دینا ہے۔''

میاں صاحب کی باتیں سن کر میرا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا لیکن میں گنگ بیٹھا میاں صاحب کی باتیں سنتا رہا۔ انہوں نے دو چار بار سانس لینے کے بعد کہا۔ ''میرے پاس زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں' تم ایک ہوش مند شخص ہو' میں نے ابوالحسن اور دوسرے بزرگ اجنہ کو تمہارے بارے میں ضروری ہدایت کر دی ہیں' ابوالحسن کا خاص طور پر خیال رکھنا وہ بڑا عالم بزرگ ہے۔''

''میاں صاحب!'' میرے صبر و ضبط کے بند ٹوٹ گئے' میں مضطرب ہو کر بولا۔ ''خدارا ایسی باتیں نہ کیجئے' میرا دل پھٹ جائے گا' میں آپ کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں دوبارہ بہک نہ جاؤں۔''

''طفلانہ باتوں سے پرہیز کرو شاہد علی!'' میاں صاحب نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ میرے سر پر پھیر کر جواب دیا۔ ''خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس قادر مطلق نے مجھے تم سے کچھ کہنے کا موقع عنایت کیا' میرا وقت قریب ہے شاہد علی' مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واپس بلا لیا ہے تمہیں صبر و ضبط سے کام لینا ہوگا شاہد علی میرے بچے۔ میں بنی نوع انسان کی اصلاح اور خدمت اب تمہارے سپرد کرتا ہوں' اس فرض میں کبھی کوتاہی نہ کرنا۔''

مجھ سے ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ صبر کی طاقت نہ رہی' میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میری ہچکیوں کی آواز سن کر ابوالحسن اور درشہوار گھبرائے ہوئے اندر آئے۔ اسی لمحے پنجروں میں بند پرندوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور پنجروں کے اندر پھڑ پھڑانے لگے۔ میری نظریں میاں صاحب کے چہرے پر مرکوز تھیں' میں نے میاں صاحب کے چہرے پر جلال کی کیفیتیں نمودار ہوتے دیکھیں۔ میاں صاحب پنجروں کی طرف نظر اٹھا کر سخت لہجے میں بولے۔ ''بدبختو' نامرادو تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ تم خدا کے قہر و غضب سے نہیں بچ سکتے۔ تمہاری گندی روحیں ہمیشہ بے قرار رہیں گی' میں تم سب کو اپنے ہمراہ لے چلوں گا! چپ ہو جاؤ۔''

میاں صاحب کی آنکھوں میں سرخی تھی اور چہرے پر جاہ جلال۔ پرندوں نے پھڑ پھڑانا اور چیخنا بند کر دیا۔ میں بھی یہ منظر دیکھ کر چند لمحوں کے لئے حیرت زدہ رہ گیا۔ میاں صاحب پنجروں کی طرف دیکھتے رہے پھر ابوالحسن کو مخاطب کر کے بولے۔ ''ابوالحسن' میں تم سے ایک اہم بات کہنا بھول گیا تھا۔ میرے ساتھ ہی تم ان تمام پرندوں کو بھی دفن کر دینا۔ ان پرندوں میں ان ظالم و جابر شیطان صفت اور بد کردار افراد کی روحیں مقید ہیں جنہوں نے زندگی بھر دوسروں کو پریشان کیا اور مرنے کے بعد بھی لوگوں کے لئے مصیبت بنے رہے۔''

میں سکتے کی حالت میں میاں صاحب کی باتیں سنتا رہا۔ رات کے کوئی ڈیڑھ بجے کا عمل تھا، کمرے میں کچھ دیر سکون طاری رہا پھر میاں صاحب نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور ابوالحسن سے بولے۔ ''ابوالحسن میں نے تمہیں جو ہدایات دی ہیں۔ ان کا خیال رکھنا۔ شاہد علی کی نگرانی تمہارے ذمے ہے' اسے کوئی تکلیف ہوئی تو میری روح بے چین رہے گی۔''

پھر انہوں نے درشہوار کو قریب بلایا۔ اس نے ان کے پیٹ پر اپنا سر رکھ دیا اور ہچکیوں سے رونے لگی۔ ''نہ رو میری بیٹی۔'' میاں صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ''خدا تجھے خوش رکھے تو بڑی سعید اور نیک بچی ہے تو نے مجھے خوش کیا ہے' ابوالحسن! اس کا بہت خیال رکھنا' شاہد علی تم بھی۔'' اس کے بعد انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ''خدا حافظ میرے بچے۔'' اور آنکھیں بند کر لیں۔ مجھ پر بھی سکتے کی کیفیت طاری تھی لیکن جب ابوالحسن نے آگے بڑھ کر میاں صاحب کے جسم پر سفید چادر ڈالی تو میں بے اختیار چلانے لگا' میں دھاڑیں مار مار کر میاں صاحب کے پلنگ کی پٹی سے سر ٹکرانے لگا۔ ابوالحسن نے لپک کر مجھے سنبھالا اور درشہوار نے صبر کی تلقین کی لیکن میں بہرا ہو چکا تھا۔

اس سانحے کے بعد مجھ پر سب سے پہلا اثر یہ ہوا کہ میں خود کو بے سہارا محسوس کرنے لگا۔ میرا روشن ضمیر مرشد مجھ سے رخصت ہو گیا تھا۔ اس کی زبان فیض ترجمان اب خاموش تھی۔ مجھے تنہائی کا شدید احساس ہوا۔ میں دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ میاں صاحب سے میری وابستگی تو انتہائے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ کسی شخص کو حضرت میاں صاحب کی مجھ سے بڑھ کر قربت حاصل نہ تھی لیکن آج رفاقت کا وہ طویل باب مکمل ہو چکا تھا۔ ان کے دامن ولایت میں مجھے ایک تحفظ محسوس ہوتا تھا۔ میاں صاحب کی سمت بھاگنے کی کوشش کرتا لیکن ابوالحسن مجھے پکڑے ہوئے تھے جب تک میں ہوش میں رہا۔ میری دیوانگی بڑھتی رہی۔ عجیب بات یہ تھی کہ میں میاں صاحب کی چارپائی سے ٹکرا ٹکرا کر مر جانے اور ان کی مقدس روح کے ساتھ آخرت کا سفر کرنے کا متمنی تھا۔ میں چیخ چیخ کر ابوالحسن سے کہہ رہا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ دیں لیکن ابوالحسن مجھے گھسیٹ کر حجرے سے باہر لے آئے۔ یہاں اجنہ قبیلے کے تمام افراد رنج و غم کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ وہ سب لوگ میرے قریب آ گئے اور انہوں نے میرے ہاتھوں کا بوسہ لینا شروع کر دیا۔ اس واقعے نے میرا اضطراب دوچند کر دیا۔ مجھے کھڑے کھڑے ایسا محسوس ہوا جیسے میں زمین میں گڑا جا رہا ہوں' ابوالحسن نے مجھے گرتا دیکھ کر سہارا دیا اس کے بعد کی کوئی بات مجھے یاد نہیں۔

قارئین کرام۔ اب میں اکبر حسین آفندی آپ سے مخاطب ہوں' اب یہ واقعہ اس منزل پر آ پہنچا ہے کہ میرا قلم سنبھالنا ضروری ہے۔ میں یہ بات عرض کروں کہ میاں صاحب کی قدم بوسی کی سعادت دوبارہ حاصل کرنے کے بعد شاہد علی سے میری رفاقت بڑھ گئی تھی' میں یہ سرگزشت جزئیات کے ساتھ کبھی نہ لکھ پاتا اگر شاہد علی گاہے گاہے مجھے اپنی قلبی کیفیات سے آگاہ نہ کرتا۔ جب وہ دوبارہ میاں صاحب کے دربار فیض میں واپس

ہوا تو اس نے کھل کر اپنی گزشتہ نادانیوں اور جذباتی کشمکش کا اظہار مجھ سے کیا تھا۔

اس بزرگ کے وصال نے جہاں دوسرے ارادت مندوں میں صف ماتم بچھادی وہاں سب سے زیادہ شاہد علی کو متاثر کیا۔ میں رات ہی کو میاں صاحب کے وصال کی خبر پا کر وہاں پہنچ گیا تھا شاہد علی کی حالت قابل رحم تھی۔ جب تک وہ بے ہوش رہتا پُرسکون رہتا اور جیسے ہی ہوش میں آتا 'اس کی حالت مختلف ہو جاتی' اٹھ اٹھ کر حجرے کی طرف بھاگنے کی کوشش کرتا۔ رات بھر وہ اسی کربناک حالت سے دوچار رہا۔ میاں صاحب کے وصال کی خبر صبح تک دور دور تک پھیل گئی۔ عقیدت مند آخری دیدار اور تجہیز و تکفین کی رسوم میں حصہ لینے کی خاطر جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ میں نے اور درشہوار نے شاہد علی کو سنبھال رکھا تھا۔ ابوالحسن اور دوسرے عقیدت مندوں کے ساتھ تجہیز و تکفین کے بندوبست میں لگ گئے۔ درشہوار کی حالت بھی ناقابل بیان تھی۔ اس کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں' وہ چپ چاپ بیٹھی ٹکٹکی باندھے شاہد علی کو دیکھ رہی تھی۔ جسے میں نے بے ہوشی کی حالت میں اپنے زانو پر لٹا رکھا تھا۔

میت قبرستان کے لئے روانہ ہوئی تو ایک خلقت ان بزرگ کے جنازے کے جلوس میں شامل تھی' کیا ہندو کیا مسلمان سب ہی آبدیدہ تھے ہر آنکھ پُرنم تھی' ہر دل رو رہا تھا۔ شاہد علی کو ابوالحسن نے سنبھال رکھا تھا۔ میں جنازے کو کندھا دینے کی خاطر آگے بڑھ گیا۔ عجیب ایمان پرور منظر تھا۔ عورتیں بے نقاب روتی دھوتی جنازے کے ساتھ تھیں جیسے ان کا کوئی قریبی رشتے دار ان سے چھن گیا ہو۔ میں جلد ہی میت کو کاندھا دینے کا فرض ادا کر کے واپس پیچھے آ گیا جہاں ابوالحسن اور اس کے رفیق اجنہ نے شاہد علی کو سنبھال رکھا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ شاہد علی اس وقت نہ رو رہا تھا نہ دھاڑیں مار رہا تھا۔ بس آنکھیں پھاڑے جنازے کی طرف دیکھ رہا تھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی شخص نیند کی کیفیت میں آنکھیں کھولے رواں دواں ہو۔ وہ اپنے گردوپیش سے قطعاً بے نیاز تھا۔ میں نے قریب جا کر آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔ ''شاہد علی کیا تم جنازے کو کندھا دینے کا فرض ادا نہیں کرو گے؟''

شاہد علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کچھ توقف کے بعد پھر کہا۔ ''شاہد علی زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے تمہارا صدمہ بجا ہے لیکن مجبور و بے بس کس لوگوں کو تمہاری شدید ضرورت ہے۔ تمہیں دوسروں کے لئے اپنی زندگی از سر نو سنوارنی ہوگی۔''

شاہد علی نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ دیا' میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی یہ طویل خاموشی اور سکتے کی کیفیت خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے اور واقعی میرا انداز درست ثابت ہوا۔ جتنی دیر تک قبرستان میں رسوم ادا ہوتی رہیں' شاہد علی پر نزع کا عالم طاری رہا' لوگوں نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھا دیے مگر شاہد علی بدستور خاموش کھڑا ٹکٹکی باندھے قبر کو گھورتا رہا پھر جب واپسی کا وقت آ گیا تو شاہد علی کو ہوش آیا۔ وہ میاں صاحب کی قبر سے چمٹ گیا۔ وہ منظر بڑا روح فرسا تھا' ابوالحسن اور میں نے بڑی مشکل سے شاہد علی کو قبر سے دور کیا لیکن شاہد علی پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ وہ بڑبڑاتا رہا۔ عقیدت مندوں کے دلوں پر کیا گزر رہی تھی اس کا اندازہ ان کے چہروں سے ہو رہا تھا۔ میں بڑی مشکلوں سے شاہد علی کو واپس لا سکا' جب تک وہ بے ہوش نہیں ہو گیا برابر میاں صاحب کا نام لے لے کر بین کرتا رہا۔

کوئی پندرہ روز تک شاہد علی کی حالت تشویشناک رہی پھر وہ آہستہ آہستہ سنبھل گیا۔ میاں صاحب کے حکم کی تعمیل میں اس نے نئے سرے

سے حجرے کی نشست میں پابندی سے شرکت شروع کردی البتہ ایک بات میں نے خاص طور پر محسوس کی' اس نے دیوانگی کے ساتھ ساتھ ریاضت بھی شروع کردی تھی۔ چند ہی دنوں میں اس کے چہرے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں اور حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ چڑچڑا اور تنک مزاج ہوگیا تھا۔ لوگوں کے حالات سنتے سنتے اکثر اس کی ذہنی رو بہک جاتی اور وہ انہیں برا بھلا کہنے لگتا' نفرت سے دھتکار دیتا لیکن اس کی زبان میں اب بھی وہی تاثیر تھی' جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا وہ پورا ہو کر رہتا' عقیدت مندوں نے شاہد علی کو اس رنگ میں بھی قبول کرلیا لیکن میری اور ابوالحسن کی تشویش بڑھ گئی۔ دو چار بار تو اس نے درشہوار کو بھی نفرت سے جھڑک دیا لیکن وہ بے چاری بڑی خلوص اور مستعدی سے شاہد علی کی خدمت کرتی رہی۔

اب میرا زیادہ تر وقت شاہد علی کے پاس گزرتا۔ ثمینہ' رشیدہ اور میرے سسر راشد حسین کو بھی شاہد علی کی ذہنی حالت پر افسوس تھا۔ کبھی کبھی وہ بھی اسے دیکھنے آتے اور گھڑی دو گھڑی بیٹھ کر واپس چلے جاتے' میں نے ابوالحسن کے مشورے سے دو چار اعلیٰ درجے کے حکیموں کو بلوا کر شاہد علی کو دکھوایا ڈاکٹری علاج بھی کروایا لیکن شاہد علی کی ذہنی کیفیت اعتدال پر نہ آسکی بلکہ اس کی چڑچڑاہٹ میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ مولوی اشرف علی کا بھی زیادہ تر وقت حجرے کے آس پاس گزرتا وہ بڑے فخر اور شان سے کہتا پھرتا۔ ''میاں شاہد علی میرے ساتھ ایک عرصے تک رہ چکے ہیں' مجھے ان کی دوستی اور قربت کا شرف حاصل ہے۔'' شاہد علی بھی اس کا بہت خیال کرتا تھا' اشرف علی بھی اپنے دوست شاہد علی کی اس بدلتی ہوئی حالت سے بہت پریشان تھا۔

دجّال (شیطان کا بیٹا)

انگریزی ادب سے درآمد ایک خوفناک ناول۔ علیم الحق حقی کا شاندار اندازِ بیاں۔ شیطان کے پجاریوں اور پیروکاروں کا نجات دہندہ شیطان کا بیٹا۔ جسے بائبل اور قدیم صحیفوں میں بیسٹ (جانور) کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ انسانوں کی دُنیا میں پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان پرورش پا رہا ہے۔ شیطانی طاقتیں قدم قدم پہ اسکی حفاظت کر رہی ہیں۔ اسے دُنیا کا طاقتور ترین شخص بنانے کے لیے مکروہ سازشوں کا جال بنا جا رہا ہے۔ معصوم بے گناہ انسان، دانستہ یا نادانستہ جو بھی شیطان کے بیٹے کی راہ میں آتا ہے، اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

دجّال..... یہودیوں کی آنکھ کا تارہ جسے عیسائیوں اور مسلمانوں کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے کا مشن سونپا جائے گا۔ یہودی کس طرح اس دُنیا کا ماحول دجال کی آمد کے لیے سازگار بنا رہے ہیں؟ دجالیت کی کس طرح تبلیغ اور اشاعت کا کام ہو رہا ہے؟ دجّال کس طرح اس دُنیا کے تمام انسانوں پر حکمرانی کرے گا؟ 666 کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب آپ کو یہ ناول پڑھ کے ہی ملیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو شروع کرنے کے بعد ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ دجال کا پہلا دوسرا اور تیسرا حصہ کتاب گھر پر دستیاب ہیں۔

ایک روز ایسا واقعہ پیش آیا کہ ہم سب لوگ پریشان ہوگئے' میں زیادہ تر حجرے میں شاہد علی کے پاس ہی بیٹھا رہتا تھا۔ اس روز بھی میں حسب معمول چپ چاپ بیٹھا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت اندر آئی وہ صورت اور شکل کے اعتبار سے بڑی بھولی اور فرشتہ صفت نظر آتی تھی۔ شاہد علی نے اپنی عادت کے مطابق اس پر ایک گہری نظر ڈالی پھر نظریں جھکا لیں۔ میں نے عورت کو اشارہ کیا تو اس نے شاہد علی کو عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''میاں صاحب' میں بڑی امیدیں لے کر آپ کی چوکھٹ پر آئی ہوں مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔''

''کیا چاہتی ہے' مقصد بیان کر۔'' شاہد علی نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے تک اس کی ذہنی حالت بالکل درست تھی۔

عورت ایک لمحے کو جھجکی پھر بولی۔ ''میاں صاحب' میری ایک ہی لڑکی ہے میں نے بڑے ارمانوں سے اس کی شادی کی تھی۔ کچھ دنوں تک حالات ٹھیک رہے پھر میرے داماد نے نہ جانے کون سا جادو کر دیا کہ میری بیٹی مجھ سے متنفر ہوگئی' پندرہ روز ہوگئے میں نے اپنی بچی کی صورت تک نہیں دیکھی' اب آپ کی خدمت میں آئی ہوں' دعا کیجئے کہ میرا داماد سیدھے راستے پر آجائے اور لڑکی کا دل میری طرف سے صاف ہوجائے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' شاہد علی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''تیری دلی مراد پوری ہوسکتی ہے' تجھے رنڈیوں کا ناچ کرانا ہوگا۔ سمجھی؟''

مجھے حیرت تھی کہ شاہد علی نے ایسی بات کیوں کر کہی۔ عورت یہ جواب سن کر چونک پڑی پھر پہلو بدل کر دبی زبان سے بولی۔ ''آپ روشن ضمیر ہیں میاں صاحب' دلوں کا حال پڑھ سکتے ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر میری مراد پوری ہوگئی تو شاندار مجرا کراؤں گی۔''

''بدبخت۔ حرافہ۔'' اچانک شاہد علی کے تیور خراب ہوگئے اور اس نے عورت کی طرف حقارت سے گھور کر کہا۔ ''بدکردار' نائیکہ تو اپنی لڑکی کی کمائی کھانا چاہتی ہے' دفع ہوجا میرے سامنے سے مکار فریبی عورت۔''

میں نے دیکھا کہ عورت کا چہرہ اچانک زرد پڑ گیا۔ وہ مجھ سے نظریں چرا کر شاہد علی سے بولی۔ ''میاں صاحب' جب تک آپ میری مراد پوری نہیں کریں گے میں واپس نہیں جاؤں گی۔ آپ کو میرا بندوبست کرنا ہوگا میاں صاحب' نہیں تو میں آپ کی چوکھٹ پر جان دے دوں گی۔''

''میں تیرا بندوبست ضرور کروں گا' فاحشہ۔'' شاہد علی نے جلالی کیفیت میں کہا۔ ''جا۔ تیری نجات موت میں ہے۔ تجھے مرجانا چاہیے' دفع ہوجا۔''

شاہد علی اور عورت کی گفتگو سے میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ عورت کس قماش کی ہے مجھے یقین تھا کہ وہ آسانی سے شاہد علی کا پیچھا نہیں چھوڑے گی لیکن اچانک وہ اٹھی اور مشینی انداز میں حجرے کے باہر نکل گئی' میں بھی دبے قدموں اٹھ کر حجرے سے باہر نکلا' میں عورت کو نیک راستے پر چلنے کی تلقین کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن مجھے اس کا موقع نہ مل سکا۔ عورت باہر نکل کر تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ یکلخت چکرا کر نیچے گری اور کچھ دیر لوٹ پوٹ کر ساکت ہوگئی۔ میں قریب گیا تو اس کے منہ سے خون جاری تھا۔ نبض ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ وہ مرچکی ہے' میں نے کچھ عقیدت مندوں کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ کسی سواری کا بندوبست کریں اور عورت کی لاش اس کے گھر چھوڑ آئیں۔

اس واقعے نے میری اور ابوالحسن کی تشویش میں اضافہ کر دیا۔ شاہد علی نے اپنی زندگی میں پہلی بار حجرے میں بیٹھ کر کسی کو موت کی بددعا دی تھی چنانچہ ایک دن ابوالحسن نے اسے مشورہ دیا کہ وہ کچھ دنوں آرام کرے اور حجرے کی نشستوں میں بیٹھنا کم کر دے لیکن شاہد علی نے ابوالحسن کی بات کا کوئی

اثر نہیں لیا اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہا۔ ہم سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے پھر ہمیں چار و ناچار خاموش ہو جانا پڑا۔ اس واقعے کے بعد پھر ایک ایسا پریشان کن واقعہ پیش آیا جس نے ہماری عقلیں خبط کر دیں۔ شاہد علی نے ایک شب اچانک اٹھ کر میاں صاحب کی قبر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا اور قبر سے مٹی ہٹانے لگا حسن اتفاق سے میں جاگ رہا تھا۔ میں نے رات کے سناٹے میں ابوالحسن کو آواز دی' وہ بھاگے بھاگے میرے پاس آئے' میں نے انہیں ساتھ لیا اور ہم دونوں شاہد علی کے پیچھے دوڑتے ہوئے قبر پر پہنچ گئے۔ میں نے بڑی مشکل سے شاہد علی کو پکڑا تو وہ مجھ سے زور آزمائی کرتا ہوا بولا۔ ''چھوڑ دے مردود' مجھے جانے دے' میں اپنے نوشہ کے پاس جا رہا ہوں۔ دیکھا انہوں نے مجھے آواز دی ہے' وہ مجھے بلا رہے ہیں۔''

چیخ پکار کی آواز سن کر کچھ دوسرے اجنہ بھی وہاں آ گئے۔ شاہد علی پاگلوں کی طرح واہی تباہی بک رہا تھا۔ اس نے ہم لوگوں کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ابوالحسن نے موقع کی نزاکت محسوس کی تو درشہوار سے کچھ کہا۔ وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئی اور جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا' ابوالحسن نے شاہد علی کو زبردستی پکڑ کر گلاس کا عرق اس کے حلق میں انڈیل دیا جس کا فوری اثر ہوا۔ شاہد علی وہیں قبر پر گر گیا اور میں اسے کاندھے پر لٹکا کر حجرے میں لایا۔ وہ رات میں نے اور ابوالحسن نے شاہد علی کے سرہانے بیٹھ کر گزاری۔ دوسری صبح شاہد علی کو ہوش آیا تو اسے رات کا واقعہ یاد نہ تھا۔

اس نئی صورت حال نے ہمیں محتاط کر دیا۔ شاہد علی پر اچانک سوتے میں اٹھ کر بھاگنے کا دورہ آئے دن پڑنے لگا۔ چنانچہ ایک شخص رات کو شاہد علی کے پاس کمرے میں رہتا اور باہر کی نگرانی پر ابوالحسن نے اجنہ قبیلے کے کچھ معتبر جن تعینات کر دیے تاکہ شاہد علی کا ذہنی انتشار کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کر لے۔

شہر کے حکیموں کے علاوہ دور دراز کے حکیموں' ڈاکٹروں کو بھی مرض کی وجہ سمجھ میں نہ آسکی اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ البتہ شاہد علی کی ہذیانی اور جنونی کیفیت کی مدت میں قدرت نے شاہد علی کی زبان کو کچھ ایسی تاثیر عطا کر دی تھی جو شاذ و نادر ہی کسی بزرگ کو نصیب ہوئی ہو' ڈیڑھ سال کی مدت میں یوں تو میں نے شاہد علی کی زبان کی تاثیر کی بے شمار کرامتیں دیکھیں۔ اگر میں سب کو رقم کرنے بیٹھا تو ایک علیحدہ کتاب مرتب ہو جائے گی' اس لیے یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف دو حیرت انگیز واقعات پر اکتفا کروں گا۔

پہلا واقعہ ایک عورت کا تھا' وہ متواتر ایک ہفتے سے شاہد علی کے پاس آ رہی تھی' اس عورت کے سلسلے میں مجھے شاہد علی کے رویے پر حیرت تھی وہ جب بھی حجرے میں آتی' شاہد علی اسے دھتکار دیتا۔ عورت مایوس ہو کر جانے لگتی تو کہتا۔ ''کل آنا۔ میں تیرے لیے کچھ کروں گا۔''

عورت دوسرے روز آتی تو پھر اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا' جب مسلسل تین بار عورت کو ناامید ہونا پڑا تو میرا خیال تھا اب نہیں آئے گی لیکن چوتھے روز پھر آ گئی۔ غالباً اس کی لگن سچی تھی وہ غریب بڑی عقیدت سے شاہد علی کو سلام کرتی پھر جواب میں ڈانٹ پھٹکار سن کر واپس چلی جاتی۔ یہ سلسلہ چھ روز تک جاری رہا۔ ایک دو بار میرے جی میں آئی کہ اس عورت کے سلسلے میں شاہد علی سے پوچھوں کہ آخر یہ کس مقصد سے آتی ہے اور اس غریب کو کیوں دھتکار دیا جاتا ہے لیکن مجھے اس کا موقع نہ مل سکا۔ بہرحال ساتویں روز وہ دھن کی پکی عورت آئی اس نے حسب معمول شاہد علی کو عقیدت بھرے انداز میں سلام کیا اور بڑی عاجزی سے بولی۔ ''میاں صاحب' میں تمام زندگی آپ کی قدم بوسی کو حاضر ہوتی رہوں گی لیکن جس

کام کے لئے اتنے دنوں سے چکر لگا رہی ہوں آج اس کا آخری دن ہے۔''

عورت نے ابھی کھل کر اپنا مقصد بیان نہیں کیا تھا۔ میں نے شاہد علی کی سمت دیکھا' وہ آنکھیں بند کیے مراقبے میں تھا۔ دیر تک یہی کیفیت رہی پھر اس نے آنکھیں کھول کر عورت کو غور سے دیکھا اور کہا۔ ''تیرا جذبہ سچا ہے۔ جا تیری مراد پوری ہوگی' حکم مل جائے گا۔ اندھیرا دور ہو جائے گا' وہ بدبخت سامنے آجائے گا جس نے اپنا منہ کالا کیا تھا۔''

عورت نے شکر گزاری سے شاہد علی کی طرف دیکھا اور ادب سے سلام کر کے باہر چلی گئی۔ میرے تجسس میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے حجرے سے باہر جا کر عورت کو روکا اور صورت حال دریافت کی تو وہ دبی زبان سے بولی۔ ''بھائی کل صبح میرے اکلوتے لڑکے کو پھانسی دی جانے والی ہے اس پر ایک لڑکی کے ساتھ ملوث ہونے اور اسے قتل کرنے کا جرم ثابت ہو چکا ہے' ساری شہادتیں اس کے خلاف دی گئی ہیں۔''

''تمہیں پورا یقین ہے کہ تمہارا بیٹا بے گناہ ہے؟''

عورت ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''دلوں کے حال خدا بہتر جانتا ہے' اس نے مجھ سے یہی کہا ہے کہ اسے زبردستی ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجرم نہیں ہے۔ میں ایک بے سہارا عورت ہوں۔ میاں صاحب کے سوا میرا کوئی پرسان حال نہیں۔''

عورت تو چلی گئی لیکن میری تشویش دوچند ہو گئی' مجھے دوسرے دن کا انتظار تھا اور دوسرے دن وہ عورت دن چڑھے آئی تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا' آج وہ تنہا نہیں تھی' اس کے ساتھ ستائیس اٹھائیس سال کا ایک گبرو جوان بھی تھا۔ عورت نے آتے ہی شاہد علی کے پاؤں پکڑ لیے پھر لڑکے کو اشارہ کیا' اس نے بھی بڑھ کر قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ میرا خیال تھا کہ شاہد علی اس عورت سے تازہ حالات دریافت کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا' اس نے بڑی بے نیازی سے ان دونوں کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ' جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔''

میں نے باہر نکل کر عورت سے معاملے کی نوعیت دریافت کی تو اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہی وہ بچہ ہے جسے آج پھانسی دی جانے والی تھی لیکن میاں صاحب کے کہنے کے مطابق عین اس وقت اصل قاتل نے سامنے آ کر جرم کا اقرار کر لیا جب میرے بچے کو کلمہ طیبہ پڑھایا جا چکا تھا اور جلاد تختہ ہٹانے کے لئے ایک اشارے کا منتظر تھا۔ یہ تو ایک بہت بڑی کرامت ہے۔''

دوسرا واقعہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں شاہد علی نے ایک سائل کو ایک ہی وقت میں دو مختلف حالتوں میں دوچار کر دیا تھا' ایک بااثر اور صاحب ثروت شخص نے ہر طرف سے مایوس ہو کر شاہد علی کی چوکھٹ تھام لی' پہلی بار جب میں نے اسے حجرے میں دیکھا تو یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ مجبور ہو کر یہاں تک آ گیا ہے ورنہ اس ماحول میں شاید یہ اپنے کسی نوکر کی موجودگی بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ شاہد علی کو سلام کرتے وقت اس کے انداز سے رعونت اور بیزاری عیاں تھی۔ شاہد علی نے عادت کے مطابق سوٹ بوٹ والے امیر و کبیر شخص پر ایک نظر ڈالی پھر نظریں جھکا لیں۔ مالدار آدمی نے بولنے کے لئے منہ کھولا تو میں نے اشارے سے منع کر دیا۔ ان دنوں شاہد علی کچھ زیادہ ہی چڑچڑا ہو گیا تھا' بات بات پر گالیاں دینا شروع کر دیتا۔ آنے والا اگر اپنا دکھ بیان کرنا شروع کرتا تو وہ اسے حقارت سے دھتکار دیتا چنانچہ حجرے میں داخل ہونے سے پیشتر ضرورت مندوں کو تاکید کر دی جاتی تھی کہ خاموشی سے سلام کریں اور جب تک شاہد علی کی اجازت نہ ہو' منہ نہ کھولیں۔ یہی بات اس نئے آدمی سے بھی کہی گئی تھی لیکن وہ شخص

جو تمام زندگی دوسروں پر حکم چلانے کا عادی ہو بھلا دوسرے کے حکم پر کس طرح چلتا، غرض کہ جب میں نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تو اس کے چہرے کی خشونت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس نے مجھے نفرت سے گھورا اور شاہد علی کی طرف متوجہ ہو کر بول پڑا۔ ''جناب میں ایک ضرورت کے تحت یہاں تک آ گیا ہوں۔''

اس سے پہلے کہ وہ آگے کچھ کہتا شاہد علی کے چہرے پر جھلاہٹ نمودار ہوئی' وہ مراقبے سے سر اٹھا کر غصے سے بولا۔ ''مردود' حرام زادے یہ فقیروں کی جھونپڑی ہے تیرے باوا کی جاگیر نہیں، دولت پر غرور کرتا ہے' بد بخت' بے ایمان۔''

مالدار شخص اس سخت کلامی کا متحمل نہ ہو سکا۔ وہ تذبذب کی حالت سے دوچار ہو گیا۔ شاہد علی نے کہا۔ ''تو کیا بتائے گا گندے کتے' میں جانتا ہوں کہ تو یہاں کیوں آیا ہے' خود غرض! تیری بچی کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہیں' اس کی شادی نہیں ہو رہی ہے' تو مجھے خریدنے آیا ہے۔''

''تف ہے تجھ پر۔'' شاہد علی کا جلال دیکھنے کے قابل تھا' وہ بڑی برہمی سے بولا۔ ''تو یہاں بھی سودے بازی کی نیت سے آیا ہے کم بخت' جا تیری لڑکی کی بینائی تیرے گھر پہنچنے تک واپس آ جائے گی' اس کی شادی کر دے اور اگر تو نے خود کو نہ بدلا تو یاد رکھ نحوستیں تجھے گھیر لیں گی' تو نے لوگوں کو پریشان کر دیا' اب خود پریشان ہو کر دیکھ' جا دور ہو جا میری نظروں سے۔''

مالدار شخص تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں اس شخص کے بارے میں درشہوار سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس کے پاس دولت کی افراط ہے۔ شاہد علی نے جو کہا تھا وہ پورا ہوا۔ اس نے اپنی لڑکی کی بینائی ٹھیک ہو جانے کے بعد ایک شاندار جشن کا اہتمام کیا بڑی دھوم دھام سے اس کی شادی کی مگر شادی کے ایک ہفتے کے اندر اندر اس کی کاروباری حالت خراب ہونے لگی اور کچھ عرصے بعد وہ دربدر خاک چھاننے پر مجبور ہو گیا۔ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ ریت کے ڈھیر کی طرح کسی طوفانی ریلے میں غائب ہو گیا۔

اس قسم کی بے شمار کرامتیں ہیں جو میرے سامنے پیش آئیں اب میں تسلسل برقرار رکھنے کے لئے اصل سرگزشت کی طرف آتا ہوں۔

اس رات میں ابوالحسن کے ساتھ حجرے سے باہر بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا' ابوالحسن کے دوسرے ساتھی اجنہ حجرے کی نگرانی پر مامور تھے۔ درشہوار اندر شاہد علی کے پاس تھی' رات کے کوئی ساڑھے بارہ ایک کا عمل ہو گا جب درشہوار حجرے سے باہر آئی تو اس نے ابوالحسن کو بتایا کہ شاہد علی اس وقت پُرسکون نیند سو رہا ہے۔ اس خبر سے ہم سب کے چہرے شگفتہ ہوئے اس لیے کہ گزشتہ تین چار راتوں سے شاہد علی ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سویا تھا۔ درشہوار یہ جانفزا مژدہ سنا کر اندر گئی تو میں نے شکر ادا کیا لیکن ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ وہ دوبارہ بوکھلائی ہوئی باہر آئی۔ ''باوا جان۔'' اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں ابوالحسن سے کہا۔ ''وہ اپنے کمرے سے غائب ہیں۔ میں نے ہر جگہ تلاش کیا لیکن کہیں پتا نہ چلا۔''

میں اور ابوالحسن بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ حجرے میں اچھی طرح دیکھنے کے بعد قرب و جوار میں بھاگ دوڑ شروع ہوئی لیکن شاہد علی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ابوالحسن نے اپنے اجنہ سے دریافت کیا جو نگرانی پر مامور تھے لیکن وہ بھی کوئی خاطر خواہ جواب نہ دے سکے۔ میں دنگ تھا کہ شاہد علی کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ اس کا اجنہ تک کی نظروں سے غائب ہو جانا ناقابل فہم تھا!

دوسرے روز جب عقیدت مندوں کو شاہد علی کے غائب ہونے کا علم ہوا تو ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ ہر شخص اس کی تلاش میں نکل کھڑا

ہوا۔شہر کا کونا کونا چھان مارا لیکن شاہد علی کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔

قارئین کرام!ان واقعات کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی جب شاہد علی کی یاد آتی ہے تو دل تڑپ اٹھتا ہے۔میں خود بھی عمر کی اس منزل میں ہوں جہاں کسی بھی وقت خالق حقیقی کی طرف سے بلاوا آ سکتا ہے۔یہ عبرتناک سرگزشت رقم کرتے وقت مجھے ہر لمحے یہ خیال رہا ہے کہ جو مافوق الفطرت واقعات میرے علم اور تجربے میں آئے ہیں انہیں لوگوں کے سامنے پیش کردوں۔مجھے پتا نہیں کہ میں یہ سرگزشت بیان کرنے کی اصل وجہ لوگوں تک منتقل کر پایا ہوں یا نہیں۔یہ بہت نازک موضوع ہے اور لکھنے لکھانے کے مشکل کام سے میرا کبھی واسطہ نہیں رہا تھا۔بہرحال ‘میں نے ان بے ترتیب واقعات میں جگہ جگہ اصل روح اور تنبیہہ ونصیحت کا خیال رکھا ہے۔

اس کے بعد میں نے شاہد علی کو نہیں دیکھا۔بہت سے خیالات دل میں آتے ہیں۔کبھی سوچتا ہوں ممکن ہے میاں صاحب نے میرے دوست کی حالت پر ترس کھا کر اسے اپنے پاس بلا لیا ہو۔

ختم شد

http://free-urdubook.blogspot.com/

اقابلا

اقابلا.....تاریک اور پراسرار برِاعظم افریقہ کے خوفناک جنگلوں میں آباد ایک غیر مہذب قبیلہ.....جو اقابلا نامی دیوی کے پجاری تھے۔بحری جہاز کی تباہی کے بعد مہذب دُنیا کے چند افراد اس قبیلے کے چنگل میں جا پھنسے۔ شوالا.....جنگلی قبیلے کا ایک سردار جسے دیوی اقابلا نے تمام حشرات الاراض کا مختار بنا دیا تھا۔ کالاری.....جنگلی قبیلے کا دوسرا سردار جس کی تمام درندوں پر حکمرانی تھی۔کیا مہذب انسانوں کی اس جنگلی خونخوار قبیلے سے واپسی ممکن ہو سکی؟ انور صدیقی کے جادوں بیاں قلم کی یہ طویل اور دلچسپ داستان آپ جلد ہی کتاب گھر کے ایکشن ایڈونچر ناول سیکشن میں پڑھ سکیں گے۔